تاریخِ اسلام
مکمل
مصنفه
حضرت مولانا محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مکتبۃ البشریٰ
شعبہ نشر و اشاعت
چودھری محمد علی چیریٹیبل ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کراچی پاکستان

مُؤَلّفہ

حضرت مولانا سیّد محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(۱۳۲۱ھ-۱۳۹۵ھ)

کتاب کا نام : تاریخ اسلام

مؤلف : حضرت مولانا سیّد محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تعداد صفحات : ۲۴۸

قیمت برائے قارئین : =/۶۵ روپے

طبع اوّل : ۱۴۲۹ھ / ۲۰۰۸ء

طبع جدید : ۱۴۳۲ھ / ۲۰۱۱ء

ناشر : مکتبۃ البشریٰ

چودھری محمد علی چیریٹیبل ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کراچی پاکستان

Z-3، اوورسیز بنگلوز، گلستان جوہر، کراچی۔ پاکستان

فون نمبر : +92-21-37740738, +92-21-34541739

فیکس نمبر : +92-21-34023113

ویب سائٹ : www.maktaba-tul-bushra.com.pk

www.ibnabbasaisha.edu.pk

ای میل : al-bushra@cyber.net.pk

ملنے کا پتہ : مکتبة البشریٰ، کراچی۔ پاکستان 2196170-321-92+

دار الإخلاص، نزد قصہ خوانی بازار، پشاور۔ 2567539-91-92+

مکتبه رشيديه، سرکی روڈ، کوئٹہ۔ 2567539-91-92+

مکتبة الحرمين، اردو بازار، لاہور۔ 4399313-321-92+

المصباح، ۱۶- اردو بازار، لاہور۔ 7124656,7223210-42-92+

بك لينڈ، سٹی پلازہ کالج روڈ، راولپنڈی۔ 5773341,5557926-51-92+

اور تمام مشہور کتب خانوں میں دستیاب ہے۔

مصنف علیہ الرحمۃ کا تعارف

آپ کا نام محمد میاں اور آپ کے والد کا نام منظور احمد ہے۔ آپ دیو بند کے مشہور خاندان ''سادات رضویہ'' کے ایک عظیم چشم و چراغ ہیں۔ ۱۲؍رجب المرجب ۱۳۲۱ھ مطابق ۴؍اکتوبر ۱۹۰۳ء میں دیو بند کے محلّہ ''سرائے پیرزادگان'' میں آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ نجیب الطرفین تھے۔ بچپن ہی سے آپ میں صلاحیت اور اچھی استعداد کے آثار نمایاں تھے۔ ابتدا میں آپ نے ضلع مظفّر نگر کے ایک میاں جی سے قرآن پاک پڑھا۔ اس کے بعد فارسی، خلیل احمد نام کے ایک صاحب سے پڑھی، پھر آپ کے والدِ ماجد منظور احمد نے آپ کو دارالعلوم دیو بند کے درجہ فارسی میں داخل کروادیا۔ یہ ۱۳۳۱ھ کی بات ہے۔ اس وقت آپ کی عمر تقریباً دس سال تھی۔ فارسی کی تکمیل کے بعد درجاتِ عربی میں داخل ہوئے اور اس وقت کے چوٹی کے اساتذۂ کرام سے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے آپ نے دورۂ حدیث پڑھا، ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۵ء میں تعلیم مکمّل کر کے دارالعلوم دیو بند سے فارغ ہوئے، فراغت کے بعد آپ نے مدرسہ حنفیہ آرہ شاہ آباد (بہار) میں درس و تدریس کا شغل اختیار کیا اور تقریباً ساڑھے تین سال وہاں قیام فرمایا۔

اس کے بعد آپ مراد آباد تشریف لے آئے اور یہاں آپ جامعۂ قاسمیہ مدرسۂ شاہی سے منسوب ہوگئے اور اعلیٰ درجہ کی کتابیں پڑھاتے رہے۔ ۱۹۲۹ء میں تحریک آزادی ہند میں حصّہ لینا شروع کیا اور متعدد بار قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار ہوئے۔ ۱۹۴۵ء میں ناظم جمعیّتِ علمائے ہند کی حیثیت سے دہلی میں مستقل قیام فرمایا۔ ۱۹۶۳ء میں جمعیّتِ علمائے ہند کی نظامت سے دستبردار ہو کر مدرسۂ امینیہ کشمیری گیٹ دہلی میں

درسِ حدیث کے لیے مامور ہوئے اور آخر عمر تک مدرسہ میں شیخ الحدیث اور صدر مفتی کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ۱۶ر شوال ۱۳۹۵ھ مطابق اکتوبر ۱۹۷۵ء بروز بدھ آپ نے وفات پائی۔ آپ نے اپنے پسماندگان میں چار لڑکے مولانا حامد میاں، خالد میاں، ساجد میاں اور شاہد میاں اور تین لڑکیاں چھوڑیں۔ آپ کے شاگردوں میں مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ سب سے ممتاز اور مشہور ہیں۔

مختلف موضوعات پر لکھی ہوئی تقریباً نوے کتابیں آپ کی علمی یادگار ہیں، ان میں سے بعض کتابیں داخل درس ہیں اور بعض کو تاریخی مراجع کی حیثیت حاصل ہے۔ چند مشہور کتابوں کے نام درج ذیل ہیں۔

(۱) علمائے ہند کا شان دار ماضی ۴ حصّے

(۲) علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے ۲ حصّے

(۳) جمعیّتِ علمائے ہند کیا ہے؟ ۲ حصّے

(۴) سیرت مبارکہ

(۵) صالح جمہوریت اور تعمیرِ جمہوریت

(۶) عہدِ زریں ۲ جلدیں

(۷) نور الاصباح شرح نور الایضاح (اردو)

(۸) جمہوریت اپنے آئینے میں

(۹) مشکوٰۃ الآثار و مصباح الابرار [۱]

(۱۰) اسلام اور انسان کی حفاظت وعزت

(۱۱) ہماری اور ہمارے وطن کی حیثیت اور ترکِ وطن کا شرعی حکم

(۱۲) دینِ کامل

(۱۳) حیاتِ مسلم

[۱] یہ کتاب دار العلوم دیوبند میں داخل نصاب کی گئی ہے۔

(۱۴) چاند تارے اور آسمان
(۱۵) آنے والے انقلاب کی تصویر
(۱۶) خطرناک نعرے اور جمعیّتِ علمائے ہند کا صراطِ مستقیم
(۱۷) تحریکِ شیخ الہند
(۱۸) حیاتِ شیخ الاسلام
(۱۹) اسیرانِ مالٹا
(۲۰) مختصر تذکرہ خدماتِ جمعیّتِ علمائے ہند		۴ حصّے
(۲۱) ہندوستان شاہانِ مغلیہ کے عہد میں
(۲۲) سیاسی و اقتصادی مسائل اور اسلامی تعلیمات و اشارات
(۲۳) مسئلہ تعلیم اور طریقہ تعلیم (معلّمین کے لیے)

بچوں کے لیے:

(۱) تاریخِ اسلام		۳ حصّے
(۲) دینی تعلیم کے رسائل		۱۲ حصّے
(۳) روزہ و زکوٰۃ
(۴) ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

علمائے کرام کی آراء

تاریخِ اسلام کے متعلق اکابرِ اُمت واخبارات کی شان دار آراء جوہمیں موصول ہوئی ہیں، وہ اگر سب مفصّل لکھی جائیں تو اس کے لیے یہ مختصر سی جگہ بالکل ناکافی ہے۔ اس لیے بعض اکابر واخبارات کے چیدہ چیدہ کلمات ان کی آراء میں سے درج کیے جاتے ہیں۔

حضرت مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنی صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کی پسندیدگی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ بہت سے مدارس میں اس کو داخل درس کرا چکے ہیں اور کرا رہے ہیں۔

حضرت مولانا محمد کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ العلماء تحریر فرماتے ہیں کہ ''تاریخ اسلام'' کو میں نے پڑھا، یہ کتاب یقیناً اس کا حق رکھتی ہے کہ اسکولوں، انجمنوں، مکاتیب وغیرہ میں اس کو داخل درس کیا جائے۔

حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب استاذ فقہ وادب دارالعلوم دیوبند جن کے امر وارشاد کی بناء پر اور جن کے زیر ہدایت یہ سلسلۂ تالیف ہوا ہے ایک بطور تقریظ بسیط ملفوظ عالیہ کے تحت میں ارشاد فرماتے ہیں:

> ''اس رسالہ میں نہ تو مُغلق الفاظ ہیں نہ عقولِ سافلہ سے بالا مضامین، سلاستِ مضامین کا یہ حال ہے کہ متوسط درجہ کا ذہین بچہ بھی بہ آسانی سمجھ سکتا ہے۔ الفاظ میں اختصار ملحوظ رکھا ہے۔ جس قدر حالات ہیں اور جو بات لکھی ہے وہ مستحکم، میری رائے ہے کہ اس رسالہ کی ترویج مسلمانانِ ہند کا اوّلین فریضہ ہے، تبلیغی انجمنیں ان کے ذریعہ اپنے تبلیغی مقاصد میں بہ احسن وجوہ کامیاب ہوسکتی ہیں، اسلامی مدارس کو تو اس میں بہت زیادہ سرگرمی سے کام لینے کی ضرورت ہے۔''

فہرستِ مضامین تاریخ اسلام

حصّہ اوّل

فہرستِ مضامین تاریخ اسلام

حصّہ دوم

فہرستِ مضامین تاریخ اسلام

حصّہ سوم

نذر

مشہور ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی فروخت کے وقت جب کہ بڑے بڑے سرمایہ دار زر و جواہر کے خزانوں کا جائزہ لے رہے تھے، تو ایک بوڑھیا سوت کی کتنی اور پونی لے کر حاضر ہوئی تھی کہ بازارِ محشر میں اس کا نام بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے خریداروں کی فہرست میں درج ہو۔

ایک ناہنجار جس کو ''محمد میاں'' کہا جاتا ہے شاہِ دو عالم سرورِ کائنات رحمۃ للعالمین افضل المرسلین خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ اقدس میں ایک ناچیز ہدیہ لے کر حاضر ہوا ہے اور بہزار احترام و بہ صد ادب عرض رساں ہے ۔

آنانکہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند　　آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

خسرواں چہ عجب ار بنوازند گدا را

امید ہے کہ حلقہ بگوشانِ توحید اور امت کے نونہال آپ کی سوانحِ حیات سے بہرہ اندوز ہو کر سعادتِ دارین حاصل کریں اور اس سیاہ کار کیلئے موجبِ فلاحِ دارین ہو۔

ناکارۂ خلائق

محمد میاں عفا اللہ عنہ

عرض والتماس

قرآن حکیم خدائے لَمْ یَزَلْ کا ازلی اور ابدی کلام ہے جو صرف ایک معجزہ نہیں، بلکہ حق یہ ہے کہ ہزاروں لاکھوں معجزوں کا مجموعہ ہے۔ اس مختصر سی کتاب نے ساڑھے تیرہ برس کے عرصہ میں دنیا پر پوری طرح واضح کر دیا کہ اگر کسی نبی کی تصدیق کے لیے زندہ معجزہ دیکھنا ہو تو وہ یہی قرآن کریم ہے، جس کا ہر ہر شوشہ سینکڑوں برس گزر جانے کے بعد بھی اسی طرح محفوظ ہے، جیسے خدا کے آسمان کا سورج اور چاند۔

نوع انسان کی عام نظریں اگر اپنے اندر متانت، سنجیدگی اور انصاف پسندی کی روشنی رکھتی ہیں تو بیان کردہ حقائق سے سرِ مو بھی اختلاف نہ کریں گی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآنِ حکیم کی طرح دائرۂ رسالت کے اس مرکز وحید کی زندگی بھی ہزاروں معجزوں کا خزانہ ہے، جس پر یہ مقدس کتاب نازل ہوئی تھی۔ اگر کتابُ اللہ کی ہر ہر آیت مستقل معجزہ ہے تو رسولُ اللہ ﷺ کی حیاتِ مقدس کا ہر کارنامہ بھی مستقل آیت ہے، جس کی نظیر سے دنیا سراسر قاصر ہے۔

اگر اللہ کی کتاب کا ہر ہر نقطہ اور شوشہ آج تک دنیا والوں کی دست بُرد اور ترمیم و تنسیخ سے بالکل محفوظ ہے تو رسولُ اللہ ﷺ کی حیاتِ پاکیزہ کا ہر ہر سانحہ اور واقعہ بھی دنیا کے سامنے آئینہ بنا ہوا ہے۔

قرآن پاک کی آیات پر غور وفکر کے بعد اگر کوئی مبصر آخری فیصلہ کرتا ہے کہ لَاتَنْقَضِیْ عَجَائِبُہٗ ''اس کے عجائبات ختم نہیں ہو سکتے۔'' تو رسولُ اللہ ﷺ کی معصوم زندگی اور معجزانہ اخلاق کا مطالعہ کرنے والا بھی انتہائی فیصلہ یہ ہی صادر کرتا ہے کہ لَاتَنْتَھِیْ غَرَائِبُہٗ ''اس کے غرائبات کی کوئی انتہا نہیں۔''

حق تو یہ ہے کہ حیات مقدس کی مکمّل سوانح کا فرض نہ تو آج تک کسی سے ادا ہو سکا اور نہ بشری طاقت کے امکان میں ہے کہ قیامت تک اس فریضہ کی تکمیل سے سُبک دوشی

حاصل کر سکے، البتہ تفسیرِ قرآن کی طرح شیدائیانِ جمالِ اقدس نے بھی گاہ بگاہ قلم اُٹھایا اور اپنے طبعی مذاق یا فطری افتاد کے بموجب مختصر یا ضخیم جلدیں لکھ ڈالیں۔ مگر واقعہ یہ تھا:

دریں ورطہ کشتی فروشد ہزار　　کہ پیدا نہ شد تختۂ بر کنار

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر　　ماہم چناں دراوّل وصف تو ماندہ ایم

شکوہ شکایت: سیرت نگاروں کی حالت پھر بھی غنیمت ہے کہ انہوں نے جادہ پیمائی کا قصد تو کیا، یہ دوسری بات ہے کہ منزل بعید تھی اور آخری مرحلہ پر رسائی ناممکن، لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفساً اِلَّا وُسْعَھَا.

مگر عام مسلمانوں کے مذاق کی حالت بہت زیادہ قابلِ افسوس ہے۔ دنیا اپنے مُقتدا اور پیشوا کے حالات اُجڑے ہوئے شہروں سے برباد شدہ آثارِ قدیمہ سے تلاش کر رہی ہے، مگر تاریخیت کی کوتاہی کے باعث وہ سراب ہی پر تھک کر رہ جاتی ہے، جہاں چشمہ کا کہیں پتا نہیں ہوتا، لیکن اسکے برعکس یہاں چشمہ ان کے لبوں کے پاس خود آ رہا ہے، وہ تشنہ بھی ہیں، مگر افسوس! وہ آبِ حیات کی شناخت سے بالکل ناواقف، ان کے ہاتھوں کے سامنے حیاتِ مقدس کے عربی، فارسی، اردو، مختصر، مُطوَّل مختلف موضوع پر سینکڑوں رسالے موجود ہیں۔ مگر گویا وہ رسائل کیا ہیں، آفتاب ہیں جن کو چشمِ شپّر دیکھ نہیں سکتی ؎

سیہ بختانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل　　کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ لب آرد سکندر را

میلاد شریف کے ایجاد کی غرض و غایت یا وجوہ و اسباب کیا تھے؟ ان سے بحث کرنا میرے فرائض میں داخل نہیں۔ لیکن رفتارِ زمانہ اور اختلافِ طبائع نے جو شکل پیدا کر دی ہے اس کی مثال بعینہٖ یہ ہے کہ ''کتابِ سعادت'' کے صرف خوب صورت ٹائٹل پر ایک سطحی نظر ڈال کر خوش ہو لیا جائے اور اس کے کیمیاوی اکسیر نسخوں کی طرف مطلقاً توجہ نہ کی جائے۔

ضرورت محسوس کی گئی کہ بچوں کو ابتدائی تعلیم کے سلسلہ میں حضور ﷺ کی سوانح پر ایک نظر ڈلوا دی جائے، تاکہ آغازِ زندگی کا یہ چسکا ممکن ہے کسی مفید نتیجہ تک ان کو پہنچا سکے۔

اس مبارک مقصد کی تکمیل کی طرف بھی مصنّفین کے قلموں نے روانی اختیار کی۔ مگر افسوس کہ لوگوں نے ان رسائل میں مشکلات کا بہانہ لینا شروع کیا، نہ معلوم یہ واقعہ تھا یا بہانہ (جو طبیعتوں کی حیلہ سازی ہے)؛ بہرحال ضرورت محسوس ہوئی کہ اس آخری عذر کا بھی ازالہ کیا جائے اور ضروری معلوم ہوا کہ سوال و جواب کی شکل میں ایک مختصر رسالہ کا اور اضافہ کیا جائے جو زبان اور مضامین کے لحاظ سے دقتوں سے بالکل مُبرّا ہو۔ مگر یہ مقصد جس قدر آسان تھا، اسی قدر اسکی تکمیل کیلئے اردو زبان دانی اور محاورات سے واقفیت کی بھی ضرورت تھی تاکہ عبارت کی سلاست، الفاظ کی موزونیت کیساتھ، دلچسپی بھی حاصل ہو سکے۔

یہ ناکارہ کسی طرح بھی اس مقصد کا اہل نہ تھا، مگر حضرت قبلہ سیدی وسندی استاذُ العلماء جناب مولانا الحاج مولوی حافظ محمد اعزاز علی صاحب مدظلہٗ العالی، استاذ فقہ وادب وصدر دارالافتاء دارالعلوم دیوبند، اَدَامَ اللہُ شَرَفَہَا نے مجبور فرمایا کہ جس طرح بھی ممکن ہو اس کی تکمیل کی کوشش کی جائے۔

واجبُ الاحترام مشفق بزرگ کا ارشاد گرامی واجبُ التعمیل تھا، اگرچہ تعمیل کا زمانہ ٹھیک وہی تھا کہ جب ناکارہ کے ہوش وحواس اندرونی خانگی اور بیرونی سیاسی، ملکی اور تعلیمی مشکلات کے آماج گاہ بنے ہوئے تھے، ایک گھنٹہ کا کام دو روز میں بھی ہونا مشکل تھا، لیکن تاہم جس قدر ممکن ہوا مشکلات پر غالب آنے کی کوشش کی، مگر ایک آخری مشکل کو کسی طرح حل نہ کرسکا، وہ سیرت کی مُطوَّل کتابوں تک رسائی تھی۔

بہرحال جس قدر ممکن ہوا متداولہ کتب مثلاً صحاح ستہ، شمائلِ ترمذی، جمعُ الوسائل، شرحِ شمائل، زادُ المعاد، دروسُ التاریخ، دُوَلُ العرب والاسلام، سرور المحزون وغیرہ سے ضروری ضروری اقتباس لے کر سرورِ کائنات ﷺ کی سیرتِ مبارکہ ناظرینِ کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہوں، باقی یہ کہ ان پریشانیوں کے جمگھٹے میں خاکسار کی کوشش کہاں تک کامیاب رہی، اس کا فیصلہ حضراتِ ناظرینِ کرام کے سپرد ہے۔

بندۂ ناچیز محمد میاں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۙ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○

سب تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں جو پالنے والا ہے تمام جہانوں کا بڑا مہربان اور نہایت رحم فرمانے والا ہے

مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ ؕ اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ

مالک ہے قیامت کے دن کا ہم آپ کی ہی عبادت کرتے ہیں اور آپ سے ہی

نَسۡتَعِيۡنُ ○ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ

مدد چاہتے ہیں بتلا دیجیے ہم کو سیدھا راستہ

صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ۙ۵ غَيۡرِ

راستہ ان لوگوں کا جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے نہ

الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ ○ ع

ان لوگوں کا جن پر آپ کا غضب نازل کیا گیا ہے۔

فنِ تاریخ

سوال: یہ کتاب جو تم پڑھ رہے ہو کس فن میں ہے؟
جواب: فنِ تاریخ میں۔
سوال: تاریخ کس کو کہتے ہیں؟
جواب: تاریخ اس علم کا نام ہے جو گزرے ہوئے اور موجودہ لوگوں کے حالات بتائے۔
سوال: علم تاریخ کس کے لیے مفید ہے؟
جواب: ہر سمجھ دار کے لیے۔
سوال: تاریخ کا مقصد اور فائدہ کیا ہے؟
جواب: جو حالات موجودہ زمانہ میں پیش آرہے ہیں ان کو گزرے ہوئے زمانہ کی حالتوں سے ملا کر نتیجہ نکالنا اور اس پر عمل کرنا۔
سوال: اس کی مثال پیش کرو۔
جواب: مثلاً کسی زمانہ میں رعیّت بادشاہ کے مخالف ہے اور فرض کرو کہ مخالفت کی وجہ یہ ہے کہ بادشاہ ظلم کرتا ہے تو یہ دیکھنا کہ جب کبھی بادشاہ نے ظلم کیا تو رعیّت نے کس طرح مقابلہ کیا اور پھر نتیجہ کیا ہوا۔
سوال: اس غور سے بادشاہ اور رعیت کو کیا فائدہ حاصل ہوگا؟
جواب: بادشاہ کو یہ فائدہ ہوگا کہ وہ سمجھ جائیگا کہ ظلم کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ اگر وہ نتیجہ بادشاہت کی تباہی ہے تو وہ ظلم چھوڑ کر رعیت کو خوش کرنے کی کوشش کریگا اور رعیّت کے لیے یہ فائدہ ہوگا کہ وہ گزشتہ حالات سے اپنے لیے جنگ کا راستہ معلوم کرلے گی اور مصائب پر صابر اور مستقل رہے گی، جو اسکے لیے کامیابی کی کنجی ہوگی۔

خلاصہ

یہ کتاب فنِ تاریخ میں ہے۔ اور جو فن گزرے ہوئے اور موجودہ لوگوں کے حالات بتائے، اس کو فنِ تاریخ کہتے ہیں اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ گزرے ہوئے حالات سے موجود حالات کو ملا کر سبق حاصل کیا جائے۔

سوال: اس کتاب میں جس کو تم پڑھ رہے ہو کس کے حالات بیان کیے جائیں گے؟

جواب: اس پاک نبی اور بزرگ پیشوا کے جن کا نامِ نامی ''محمد'' ﷺ ہے۔ قربان ہوں آپ پر ہمارے ماں باپ اور ہماری جانیں۔

سوال: آپ کہاں پیدا ہوئے تھے اور کہاں کے رہنے والے تھے؟

جواب: مکّہ معظّمہ میں حضور ﷺ پیدا ہوئے اور یہی شہر آپ کا وطن تھا۔

سوال: مکّہ کہاں ہے؟

جواب: ملکِ عرب میں۔

سوال: عرب کہاں ہے؟ اس کی سمت اور کچھ خصوصیات بیان کرو۔

جواب: عرب ایک ملک ہے۔ ہم سے بہت دور پچھّم (مغرب) کی طرف جہاں حاجی حج کرنے جایا کرتے ہیں، اس ملک میں رتیلے میدان بہت زیادہ ہیں، کہیں کہیں چشمے بھی ہیں، کھجور، انجیر وغیرہ بہت زیادہ پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح بکریاں اور اونٹ بہت ہوتے ہیں، پہلے زمانہ میں ان کی اُون سے کپڑے اور کمبل بنایا کرتے تھے اور ان ہی کے اُون یا چمڑے کے خیمے بنا لیتے تھے۔

سوال: مکّہ اور کعبہ میں کیا فرق ہے اور مسجدِ حرام کس کو کہتے ہیں؟

جواب: مکّہ تو شہر کا نام ہے اور اس شہر میں ایک جگہ ہے جس کو کعبہ کہتے ہیں۔ وہ کوٹھڑی کی طرح بنی ہوئی ہے، تقریباً بارہ پندرہ گز لمبی چوڑی، اسی کو ''بیتُ اللہ'' کہتے ہیں اور اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں، اور اسی کے گرداگرد سات مرتبہ گھومنے کا نام طواف ہے۔ اس کے گرداگرد چار دیواری میں گھرا ہوا بہت بڑا صحن ہے اس کو

مسجدِ حرام کہتے ہیں۔

سوال: مکّہ کو کس نے آباد کیا اور اس میں کون لوگ رہتے ہیں؟

جواب: مکّہ کی سرزمین میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بسایا۔ پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد وہیں رہ پڑی اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے زمانہ ہی میں قبیلہ ''بنو جرہم'' کے کچھ آدمی بھی آ کر اس سرزمین میں رہنے لگے تھے۔ غرض مکّہ کے زیادہ تر رہنے والے ان ہی کی اولاد میں سے تھے۔

سوال: بنو جُرہم کہاں رہا کرتے تھے؟

جواب: اسی علاقہ کے قریب جہاں آج کل مکّہ شریف آباد ہے۔

سوال: خانۂ کعبہ کس نے بنایا تھا؟

جواب: سب سے پہلے تو حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا تھا۔ مگر وہ منہدم ہو گیا تھا، اس کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہا تھا۔ پھر خاص اسی جگہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے خدا تعالیٰ کے حکم سے خدا کی عبادت کرنے کیلئے بنایا تھا۔

خلاصہ

حضرت محمد رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کے حالات اس کتاب میں بیان کیے جائیں گے، مکّہ کے رہنے والے تھے، قریشی خاندان سے، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے۔ اور مکّہ ایک شہر ہے عرب میں۔ اسی جگہ وہ مشہور مقام ہے جس کو خانہ کعبہ کہتے ہیں۔ مکّہ میں سب سے پہلے بسنے والے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ ہیں۔ قبیلۂ بنو جُرہم کے کچھ لوگ بھی اسی زمانہ میں آبسے ان ہی کی اولاد مکّہ میں رہتی ہے۔ ان ہی کی اولاد سے فہر یا نضر بن کنانہ ہیں جن کی اولاد کو ''قریش'' کہتے ہیں۔

مکّہ اور کعبہ اور مسجدِ حرام میں فرق یہ ہے کہ مکّہ شہر کا نام ہے۔ کعبہ اس میں ایک عمارت ہے اور اس کے گرداگرد صحن کا نام مسجدِ حرام ہے۔ کعبہ کی تعمیر کرنے والے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام ہیں۔

پیدائش مبارک

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا دن اور تاریخ و مہینہ بتاؤ۔

جواب: ۹ / ربیع الاوّل، یومِ دوشنبہ (پیر)، مطابق ۲۰ / اپریل ۵۷۱ء مطابق یکم جیٹھ سمت ۶۲۸ بکرمی۔[۱]

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا وقت کیا تھا؟

جواب: صبح کی نماز کے وقت یعنی صبح صادق کے بعد اور آفتاب نکلنے سے پہلے۔

سوال: حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کون سے سال میں ہوئی؟

جواب: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پانچ سو ستر برس گزرنے کے بعد ۵۷۱ء[۲] میں جس سال ''اصحابِ فیل'' کا واقعہ ہوا تھا۔

سوال: ''اصحابِ فیل'' کون تھے اور ان کا واقعہ کیا تھا؟

جواب: حبشہ کے بادشاہ کی طرف سے ''ابرہہ'' نامی یمن کا گورنر تھا، اس کو یہ سوجھا کہ خانۂ کعبہ کو معاذ اللہ! منہدم کر دے تاکہ اس کے یہاں کا نقلی کعبہ آباد ہو جو اس نے صنعاءِ یمن میں بنایا تھا۔ چنانچہ بہت سا لشکر جس میں سیکڑوں ہاتھی تھے لے کر مکّہ پر چڑھائی کر دی۔ جب خانۂ کعبہ کو منہدم کرنے کے لیے مکّہ میں داخل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے چڑیوں کے ذریعہ اس کے سارے لشکر کو ہلاک کر دیا۔ اصحابِ فیل کے معنی ہیں ''ہاتھیوں والے'' ان سے یہی لوگ مراد ہیں۔

سوال: ابو رَغال کون ہے اور اس کی قبر پر لوگ پتھر کیوں پھینکتے ہیں؟

جواب: ابو رَغال قریش ہی کا ایک آدمی تھا۔ اس نے اپنی برادری سے خیانت اور دغا

---

[۱] تاریخِ دُوَل عرب واسلام۔ [۲] رحمۃ للعالمین: جلد ۱، ص ۴۳ (مطبوعہ دار الاشاعت کراچی) اور مشہور یہ بھی ہے کہ آپ کی پیدائش کی تاریخ ۱۲ / ربیع الاوّل ہے اور بعض ۸ / ربیع الاوّل اور بعض ۳ / ربیع الاوّل بھی کہتے ہیں، باقی اس میں اتفاق ہے کہ پیر کا دن تھا۔

کر کے ''ابرہہ'' کو راستہ بتایا تھا۔ خدا نے اصحابِ فیل کے ساتھ سب سے پہلے اسے مار ڈالا۔ اب اس کی قبر پر پتھر پھینکتے ہیں تا کہ یاد رہے کہ قومی غدار کی یہ سزا ہے۔

سوال: چڑیوں نے ان کو کیسے تباہ کر دیا؟

جواب: چڑیاں اپنی چونچوں سے چھوٹی چھوٹی کنکریاں پھینکتی تھیں، جو پتھروں کی طرح ان کے سروں میں گھس کر تمام بدن کو چیرتی ہوئی پار ہو جاتی تھیں، اور جس کے لگتی تھیں اس کو ہلاک کر دیتی تھیں۔

سوال: تعجب ہے کہ چڑیوں کی چونچوں میں اتنی طاقت کیسے آ گئی؟

جواب: جیسے بندوق کے گھوڑے میں جب ہم چھوٹے سے بے جان لوہے سے اتنا زور کا کام لے سکتے ہیں تو کیا تعجب ہے کہ خدا ایک جانور کی چونچ سے اتنا کام لے لے۔

سوال: ان مرنے والوں میں ''ابرہہ'' گورنر یمن بھی تھا یا اس کو کچھ اور سزا دی گئی؟

جواب: ''ابرہہ'' فوراً ہی نہیں مر گیا بلکہ اس کا بدن گل کر ایک ایک انگلی گر گئی۔ اس کو صنعاء لے گئے اور بری طرح وہیں ہلاک ہوا۔

سوال: حضور ﷺ کی پیدائش کے وقت کیا ہوا؟

جواب: آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ نے ایک نور دیکھا جس سے مغرب اور مشرق روشن ہو گئے تھے۔ فارس کی آگ بجھ گئی جو ایک ہزار برس سے ایک ''آتش کدہ'' میں برابر جل رہی تھی، جس کی وہ لوگ پوجا کیا کرتے تھے۔ فارس کے بادشاہ ''کسریٰ'' کے محل میں زلزلہ آ گیا، جس سے چودہ کنگرے گر پڑے اور اس قسم کے اور بھی واقعات ہیں جو بڑی کتابوں میں درج ہیں۔

سوال: یہ کیسے ہوا؟

جواب: خدا تعالیٰ کے حکم سے، جس کے حکم سے آگ جلتی ہے، اور پانی بہتا ہے، نظر دیکھتی ہے اور جس کے حکم سے دنیا کی تمام چیزیں قائم ہیں۔

خلاصہ

۲۲/اپریل ۵۷۱ء یعنی جس سال اصحابِ فیل کا واقعہ ہوا۔ اسی سال ۹/ربیع الاوّل کو حضور ﷺ پیدا ہوئے، خدا نے حضور ﷺ کی پیدائش کے وقت عجیب عجیب واقعات دکھا کر اپنی شان دکھائی۔ واقعہ اصحابِ فیل کے سلسلہ میں ابورغال نے اپنی قوم سے دغا کر کے یمن کے گورنر کی مدد کی تھی۔ خدا نے سب سے پہلے اس کو ہلاک کر دیا۔ لوگوں نے اس کی قبر پر پتھر برسانے شروع کر دیئے تاکہ یاد رہے کہ جو شخص اپنی قوم سے غداری کرتا ہے اس پر خدا کی لعنت برسا کرتی ہے۔

سلسلۂ نسب شریف

سوال: حضور ﷺ کے والد ماجد اور والدہ ماجدہ کے نام نامی کیا تھے؟

جواب: والد ماجد کا نام ''عبداللہ'' تھا اور والدۂ محترمہ کا نام ''آمنہ'' تھا۔

سوال: حضور ﷺ کا دادھیالی[۱] سلسلۂ نسب کیا تھا؟

جواب: محمد بن[۲] عبداللہ، بن عبدالمطلب، بن ہاشم، بن عبدمناف، بن قُصَیْ، بن کِلَاب، بن مُرَّہ، بن کعب، بن لوی، بن غالب، بن فہر، بن مالک، بن نضر، بن کنانہ، بن خزیمہ، بن مدرکہ، بن الیاس، بن مُضَر، بن نزار، بن مُعَد، بن عدنان۔

سوال: آپ کا ننھیالی[۳] سلسلۂ نسب کیا تھا؟

جواب: محمد بن آمنہ بنت[۴] وہب، بن عبدمناف، بن زہرہ، بن کلاب، کلاب پر پہنچ کر آپ کا مادری اور پدری سلسلۂ نسب ایک ہو جاتا ہے۔

سوال: حضور ﷺ کی دادی اور نانی کے نام کیا تھے اور کس خاندان کی تھیں؟

جواب: دادی کا نام ''فاطمہ'' اور نانی کا نام ''برّہ'' تھا، حضور ﷺ کی تمام دادیاں اور

---

[۱] باپ کی طرف سے [۲] بن کے معنی بیٹے [۳] ماں کی طرف سے [۴] بنت کے معنی بیٹی

نانیاں خاندانِ قریش کی شریف اور معزز گھرانوں کی صاحبزادیاں تھیں۔

سوال: آپ کے گھرانے (کنبہ) کو کیا کہا جاتا تھا؟

جواب: بنو ہاشم، یعنی ہاشم کی اولاد۔

سوال: آپ کے قبیلہ (برادری) کا نام کیا تھا؟

جواب: قریش۔

سوال: حضور ﷺ کے کوئی بہن بھائی تھا یا نہیں، اور چچا، تائے، پھوپیاں کتنی تھیں؟

جواب: حضور ﷺ گویا ''دُرِّ یتیم'' تھے۔ ماں باپ کے اکلوتے تھے۔ حضور ﷺ کے نو یا بارہ چچا تھے اور چھ پھوپیاں۔[1]

سوال: حضور ﷺ کا نام کس نے رکھا تھا اور یہ نام پہلے بھی ہوا کرتا تھا یا نہیں؟

جواب: حضور ﷺ کے دادا عبدالمطّلب نے حضور ﷺ کا یہ نام رکھا تھا۔[2]

خلاصہ

حضور ﷺ کے والد ماجد کا نام عبداللہ تھا۔ والدہ کا نام آمنہ۔ دونوں کا سلسلۂ نسب کلاب پر جا کر مل جاتا ہے۔ حضور ﷺ بنو ہاشم میں سے تھے۔ قبیلۂ قریش سے حضور ﷺ کے نو یا بارہ چچا تھے اور چھ پھوپیاں۔

رسولُ اللہ ﷺ کی پرورش

سوال: حضور ﷺ کے والدِ ماجد نے کتنی عمر پائی اور ان کی وفات کب ہوئی؟

جواب: مشہور یہ ہے کہ حضور ﷺ کے والدِ ماجد کی عمر کل ۲۴ برس ہوئی اور حضور ﷺ کی پیدائش سے دو ماہ پہلے وفات پا چکے تھے۔

---

[1] زاد المعاد: ۱/۴۴ (دار الکتب العلمیۃ۔ بیروت) [2] عربوں میں پہلے تو یہ نام نہیں رکھا جاتا تھا، البتہ تورات کی یہ پیشین گوئی کہ ''محمد'' کے نام سے ایک نبی آنے والے ہیں سن کر بعض عربوں نے یہ نام رکھا، جن افراد کا نام ''محمد'' رکھا گیا ان میں محمد بن عدی سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ (مناہل الشفا و مناہل الصفا تحقیق شرف المصطفیٰ: ۱۱/ ۱۹۵) از مصحح

سوال: حضور ﷺ کے والدِ ماجد کی وفات کہاں ہوئی؟

جواب: مدینہ منورہ میں۔

سوال: مدینہ میں وفات کیوں ہوئی؟

جواب: حضرت ﷺ کے والدِ ماجد کی ننھیال مدینہ میں تھی۔ بنی نجّار کے خاندان میں حضرت کے والد تجارت کی غرض سے شام تشریف لے گئے تھے، راستے میں مدینہ میں ٹھہر گئے، اتفاق سے بیمار پڑ گئے اور وہیں وفات ہوگئی۔

سوال: حضرت ﷺ کے والد نے کیا ترکہ چھوڑا؟

جواب: پانچ اونٹ، ایک باندی جن کا نام ''امّ ایمن'' تھا۔

سوال: آپ کی والدہ ماجدہ نے کب تک آپ کی پرورش کی؟

جواب: حضرت ﷺ کی عمر کے چوتھے یا چھٹے سال تک، پھر ان کی وفات ہوگئی۔

سوال: حضرت ﷺ کی والدہ ماجدہ کی وفات کہاں ہوئی؟

جواب: ابواء گاؤں میں۔[1]

سوال: ابواء کہاں ہے؟

جواب: مکّہ اور مدینہ کے درمیان میں۔[2]

سوال: ابواء کیوں گئی تھیں؟

جواب: مدینہ طیّبہ میں بنی نجّار کے خاندان میں اپنے رشتہ داروں سے ملنے گئی تھیں۔

سوال: والدہ کی وفات کے بعد آپ کی پرورش کا ذمہ دار کون ہوا؟

جواب: حضرت ''امّ ایمن'' رضی اللہ عنہا نے جو حضور ﷺ کی باندی تھیں، حضور ﷺ کی خدمت شروع کی اور حضرت کے دادا عبدالمطّلب آپ کے ولی اور ذمہ دار تھے۔

---

[1] أنساب الاشراف: ۱/۱۰۲۔ زاد المعاد: ۱/۴۴ [2] دروس التاریخ الاسلامی

سوال: عبدالمطّلب کی پرورش میں حضور ﷺ کتنے عرصہ رہے؟
جواب: تقریباً دو سال، پھر عبدالمطّلب کی بھی وفات ہوگئی۔

سوال: حضور ﷺ کی عمر اس وقت کیا تھی اور عبدالمطلب کی کتنی؟
جواب: حضور ﷺ کی عمر مبارک ۸ سال ۲ ماہ ۱۰ دن[1] اور عبدالمطّلب کی عمر ۱۴۰ سال۔[2]

سوال: عبدالمطّلب کی حیثیت مکّہ میں کیا تھی؟
جواب: روپیہ پیسہ تو کچھ زیادہ نہ تھا، لیکن مکّہ معظّمہ کے بڑے سرداروں میں سے بہت بڑے معزّز آدمی تھے۔

سوال: عبدالمطّلب کے بعد حضور ﷺ کا ذمہ دار کون ہوا؟
جواب: حضور ﷺ کے چچا ابوطالب، یعنی حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کے والد ماجد۔

سوال: رسول اللہ ﷺ کو ''اُمّی'' کیوں کہتے ہیں؟
جواب: ''اُمّی'' ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو لکھنے پڑھنے سے واقف نہ ہو، چونکہ حضور ﷺ میں یہ بات تھی، اس وجہ سے حضور ﷺ کا لقب بھی اُمّی ہوگیا۔

سوال: آپ اُمّی کیوں رہے اور بظاہر اس میں خدا کی کیا حکمت تھی؟
جواب: اوّل تو عرب میں لکھنے پڑھنے کا چرچا ہی نہ تھا۔ مکّہ کے اتنے بڑے شہر میں بھی کل پانچ سات آدمی ہی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ اسکے علاوہ حضور ﷺ کی تربیت کرنے والے وفات پاتے رہے۔ آپ نے یتیمانہ پرورش پائی، اس وجہ سے حضور ﷺ اُمّی رہے اور صحیح علم تو خدا کو ہے۔ آپ کو اُمّی رکھنے میں بظاہر چند فائدے معلوم ہوتے ہیں: (۱) تمام دنیا کو ادب اور تہذیب سکھانے والے حضور ﷺ ہوں، اور حضور ﷺ کا استاذ صرف خدا ہو، کوئی انسان نہ ہو کہ وہ یہ کہہ سکے کہ میرا سکھایا ہوا ہے۔ (۲) جس طرح پرورش کے سلسلہ میں حضور ﷺ

[1] سرور المحزون [2] دروس التاریخ الاسلامی

کو ماں باپ کے احسان سے آزاد رکھا گیا، اسی طرح تعلیم اور روحانی تربیت کے سلسلہ میں بھی کسی کا احسان حضور ﷺ پر نہ ہو۔ (۳) یہ بھی خیال نہ کیا جا سکے کہ فلاں شخص حضور ﷺ کا استاد تھا تو حضور ﷺ سے زیادہ عالم ہوگا، معاذ اللہ! (۴) جب نبی کریم ﷺ پر قرآن پاک نازل ہو تو کوئی یہ وہم بھی نہ کر سکے کہ حضور ﷺ کا بنایا ہوا ہوگا۔ (۵) جب حضور ﷺ دنیا کو عقل مندی اور دانائی، تہذیب اور ادب کی تعلیم فرمائیں، تو کوئی یہ خیال نہ کر سکے کہ پہلی کتابیں دیکھ کر آپ اس قسم کی تعلیمات دے رہے ہیں۔

سوال: حضور ﷺ کو مصیبتوں میں کیوں مبتلا کیا گیا؟

جواب: قاعدہ ہے کہ اللہ کے خاص بندوں پر زیادہ سختیاں کی جاتی ہیں تا کہ ان کو آزمایا جائے کہ وہ ان مصائب میں خدا کی رضا مندی کا کہاں تک خیال رکھتے ہیں۔ رسولُ اللہ ﷺ چونکہ سب سے زیادہ بزرگ اور خاص بندے تھے اس وجہ سے آپ پر زیادہ سختیاں اور مصیبتیں نازل ہوئیں، اور گویا آپ نے بہت سے امتحانات میں بہت سی سندیں حاصل کیں، اور قاعدہ ہے کہ جس کے پاس بہت سی سندیں ہوتی ہیں، اس کی قدر بہت زیادہ ہوا کرتی ہے۔

خلاصہ

حضور ﷺ کی پیدائش سے پہلے مدینہ میں حضور ﷺ کے والد کی وفات ہو چکی تھی۔ پھر جب چار یا چھ سال عمر ہوئی تو والدہ نے انتقال فرمایا اور پرورش امّ ایمن اور عبدالمطّلب کے سپرد ہوئی، مگر جب عمر مبارک آٹھ برس دو ماہ دس دن کی ہوئی تو ایک سو چالیس برس کی عمر پا کر عبدالمطّلب کا بھی انتقال ہو گیا اور پرورش ابوطالب کے سپرد ہوئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دودھ پینے کا زمانہ

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے کس کا دودھ پیا، اور پھر کس کس کا؟ تفصیل وار بیان کرو۔

جواب: سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی والدہ ماجدہ نے اور پھر چند دن بعد ابولہب کی باندی ''ثُوَیبَہ'' نے دودھ پلایا، اس کے بعد یہ دولت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے حصّہ میں آئی۔

سوال: ثُوَیبَہ اس وقت آزاد تھیں یا باندی؟

جواب: آزاد تھیں۔

سوال: کب آزاد ہوئیں اور کس طرح؟

جواب: جب ثُوَیبَہ نے اپنے آقا ابولہب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدا ہونے کی خبر دی تو ابولہب نے بھتیجے کے پیدا ہونے کی خوشی میں ثُوَیبَہ کو آزاد کر دیا تھا۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسری عورتوں کا دودھ کیوں پلایا گیا؟

جواب: عرب کے بڑے لوگوں کا عام قاعدہ تھا کہ بچوں کو دودھ پلانے کے لیے قرب و جوار کے دیہات میں بھیج دیا کرتے تھے، تاکہ جسمانی صحت میں ترقی ہو اور زبان بھی صاف ہو جائے، کیونکہ شہروں کی زبان باہر کے آدمیوں کے ملنے جلنے سے صاف نہیں رہا کرتی۔

سوال: حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک کیسے پہنچیں؟

جواب: چوں کہ اس قبیلہ کی عورتیں عام طور سے قریش کے بچوں کو دودھ پلایا کرتی تھیں اور سال میں دو مرتبہ اسی غرض سے مکّہ آیا کرتی تھیں کہ جو بچے پیدا ہوئے ہوں ان کو دودھ پلانے کیلئے لے آئیں۔ اسی وجہ سے اپنے قبیلہ کی عورتوں کے ساتھ

حلیمہ رضی اللہ عنہا بھی طائف سے چل کر مکّہ آئی تھیں، پھر چوں کہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے دودھ کم تھا، لہٰذا خوش حال لوگوں کے بچوں کو تو لے نہ سکیں، حضرت کی خدمت کی سعادت ان کے ہاتھ لگ گئی۔ کیونکہ حضرت ﷺ بھی یتیم تھے، زیادہ انعام واکرام کی توقع نہ تھی۔

سوال: اس یتیم موتی یعنی ''حضرت'' کے قدموں کی بدولت کیا کیا برکتیں حلیمہ رضی اللہ عنہا پر اوران کے قبیلہ والوں پر ظاہر ہوئیں؟

جواب: بہت کچھ، چند یہاں درج کی جاتی ہیں: (۱) حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کا دودھ اتنا بڑھ گیا کہ ان کا بچہ جو پہلے بھوکا رہا کرتا تھا، اب حضرت کے ساتھ وہ بھی شکم سیر ہونے لگا۔ (۲) اونٹنی جس کا دودھ خشک ہو چکا تھا خدا کے حکم سے اتنا دودھ دینے لگی کہ سب کو کافی ہوتا تھا۔ (۳) حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا ایک خچر پر سوار ہو کر آئی تھیں، جو بہت کمزور اور دبلا تھا اور سب سے پیچھے چلتا تھا، لیکن واپسی میں حضور ﷺ کے قدموں کی بدولت خدا کے حکم سے ایسا چست اور تیز ہو گیا کہ سب کے آگے چلنے لگا۔ (۴) جب مکان پر پہنچے تو دیکھا کہ قحط کے باعث بکریاں بالکل سوکھ گئی تھیں، دودھ خشک ہو گیا تھا، حضور ﷺ کی بدولت ان میں برکت ہوگئی اور پورا دودھ دینے لگیں۔

سوال: اس عرصہ میں کیا کوئی عجیب واقعہ بھی پیش آیا؟

جواب: دوسال بعد جب دودھ چھڑا دیا گیا تو حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کو مکّہ لے گئیں کہ آپ کی والدہ ماجدہ کے سپرد کر دیں، مگر وہاں طاعون پھیلا ہوا تھا۔ حلیمہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی برکتوں کا لطف پہلے اُٹھا چکیں تھیں۔ آب وہوا کی خرابی کے بہانہ سے واپس لے آئیں۔ کچھ زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ عجیب واقعہ یہ دیکھا گیا کہ دو فرشتے انسان کی شکل میں حضور ﷺ کے سامنے آئے اور

حضور ﷺ کا ننھا سا سینہ اور شکم مبارک چاک کیا۔ قلبِ مبارک کو نکالا اور نور سے بھر دیا۔ حضور ﷺ اس وقت دودھ شریک بھائی کے ساتھ بکریاں چرانے جنگل تشریف لے گئے تھے۔ آپ کے بھائی نے حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کو اس واقعہ کی خبر دی اور پھر حضور ﷺ نے تمام قصّہ بیان کیا، حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کو خوف پیدا ہوا اور حضور ﷺ کو مکان پر پہنچا گئیں۔

خلاصہ

حضور ﷺ کو چند دن آپ کی والدہ ماجدہ نے دودھ پلایا، پھر ثُوَیبَہ نے اور پھر مستقل طور سے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کو یہ خدمت سپرد ہوئی، دو سال دودھ پلایا گیا، اور اس عرصہ میں حضور ﷺ کی بدولت بہت کچھ برکتیں ظاہر ہوئیں، جن میں سے تین چار کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

نبوّت سے پہلے حضرت کی زندگی

سوال: لڑکپن میں آپ کے اخلاق کیا تھے؟

جواب: آپ ذہین، سمجھ دار، نیک طبیعت، صابر اور خود دار تھے، سنجیدگی اور متانت کے گویا پتلے تھے۔ کھیل کود کی طرف بالکل توجہ نہ تھی۔ حیا کی یہ حالت تھی کہ کبھی آپ کا ستر نہیں کھل سکتا تھا، بلکہ ایک مرتبہ جب اتفاقاً ستر کھل گیا تو آپ بے ہوش ہو گئے۔ کھانا کھانے کے وقت بچے شور وشغب کیا کرتے تھے، مگر آپ خاموشی سے بیٹھے رہتے۔ جب آپ کے چچا ابو طالب بلاتے اس وقت حضور ﷺ دسترخوان پر تشریف لا کر کھانا کھاتے۔ جیسا کھانا ہوتا اس پر کبھی ناک نہ چڑھاتے۔ سچّائی، امانت داری، ادب، تعظیم، تہذیب گویا آپ کی گھٹی میں پڑی تھیں یا یہ کہو کہ قدرت کے ہاتھوں نے تمام اچھی باتوں کی گویا ایک تصویر بنائی تھی۔ جب سے حضور ﷺ سمجھ دار ہوئے اسی وقت سے قوّتِ بازو سے کما کر بسر کرنے کا شوق تھا، کسی دوسرے پر اپنا بوجھ ڈالنا ہرگز گوارا نہ ہوتا تھا۔ بچو! تمہارا

فرض ہے کہ تم بھی یہ ہی طریقے اختیار کرو۔

سوال: سمجھ دار ہونے پر حضور ﷺ کے بسر کی کیا صورت تھی؟

جواب: حضور ﷺ نے مزدوری پر بکریاں چرا کر بھی بسر کی ہے اور تجارت بھی کی ہے۔

سوال: کیا حضور ﷺ نے نبوّت سے پہلے کوئی سفر بھی کیا؟

جواب: دوسفروں کا تذکرہ عام طور سے کیا جاتا ہے۔

سوال: آپ کہاں تشریف لے گئے تھے اور کیوں؟

جواب: دونوں سفر شام کے ہوئے اور تجارت کے سلسلہ میں۔

سوال: شام کا پہلا سفر کب ہوا، اور کیا شکل ہوئی؟

جواب: جب حضور ﷺ کی عمر بارہ سال دو ماہ دس دن کی ہوئی تو آپ کے چچا ابو طالب تجارت کی غرض سے شام جانے لگے۔ حضور ﷺ کو بھی اپنے ہمراہ لے لیا۔

سوال: اس سفر کا خاص واقعہ کیا ہے؟ بیان کرو۔

جواب: ''بُصریٰ'' ایک مقام کا نام ہے، جب قافلہ وہاں پہنچا تو ایک راہب (یعنی عیسائی سادھو) قافلہ میں آیا۔ اور جب پرانی کتابوں کے موافق حضور ﷺ کے چہرے سے نبی آخر الزماں کی علامتیں ہو بہو ٹھیک پائیں تو ابو طالب سے کہا: تمہارے بھتیجے وہی آخری نبی ہیں، جن کا تذکرہ ''توراۃ'' اور ''انجیل'' وغیرہ آسمانی کتابوں میں ہے اور جن کا مذہب تمام دِینوں کو منسوخ کردے گا۔ خدا ان کو سارے جہاں کے لیے ''رحمت'' بنائے گا۔ تم ان کا پورا خیال رکھو اور ان کو شام ہرگز مت لے جاؤ، کیونکہ خطرہ ہے کہ وہاں کے یہودی آپ کو پہچان کر (نصیب اعداء) شہید کر ڈالیں گے۔

سوال: راہب کے مشورے کے بعد ابو طالب نے کیا کیا؟

جواب: حضرت کو مکّہ معظّمہ واپس بھیج دیا۔

خلاصہ

حضور ﷺ لڑکپن میں بہترین اخلاق کا مجسّمہ تھے، اپنی کمائی سے بسر کرنے کا شوق شروع ہی سے تھا۔ بارہ سال کی عمر میں چچا ابو طالب شام کی طرف لے گئے، راستہ میں ''بُحیرا'' راہب سے ملاقات ہوئی، اس نے حضور ﷺ کو پہچان لیا اور واپس کرا دیا۔

شام کا دوسرا سفر

سوال: حضور ﷺ نے شام کا دوسرا سفر کب کیا؟

جواب: جب عمر شریف حضور ﷺ کی تقریباً پچیس سال کی ہوئی۔

سوال: اس سفر کی کیا وجہ تھی؟

جواب: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے تجارتی قافلہ کا منیجر (امیر) بنا کر بھیجا تھا۔

سوال: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کون تھیں اور انہوں نے آپ کو کیوں منتخب کیا؟

جواب: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا مکّہ کی ایک دولت مند اور امیر عورت تھیں، ان کی بہت بڑی تجارت عرب میں اور عرب سے باہر ہوا کرتی تھی، ان کے شوہر وفات پا چکے تھے، ضرورت تھی کہ کوئی امانت دار سچّا اور سمجھ دار شخص مل جائے۔ حضور ﷺ کی تعریفیں بہت کچھ سنی تھیں انہوں نے اپنی تجارت کے لیے آپ سے بہتر کوئی شخص نہیں سمجھا۔ لہٰذا نفع میں ایک خاص حصّہ مقرر کر کے آپ کو اپنے مال کا ذمہ دار بنا کر ''شام'' کو روانہ کر دیا اور اپنے خاص غلام کو جن کا نام ''مَیْسرہ'' تھا، حضور ﷺ کے ساتھ کر دیا کہ کسی قسم کی تکلیف نہ ہو اور حضور ﷺ کی خدمت کرتے رہیں۔

سوال: اس سفر کا مشہور اور بڑا واقعہ کیا ہے؟ بیان کرو۔

جواب: جب حضرت ﷺ شام پہنچے تو ایک درخت کے نیچے ٹھہر گئے۔ ایک راہب جس کا نام ''نَسطُورا'' تھا حاضر ہوا، اور بحیرا راہب کی طرح اس نے بھی حضور ﷺ کو نبوت کی بشارت دی اور کہا کہ میں نے آپ کو اس وجہ سے پہچان لیا کہ اس درخت کے نیچے آج تک نبی ہی ٹھہرے ہیں۔

سوال: اس سفر میں خدا کی طرف سے حضور ﷺ کو آرام پہنچانے کا کیا انتظام ہوا تھا؟

جواب: آپ کے ساتھی میسرہ کا بیان ہے کہ جب دوپہر کو گرمی اور دھوپ تیز ہوتی تو دو فرشتے آتے اور حضور ﷺ پر سایہ کرتے۔

سوال: حضور ﷺ نے اس تجارت میں کیا حاصل کیا؟

جواب: آپ نے نہایت سمجھ داری اور خوب صورتی کے ساتھ تمام مال بہت بڑے نفع کے ساتھ بہت جلد فروخت کر دیا اور پھر دوسرا مال شام سے بھروا کر مکّہ تشریف لے آئے۔ جب یہ مال مکّہ میں فروخت ہوا تو دُوگنے کے قریب نفع ہوا۔

سوال: حضور ﷺ کے ان کارناموں سے کیا معلوم ہوا؟

جواب: معلوم ہوا کہ تجارت یا مزدوری کرنا اور قوتِ بازو سے کما کر بسر کرنا ضروری ہے اور ثواب کی چیز ہے۔

سوال: حضور ﷺ نے توکّل کیوں نہیں کیا؟

جواب: آپ نے توکّل کبھی نہیں چھوڑا۔ مگر توکّل کا مطلب یہ نہیں کہ بیوی اور بچوں سے بے پرواہ ہو کر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں، یا باپ دادا کی چیز ہو تو اس پر بھروسہ کر کے اپنے آپ کو اپاہج بنالیں، بلکہ توکل کا مطلب یہ ہے کہ کمائی اور ترقی میں پوری تدبیر اور پوری کوشش سے کام لیں، البتہ اس کا یقین رکھیں کہ نتیجہ اور انجام اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے، یہ غرور ہرگز نہ کریں کہ ہم نے ایسا کیا اور ہمارے کیے

کا یہ نتیجہ ہوگا۔ بلکہ یہ عقیدہ رکھیں کہ پھل دینا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے، البتہ کوشش کرنا اپنا کام ہے، مگر یہ بھی سمجھتے رہیں کہ کوشش بھی صرف اللہ ہی کی مدد سے ہوسکتی ہے۔

خلاصہ

جب حضور ﷺ کی عمر شریف تقریباً پچیس سال کی ہوئی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے ان کی تجارت کے وکیل ہوکر شام تشریف لے گئے۔ جہاں ''نسطورا'' راہب سے ملاقات ہوئی۔ جس نے حضور ﷺ کو نبوّت کی بشارت دی۔ اس سفر میں خدا کے حکم سے حضور ﷺ پر گرمی کے وقت برابر سایہ ہوتا تھا اور پھر بہت جلد تمام مال فروخت کر کے دوسرا مال لے کر واپس مکّہ تشریف لائے۔ جب یہ مال مکّہ شریف میں فروخت کیا گیا تو دوگنا نفع ہوا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام میسرہ اس سفر میں حضور ﷺ کے ساتھ تھے۔

حضور ﷺ کی ازدواجی[1] زندگی

سوال: حضور ﷺ نے پہلا نکاح کس سے کیا؟

جواب: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے جو بیوہ عورت تھیں۔

سوال: شام کے سفر سے واپس آکر کتنے عرصہ بعد یہ نکاح ہوا؟

جواب: دو ماہ بعد۔[2]

سوال: حضور ﷺ کی عمر اس وقت کیا تھی؟

جواب: پچیس سال دو ماہ دس دن۔[3]

سوال: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت کیا تھی؟

جواب: چالیس سال۔

---

[1] ازدواج: نکاح کرنا، ازدواجی زندگی: شادی والی یعنی گرہستی کی زندگی۔

[2] دروس التاریخ الاسلامی [3] سرور المحزون

سوال: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد اور والدہ کا نام کیا تھا اور سلسلۂ نسب کیا تھا؟

جواب: والد کا نام ''خُوَیْلِد'' تھا اور والدہ کا نام ''فاطمہ''۔ سلسلۂ نسب یہ ہے کہ دادا کا نام ''اسد'' ان کے والد کا نام ''عبد العزیٰ''۔ اور عبد العزیٰ ''قُصَی'' کے بیٹے تھے، جن کا ذکر حضور ﷺ کے سلسلۂ نسب شریف میں آچکا۔[1]

سوال: اس نکاح کی کیا صورت ہوئی؟

جواب: جیسا کہ مذہبِ اسلام میں بیوہ عورت کا دوبارہ شادی کرنا کچھ معیوب نہیں، اسی طرح عرب میں پہلے بھی بیوہ عورتیں شادی کرلیا کرتی تھیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کے اخلاق اور پاکیزہ عادتوں کی تعریفیں پہلے بھی سنی تھیں اور اپنے خاص غلام میسرہ سے جب سفر کے عجیب عجیب حالات معلوم ہوئے تو اور بھی زیادہ اعتقاد ہوگیا اور یقین ہوگیا کہ حضور ﷺ کا اقبالِ ہمایوں بہت جلد چودھویں رات کا چاند ہوکر ہمیشہ ہمیشہ چمکے گا۔ چنانچہ ایک ذریعہ سے اس عقد کی سلسلہ جنبانی شروع کی۔ جس کو حضور ﷺ نے منظور فرمالیا اور پھر ایک بڑے مجمع میں جس میں حضور ﷺ کے سارے چچا اور دوسرے رشتہ دار بھی تھے، نکاح ہوگیا۔

سوال: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کے نکاح میں کتنے عرصہ رہیں اور کل عمر کس قدر ہوئی؟

جواب: تقریباً پچیس سال پونے دس ماہ۔ چودہ سال نبوت سے پہلے اور دس سال نبوت کے بعد اور کل عمر چونسٹھ اور پینسٹھ سال کے درمیان ہوئی۔

سوال: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں حضور ﷺ نے کوئی دوسرا نکاح کیا یا نہیں؟

جواب: اس زمانہ میں حضور ﷺ نے کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا، باوجودیکہ نکاح کرنے کی ضرورت موجود تھی، کیونکہ حضور ﷺ کا زمانہ شروع عمر کا تھا اور

[1] اکمال فی اسماء الرجال

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا چالیس سال سے زیادہ عمر کی بوڑھی ہو چکی تھیں۔

سوال: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے حضور ﷺ کے کتنی اولاد ہوئی؟

جواب: دو فرزند اور چار صاحبزادیاں۔

سوال: اُن کے نام کیا کیا تھے اور اُن کی وفات کب ہوئی؟

جواب: ''قاسم'' اور ''طاہر'' صاحبزادوں کے نام تھے۔ اور حضرت طاہر رضی اللہ عنہ کا نام عبداللہ بھی بتایا جاتا ہے۔ ان دونوں کی وفات بچپن میں ہوئی۔ زینب، اُمّ کلثوم، رقیہ، فاطمہ رضی اللہ عنہن صاحبزادیوں کے نام تھے۔

سوال: حضور ﷺ کی صاحبزادیوں کا نکاح کس کس سے ہوا اور کس کس کے اولاد ہوئی؟

جواب: حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت ابوالعاص بن ربیع سے ہوا۔ ایک لڑکا ''علی'' نام اور ایک لڑکی ''امامہ'' پیدا ہوئیں۔ لڑکا لڑکپن میں وفات پا چکا تھا۔ لڑکی بڑی ہوئیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بعد خالو یعنی حضرت علی کرّم اللہ وجہہ سے نکاح ہوا، مگر کچھ اولاد نہیں ہوئی۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا، پھر ان کی وفات کے بعد حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا، اسی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ''ذی النّورین'' کہتے ہیں یعنی دو نور والا، مگر سلسلہ ان سے بھی نہ چل سکا۔

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی سے ہوا۔ ان کے اولاد پیدا ہوئی اور ان سے سلسلۂ نسب چلا۔

سوال: کیا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی اور سے بھی حضور ﷺ کے اولاد ہوئی؟

جواب: صرف ایک صاحبزادے حضرت ''ماریہ قبطیّہ'' رضی اللہ عنہا سے ہوئے۔

سوال: ان کا نام کیا تھا اور کتنی عمر پائی؟

جواب: ''ابراہیم'' نام تھا اور لڑکپن ہی میں ان کی وفات ہوگئی۔

خلاصہ

سفرِ شام سے واپس آنے کے دو ماہ بعد حضور ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرلیا، جن کی عمر چالیس سال تھی اور بیوہ تھیں، حضور ﷺ کی عمر پچیس سال دو ماہ دس دن تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا تقریباً پچیس برس حضور ﷺ سے نکاح کے بعد زندہ رہیں۔ چھ بچے ہوئے جن میں سے صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نسب چلا۔ حضور ﷺ کے ساتویں صاحبزادے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے۔

نُبوّت سے پہلے حضور ﷺ کے اخلاق اور تعلّقات

سوال: نبوت سے پہلے حضور ﷺ کے اخلاق کی کیا کیفیت تھی اور کسبِ معاش کی کیا صورت تھی؟

جواب: حضور ﷺ کی ساری زندگی بہترین اخلاق کا خزانہ تھی، سچّائی، دیانتداری، رحم، سخاوت، وفاداری، وعدہ کی پابندی، بزرگوں کی عظمت، چھوٹوں پر شفقت رشتہ داروں سے محبّت، دوستوں کی ہمدردی، اعزّا کی غم خواری، مخلوقِ خدا کی خیر خواہی؛ غرض تمام اچھی باتوں میں حضور ﷺ کو وہ مرتبہ عطا کیا گیا تھا کہ ناممکن ہے کوئی اس کی گرد کو بھی پہنچ سکے، بہترین اخلاق ہی کا اثر تھا کہ لوگ ادب کے باعث نام نہیں لیتے تھے۔ "صادق" اور "امین" حضور ﷺ کا لقب مقرر کررکھا تھا۔ متانت، سنجیدگی، کم بولنا، بے فائدہ بات سے نفرت کرنا، خندہ پیشانی اور ہنسی خوشی لوگوں سے ملنا، سادگی اور صفائی سے بات کرنا حضور ﷺ کا خاص شیوہ تھا۔ خداوندِ عالم نے آپ کو لڑکپن ہی میں تمام بری باتوں سے محفوظ رکھا جو اس زمانہ میں رواج پائی ہوئی تھیں۔ حرص، طمع، دغا، فریب، جھوٹ، شراب، زنا، ناچ گانا، لوٹ، چوری، بت پرستی، بتوں کے نام کی چیز کھانا، بتوں پر چڑھاوا، شعرگوئی، عشق بازی؛ یہ تمام باتیں جو اس زمانہ میں گویا ہر ایک کے جنم میں ہوتی تھیں حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی ان سب سے بالکل پاک اور صاف رہی، اسی

وجہ سے حضور ﷺ کو معصوم کہتے ہیں (یعنی گناہوں سے بچے ہوئے) اور لطف یہ ہے کہ نہ حضور ﷺ نے کوئی کتاب پڑھی، نہ کسی کے مرید ہوئے، نہ کسی نے حضور ﷺ کی باقاعدہ تربیت کی۔ یہ تمام خوبیاں خداداد تھیں۔

ہمارے آقا ﷺ نے ہمیشہ قوتِ بازو سے کما کر زندگی بسر کی، حضور ﷺ کی اہلیہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس بہت کچھ دولت تھی۔ انہوں نے اس تمام دولت کو اسلام اور مسلمانوں کی امداد میں لُٹا دیا، مگر رسولُ اللہ ﷺ نے کبھی بھی اپنے خرچ واخراجات میں بیوی کا احسان سر پر نہیں لیا۔ لکڑیاں چن کر، پھاوڑا چلا کر، بکریاں چرا کر بسر اوقات کرنا حضور ﷺ کو آسان تھا، مگر کسی کا احسان سر پر لینا مشکل، اگر خدانخواستہ بیوی کا مال حضور ﷺ اپنے صرف میں لائے ہوتے تو قریش کے کافر آسمان سر پر اُٹھا لیتے۔ وہ تو رات دن اسی تلاش میں رہا کرتے تھے کہ بدنام کرنے کی کوئی چیز ہمارے ہاتھ لگ جائے اور بیوی کے مال سے خرچ کرنا عرب کے خیال میں بہت بڑا عیب تھا۔ خلقِ خدا کی خیر خواہی اور قوم کی خدمت اور ہمدردی کی فکر حضور ﷺ کو ہمیشہ رہا کرتی تھی، اپنے زمانہ والوں کی حالت پر پوری دردمندی کے ساتھ اکثر غور فرمایا کرتے تھے۔ حضور ﷺ کے مشورہ کے بموجب اس ہی زمانہ میں ایک انجمن قائم کی گئی جس میں بنو ہاشم، بنو المطّلب، بنو اسد، بنو زہرہ، بنو تیم شامل تھے۔ اس انجمن کے ممبر آپس میں معاہدہ کیا کرتے تھے: ''ہم ملک سے بے امنی دور کریں گے، ہم مسافروں کی حفاظت کیا کریں گے، ہم غریبوں کی امداد کرتے رہیں گے، ہم بڑوں کو چھوٹوں پر ظلم کرنے سے روکا کریں گے۔''

سوال: حضور ﷺ کے ساتھ قریش کے اعتبار اور تعلّقات کی کیا کیفیت تھی؟

جواب: قریش کو حضور ﷺ پر اس قدر اعتبار اور بھروسہ تھا کہ نبوت کے بعد جب مکّہ

کے کافر حضور ﷺ کے جانی دشمن بن رہے تھے اس وقت بھی اپنی امانتیں حضور ﷺ کے پاس ہی رکھوا کر مطمئن ہوتے تھے۔

ایک عجیب واقعہ ہے جس سے حضور ﷺ کے اور قریش کے تعلّقات کا اندازہ ہوسکتا ہے، مکّہ میں سیلاب آیا جس کے سبب سے خانۂ کعبہ منہدم ہوگیا، قریش نے دوبارہ تعمیر کا ارادہ کیا، چونکہ یہ چیز شہرت اور ناموری کی تھی تمام قبیلوں نے اس میں حصّہ لیا، جب حجرِ اسود کو دیوار میں چننے کی نوبت آئی اور یہ کام بہت بڑی عزت کا تھا، اس وجہ سے ہر قبیلہ والے دعویٰ کرنے لگے کہ یہ عزت ہم کو ملنی چاہیے۔ اسکے مستحق ہم ہیں اور یہ معاملہ اتنا بڑھا کہ باقاعدہ جنگ کے لیے آمادگی ہونے لگی۔ قریش کے نیک دل اور سنجیدہ آدمیوں نے (خصوصاً ابوامیہ بن مغیرہ نے جو سب سے بوڑھا تھا) چاہا کہ یہ معاملہ نرمی سے طے ہو جائے اور آپس میں خون بہنے کی نوبت نہ آئے، چنانچہ مشورہ کے لیے خانۂ کعبہ کے احاطے میں (جس کو آج کل مسجدِ حرام کہتے ہیں) جمع ہوئے اور غور وفکر کے بعد یہ طے ہوا کہ جو شخص سب سے پہلے مسجد کے اس دروازہ میں داخل ہو، وہ اس معاملہ کا فیصلہ کریگا۔ حسنِ اتفاق سے مجمع کی نظر سب سے پہلے جس پر پڑی وہ سرورِ عالم ﷺ کا چہرۂ انور تھا۔ سب خوش ہوکر بول اُٹھے: ''یہ امین ہیں، صادق ہیں، عرب کے بہترین شخص ہیں، خوب تشریف لائے۔ بہترین فیصلہ یہی فرما سکتے ہیں۔'' چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضور ﷺ کے سامنے معاملہ پیش کیا گیا۔ حضور ﷺ نے چادر پھیلا کر حجرِ اسود کو اپنے دستِ مبارک سے چادر میں رکھ دیا اور فرمایا: ''ہر قبیلہ کے منتخب آدمی چادر کو اٹھائیں۔'' جب حجرِ اسود بنیاد تک پہنچ گیا۔ حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اس کو اُٹھا کر دیوار میں نصب فرما دیا۔

سوال: جب یہ واقعہ ہوا تو حضور ﷺ کی عمر کیا تھی؟

جواب: ۳۵ سال۔

رِسَالت، نبوّت، رسول کی تعریف اور ضرورت

سوال: رسالت اور نبوت کے کیا معنی ہیں؟

جواب: رسالت کے معنی رسول ہونا اور نبوت کے معنی نبی ہونا۔

سوال: رسول یا نبی کس کو کہتے ہیں؟

جواب: رسول اور نبی خدا کے بندے اور انسان ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ انھیں اپنے بندوں تک احکام پہنچانے کے لیے مقرر فرماتا ہے۔ وہ سچّے ہوتے ہیں، کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔ خدا کے حکم سے معجزے دکھاتے ہیں۔ خدا کے پیغام پورے پورے پہنچا دیتے ہیں۔ ان میں کمی زیادتی نہیں کرتے، نہ کسی پیغام کو چھپاتے ہیں۔

سوال: نبی اور رسول میں کیا فرق ہے؟

جواب: نبی اور رسول میں تھوڑا سا فرق ہے، وہ یہ کہ ''رسول'' تو اس پیغمبر کو کہتے ہیں جس کو نئی شریعت اور کتاب دی گئی ہو اور ''نبی'' ایسے پیغمبر کو بھی کہتے ہیں جس کو نئی شریعت دی گئی ہو اور ایسے پیغمبر کو بھی کہتے ہیں کہ اُسے نئی شریعت اور کتاب نہ دی گئی ہو، بلکہ وہ پہلی شریعت اور کتاب کا تابع ہو۔

سوال: کیا کوئی آدمی اپنی کوشش اور عبادت سے نبی بن سکتا ہے؟

جواب: نہیں، بلکہ جسے خدا تعالیٰ بنائے وہی نبی اور رسول بنتا ہے، مطلب یہ کہ نبی اور رسول بننے میں آدمی کی کوشش اور ارادے کو دخل نہیں، خدا کی طرف سے یہ مرتبہ عطا کیا جاتا ہے۔

سوال: رسول اور نبی کتنے ہیں اور ان میں سب سے افضل رسول کون ہیں؟

جواب: دنیا میں بہت سے رسول اور نبی آئے، ان کی ٹھیک تعداد خدا کو معلوم ہے۔ ہمارا

فرض یہ ہے کہ جتنے رسول اور نبی خدا نے بھیجے ہیں ان سب کو برحق جانیں، البتہ ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تمام نبیوں اور رسولوں سے افضل اور بزرگ ہیں۔ خدا تعالیٰ کے تو آپ بھی بندے اور تابع دار ہیں، خدا تعالیٰ کے بعد آپ کا مرتبہ سب سے بڑھا ہوا ہے۔

سوال: رسول اور نبی کیوں آتے ہیں؟

جواب: طریقہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کی مرضی کو اس وقت تک نہیں پا سکتا جب تک وہ خود نہ بتائے یا اس کا طریقہ یا عادت اور مزاج نہ معلوم ہو۔ انسان پر واجب ہے کہ وہ خدا کی مرضی کے تابع رہے، کیونکہ وہ خدا کا بندہ ہے، خدا نے اس کو پیدا کیا، ہوش وحواس دیئے، وہی اس کو رزق دیتا ہے، وہی اس کی تمام ضرورتیں پوری کرتا ہے۔ لیکن انسان کی عقل اتنی نہیں کہ خدا کی مرضی کو معلوم کر سکے، نہ اس کی آنکھوں میں اتنی طاقت کہ خدا کے نور کو دیکھ سکے اور اس کے جلال والے نور کی برداشت کر سکے۔[۱] نہ اس کے کانوں میں اتنی طاقت کہ خدا کی سَنسنا دینے والی آواز سن سکے[۲] اور اس کا وہ کلام سمجھ سکے جو تمام انسانی لگاوٹوں سے اونچا اور بہت اونچا ہے۔[۳] عقل کی کوتاہی کا یہ اثر ہے کہ کبھی وہ بری چیز کو اچھی سمجھ کر سیدھی راہ سے بھٹک جاتا ہے اور کبھی شیطانی کاموں میں دل لگا کر برباد ہونے لگتا ہے اور بڑھتے بڑھتے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمام عالم میں ظلم اور بدکاری پھیل جاتی ہے، خدا کی تعلیم بھلا دی جاتی ہے۔ ظلم وفساد کی اندھیری سب طرف سے گھیر لیتی ہے اور آدم علیہ السلام کی اولاد تباہ اور برباد ہونے لگتی ہے تو خدا کی رحمت انکی امداد فرماتی ہے اور کسی ایسے شخص کو پیدا کرتی ہے جس کو لڑکپن ہی سے گناہوں کے جمگھٹوں سے بچایا جائے۔ اس کے دامن کو گناہ کی تمام ملاوٹوں سے پاک رکھا جائے اور

---

۱ تجلّی کی تاب لا سکے۔ ۲ پُرہیبت آواز سن سکے۔ ۳ بندشوں سے بالا اور اعلیٰ ہے۔

رفتہ رفتہ اس کو اتنی قوت دے دی جائے کہ وہ خدا کے احکام کو سمجھ سکے اور لوگوں تک پہنچا سکے تاکہ یہ خدا کی مخلوق خدا کے عذاب سے بچ جائے اور دین و دنیا کی ترقی اور بھلائی حاصل کر لے۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کے وقت عرب کے لوگوں کا کیا مذہب تھا اور تمام دنیا کی مذہبی حالت کیا تھی؟

جواب: اس زمانہ میں عرب کسی ایک مذہب کے پابند نہیں تھے۔ بلکہ مجوسیت، زرتشی، دہریت، عیسائیت، یہودیت، شرک وغیرہ وغیرہ تمام جھوٹے مذہبوں کا عرب میں رواج تھا، ایک خدا کو چھوڑ کر سینکڑوں چیزوں کی پوجا کرتے تھے، قدرت کی ہر ایک چیز کو خدا بنالیا تھا۔ حد ہوگئی تھی، مٹھائی کا بت بنایا جاتا اور پوجا کرنے کے بعد اسی خدا کو توڑ کر کھایا جاتا۔ ماں اور بہنوں تک سے شادی وغیرہ کی جاتی تھی، زندہ بیٹیوں کو زمین میں دفن کر دیا جاتا تھا۔

عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مان لیا تھا۔ یہودیوں میں رشوت، سود، ظلم، حرص، طمع عام تھی۔ وہ اپنے آپ کو خدا کی اولاد کہا کرتے تھے، حضرت عُزَیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے تھے۔ ہندوستان میں کروڑوں بتوں کی پوجا ہوتی تھی، کس قدر شرم کی بات ہے کہ بدن کے ناپاک حصوں کو بھی پوجا جاتا تھا۔ ہر ہر شہر میں الگ الگ حکومت قائم تھی، لوٹ مار، جھگڑا فساد عام تھا۔ یورپ میں خانہ جنگی اور بت پرستی کی حکومت تھی۔ غرض تمام دنیا کی یہی حالت تھی۔ گمراہی کی گھٹا ٹوپ اندھیری تھی جو تمام دنیا پر چھائی ہوئی تھی اور دنیا کو اس وقت کسی سچے رہبر کی ایسی ہی ضرورت تھی جیسے ماہیٔ بے آب کو پانی کی۔ واللہ اعلم!

حضور ﷺ کا نبی بنایا جانا

سوال: باطنی طور پر تو حضور ﷺ کو سب نبیوں سے پہلے نبوت دے دی گئی تھی، مگر ظاہری طور پر حضور ﷺ کو نبوت کب عطا ہوئی؟

جواب: جب عمر شریف چاند کے حساب سے چالیس سال ایک دن ہوئی۔

سوال: کون سا دن تھا اور تاریخ کیا تھی؟

جواب: پیر کا دن تھا اور نبوت کی تاریخ نئی تحقیق کے مطابق ۹ر ربیع الاوّل مطابق ۱۲ر فروری ۶۱۰ء ہے۔

سوال: رسولُ اللہ ﷺ اس وقت کہاں تھے؟

جواب: مکّہ معظّمہ کے قریب جو ''حرا'' پہاڑ ہے اس کے ایک غار میں جسے ''غارِ حرا'' کہتے ہیں۔

سوال: حضور ﷺ وہاں کیوں تشریف لے گئے تھے؟

جواب: حضور ﷺ کو تنہائی پسند تھی۔ حضور ﷺ کا طریقہ تھا کہ کچھ عرصہ کے لیے اس غار میں تشریف لے جا کر تنہائی میں خدا کی عبادت کیا کرتے تھے اور رات دن وہیں رہا کرتے تھے۔ ایسا بھی ہوتا کہ وہ ناشتہ جو اپنے ہمراہ لے جایا کرتے تھے اتنی مدت کے لیے کافی نہ ہوتا تو آپ کی ہمدرد بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جب موقع پاتیں تو خود بھی کچھ ناشتہ پہنچا دیتی تھیں۔

سوال: حضور ﷺ کس مذہب کے موافق عبادت کیا کرتے تھے؟

جواب: مشہور یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ کے مطابق۔

سوال: حضور ﷺ نے نبوت سے کچھ عرصہ پہلے کیا دیکھا؟

جواب: ایک نور دکھائی دیا کرتا تھا اور آپ چھ ماہ پیشتر سے سچّی خوابیں زیادہ تر دیکھا

کرتے تھے، جن کی تعبیر ایسی صاف اور سچّی ہوتی تھی جیسے آفتاب کا نکلنا صبح کے وقت۔

سوال: حضور ﷺ کو نبوت عطا ہونے کی کیا صورت ہوئی؟

جواب: حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام غارِ حرا میں آئے اور انہوں نے کہا: "اِقْرَأْ" یعنی پڑھو، میں نے کہا: میں تو پڑھا ہوا نہیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے اپنی آغوش میں مجھے اتنے زور سے دبایا کہ گویا جان نکلنے لگی، پھر چھوڑ کر کہا: "اِقْــرَأْ" یعنی پڑھیے۔ میرا جواب وہی تھا کہ میں پڑھا ہوا نہیں، جبرئیل علیہ السلام نے دوبارہ ایسا ہی کیا، آخرکار جب تیسری مرتبہ اسی قدر زور سے آغوش میں دبا کر چھوڑا اور فرمایا کہ پڑھو۔ میں نے کہا: ''کیا پڑھوں؟'' اس وقت یہ چند آیتیں پڑھیں: "اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ" سے "عَلَّمَ الاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ" تک۔

خلاصہ

حضور ﷺ کو پیدائش شریف سے اکتالیسویں برس ۹ ربیع الاوّل مطابق ۱۲ فروری ۶۱۰ء بروز دوشنبہ (پیر) کوہِ حرا کے ایک غار میں نبوت کی باعظمت خلعت عطا فرمائی گئی۔ اس وقت عمر مبارک چالیس سال ایک دن کی تھی۔

تبلیغ اور دعوتِ اسلام

سوال: حضور ﷺ نے اوّل اوّل کس طرح مسلمان بنانا شروع کیا؟

جواب: پوشیدہ طور پر جن جن لوگوں میں قابلیت اور صلاحیت پاتے تھے ان کو ہم خیال بنا کر مسلمان ہو جانے پر آمادہ کرتے تھے۔

سوال: سب سے پہلے کون مسلمان ہوا؟

جواب: آزاد مردوں میں حضور ﷺ کے جان نثار دوست حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، آزاد عورتوں میں حضور کی محترمہ اہلیہ، شہنشاہِ عالم کی مقدس ملکہ حضرت خدیجہ

الکبریٰ رضی اللہ عنہا، آزاد بچوں میں حضور کے چچا زاد بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ، غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے، باندیوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آزاد کردہ باندی اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا۔

سوال: سب سے پہلے دوستوں اور گھر کے خاص آدمیوں کے اسلام لانے سے کیا سمجھا جاتا ہے؟

جواب: ان حضرات کا سب سے پہلے، پہلی ہی آواز پر ایمان لانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچّائی اور اعلیٰ پاکیزگی پر قوی دلیل ہے، کیونکہ یہ وہ لوگ تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس سال کی ذرا ذرا سی باتوں سے پوری طرح واقف تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ والا طرز طریق لڑکپن سے دیکھ رہے تھے۔

سوال: یہ لوگ مسلمان ہو کر صرف وظیفہ وظائف میں مشغول ہو گئے یا کچھ اور بھی کام کیا؟

جواب: ان حضرات نے مسلمان ہونے کے بعد فوراً ہی آہستہ آہستہ اپنے خیالات کو پھیلانا شروع کر دیا، چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں حضرت بلال، عمرو بن عَبَسَہ[1]، خالد رضی اللہ عنہم وغیرہ اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے اور پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تبلیغ سے تھوڑے ہی عرصہ میں حضرت عثمان غنی، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت طلحہ، حضرت سعد بن ابی وقاص[2]، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح، حضرت عبدالاسد بن ہلال، حضرت عثمان بن مظعون، حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہم جیسے بزرگ حضرات مسلمان ہو گئے۔ جن کو اگر اسلام کی جڑیں کہا جائے تو بجا ہے۔ اسی طرح عورتوں میں حضرت کی چچی یعنی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضرت ام الفضل، حضرت اسماء بنت عُمیس، حضرت اسماء بنت ابی بکر، حضرت عمر کی بہن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن نے اسلام قبول کیا۔

---

[1] معجم الصحابہ، رقم الترجمہ: ۶۹۴	[2] معجم الصحابہ، رقم الترجمہ: ۶۸۰

سوال: اس طرح پوشیدہ پوشیدہ اسلام پھیلنے سے کیا مفہوم ہوتا ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دوسرے لوگوں کی تبلیغی کوشش سے تم کیا سمجھتے ہو؟

جواب: معلوم ہوتا ہے کہ تلوار کے زور سے اسلام نہیں پھیلا، بلکہ سچّائی، اخلاق اور ایمانداری کے زور سے اسلام پھیلا ہے۔ ورنہ ایک دو آدمی کی کیا ہمت تھی کہ کسی غیر کو زبردستی اسلام لانے پر مجبور کرتا اور خصوصاً ایسے وقت میں جبکہ دنیا ان کی دشمن ہو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات کی اس خطرناک زمانہ میں کوششوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ تمام مصیبتوں سے بے پرواہو کر اسلام کی ترقی کے لیے ہمیشہ جان توڑ کوشش کرتا رہے۔

سوال: اسلام کی دعوت کتنے عرصہ تک پوشیدہ طور پر ہوتی رہی؟

جواب: تقریباً تین برس تک۔

سوال: اس عرصہ میں کتنے آدمی مسلمان ہوئے؟

جواب: تقریباً تیس آدمی۔

سوال: اس زمانہ میں مسلمان کہاں رہا کرتے تھے؟

جواب: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر مکّہ کے کنارے پر ایک مکان تجویز فرما دیا تھا، عموماً مسلمان اسی میں رہا کرتے اور عبادت کیا کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہیں تشریف لے جا کر ان کو تعلیم اسلام سے مشرف فرمایا کرتے تھے۔

خلاصہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے حکم کے بموجب اوّل اوّل پوشیدہ طور پر مسلمان بنانا شروع کیا، تقریباً تین سال اسی طرح اسلام کی تبلیغ ہوتی رہی۔ جو حضرات مسلمان ہوئے انہوں نے اپنا فرض محسوس کیا اور فوراً دوسروں میں تبلیغ شروع کردی، اس طرح آہستہ آہستہ تین سال کے عرصہ میں تقریباً تیس آدمی مسلمان ہوگئے، یہی وہ لوگ تھے جن سے اسلام کی جڑیں مضبوط ہوئیں۔ ان کا اس طرح اسلام لانا روشن دلیل ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے

نہیں پھیلا، بلکہ روحانی اور اخلاقی طاقت نے لوگوں کو اسلام کا عاشق بنایا، اتنی ہمت نہ تھی کہ کھلّم کھلا احکامِ اسلام کے بموجب عبادت کر سکیں، مجبوراً چھپ چھپ کر اسلام کے احکام کی تعمیل کیا کرتے تھے۔

کھلّم کھلاّ اسلام کی تبلیغ اور سچّی آواز کی مخالفت

سوال: کھلّم کھلاّ اسلام کی تبلیغ کس طرح شروع کی گئی؟

جواب: مکّہ کی ایک پہاڑی پر جس کا نام ''صفا'' ہے حضور ﷺ تشریف لے گئے اور قریش کے خاندانوں کو نام بنام پکارا۔ جب سب اکٹھے ہو گئے تو آپ نے فرمایا:
''اگر میں خبر دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے دشمن کا لشکر پڑا ہوا ہے اور قریب ہے کہ تم پر حملہ کر دے تو کیا تم اس خبر کو سچ جانو گے؟''
حاضرین نے ایک زبان ہو کر جواب دیا:
آپ کی سچّائی کا ہمیں پورا یقین ہے، آج تک کوئی خلاف بات آپ سے سرزد نہیں ہوئی۔ اسی باعث سارا عرب آپ کو صادق اور امین کے لقب سے پکارتا ہے۔ کیسے ممکن ہے کہ اتنی بڑی خبر کو ہم سچ نہ مانیں، حضور ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم نے اپنے ناپاک خیالات اور غلط عقیدوں کو نہ چھوڑا تو یقین جانو، خدا کے سخت عذاب کا لشکر تم کو تباہ کر دے گا۔ میں تمھیں آگاہ کر رہا ہوں۔''

سوال: جب خداوند عالم کا یہ حکم نازل ہوا: "وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ" یعنی اپنے قریبی رشتہ داروں کو خدا سے ڈراؤ تو حضور ﷺ نے اس کی تعمیل کس طرح کی؟

جواب: حضور ﷺ نے عبد مناف یعنی پَر دادا کی اولاد میں سے تقریباً چالیس آدمی جمع کیے اور فرمایا: جو تحفہ تمہارے لیے مَیں لایا ہوں، دنیا میں کوئی شخص اپنی قوم یا جماعت کے لیے اس سے بہتر تحفہ نہیں لایا۔ میں تمہارے لیے دین و دنیا کی ترقی اور کامیابی لایا ہوں، خدا تعالیٰ کا حکم ہے کہ میں تمھیں اس کی طرف بلاؤں، دنیا

کے تمام آدمیوں سے اگر میں جھوٹ بولتا تو واللہ! تم سے جھوٹ ہرگز نہ بولتا، اگر میں دنیا کے آدمیوں کو دھوکا دیا کرتا تو میرا ضمیر کسی طرح گوارا نہ کرتا کہ تمھیں دھوکا دوں۔ اس پروردگار کی قسم جو یکتا ہے، میں تمہارے پاس رسول اور پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

سوال: قریش نے اس سچّی پکار کا کیا جواب دیا؟

جواب: ''ابولہب'' (حضور ﷺ کا چچا) کھڑا ہوا اور للکارا: "تَبًّا لَكَ أَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا" تو برباد ہو، کیا اسی واسطے ہمیں اکٹھا کیا تھا؟ (معاذ اللہ)۔ قرآن پاک کی سورت "تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ" سے اللہ تعالیٰ نے اسی کا جواب دیا ہے، آیت کا ترجمہ یہ ہے: ''ابولہب ہی برباد ہو گیا۔''

اس کے بعد کفار نے وہ تکلیفیں حضور ﷺ کو اور آپ کے ساتھیوں اور حمایتیوں کو پہنچائیں کہ ان کے سننے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، دنیا ان کی مثال سے خالی ہے، خدا کی پناہ! کبھی حضور ﷺ کے راستوں پر کانٹے بچھا دیئے جاتے، کبھی کوٹھوں کے اوپر سے غلاظت اور کوڑے کرکٹ کے ٹوکرے حضور ﷺ کے جسم پاک پر پھینکے جاتے، کبھی اس جسدِ مبارک کے ساتھ معاذ اللہ! مار پیٹ کی گستاخیاں کی جاتیں، زخموں کے خون سے سارا بدن نہلا دیا جاتا۔ خدا کی قدرت نظر آتی تھی جب اللہ کے اس گھر میں جہاں جانور کو ستانا بھی حرام سمجھتے تھے خود حضور ﷺ کے رشتہ داروں کی طرف سے حضور ﷺ کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی جاتیں۔

وہی کعبہ جو خدا کا گھر تھا، جو تمام مخلوقات کے لیے امن کی جگہ تھا۔ جب خدا کا سب سے زیادہ پاک اور پیارا بندہ خدا کے سامنے سجدہ کرتا تو کبھی گردن میں کپڑا ڈال کر کھینچا جاتا، جس سے گلا گھٹنے لگتا، آنکھیں باہر کو آنے لگتیں، کبھی سر پر اونٹ

کی اوجھ رکھ دی جاتی جس میں منوں غلاظت ہوتی۔ کبھی اس مقدس سَر کو کچلنے کی کوشش کی جاتی جو خدا کے بے خوف گھر میں اللہ کے سامنے زمین پر رکھا ہوتا تھا، کبھی خدا کے اس پاک اور محبوب بندے کو شہید کر دینے کے منصوبے کیے جاتے۔ ایسا بھی ہوا کہ آپ کے ساتھیوں کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا گیا۔ مکّہ کی وہ کنکریلی زمین جو تنور کے بھوبل کی طرح تپتی ہے دوپہر کی آگ برسانے والی دھوپ میں حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا بچھونا بنائی جاتی تھی۔ ننگا لِٹا کر اسکے سینہ پر پتھر رکھ دیا جاتا کہ ہل بھی نہ سکیں، گردن میں رسی باندھ کر بچوں کے حوالہ کر دی کہ پہاڑ کے پتھروں میں گھسیٹتے پھریں۔ ایسا بھی ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کی مُشکیں کس کر صرف اس جرم پر روزانہ بید لگائے گئے کہ بت پرستی کیوں چھوڑ دی۔ کسی کی گردن مروڑی جاتی، سر کے بال کھینچے جاتے۔ دھوئیں میں بند کر کے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دم گھونٹا جاتا، کسی کو گائے اور اونٹ کے کچے چمڑے میں لپیٹ کر دھوپ میں پھینک دیا جاتا، کسی کو لوہے کی زِرَہ پہنا کر جلتے پتھروں پر گرا دیا جاتا۔

او کمبخت ابوجہل! تیرا وہ ظلم ہمیشہ یاد رہے گا کہ تو نے ''بی بی سُمیّہ رضی اللہ عنہا'' کے نازک حصّہ میں نیزہ مار کر شہید کر ڈالا تھا۔ دنیا کبھی نہیں بھول سکتی کہ ان کم بختوں نے تین برس تک برابر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کا مقاطعہ[1] رکھا تھا۔ کوشش یہ کی گئی تھی کہ کسی طرح پانی کا ایک گھونٹ یا کھانے کا ایک لقمہ بھی اللہ کے ماننے والوں تک نہ پہنچ سکے۔ بچے بھوک کے مارے راتوں بِلبلاتے، ان کے وہ رشتہ دار جوان بچوں پر مکھی کا بیٹھنا بھی گوارا نہ کر سکتے تھے، ان کی بِلبلاہٹ سنتے، پتھر اگر کان رکھتے تو یقیناً پھٹ جاتے، لیکن ان کے دل ایک لمحہ کے لیے بھی نہ پسیجتے اور اگر کچھ متاثر ہوتے بھی تو معاہدہ کی پابندی سے مجبور ہو جاتے تھے۔

قصور صرف اتنا تھا کہ اللہ کو ایک کیوں کہتے ہو؟ پتھروں کو کیوں نہیں پوجتے؟ لوٹ مار،

[1] بائیکاٹ

شراب خوری، جُوابازی، فحش کاری اور ہزاروں قسم کے برے کاموں میں ہمارا ساتھ کیوں نہیں دیتے؟ وہی اللہ کا یکتا بندہ جو سارے جہاں کے لیے رحمت بن کر آیا تھا، جب ان کے فائدے کی باتیں سناتا تو وہ شور مچاتے کہ کوئی سن نہ سکے۔ آپ کو (معاذ اللہ) مجنوں کہتے تاکہ حضور ﷺ کی بات پر کوئی کان نہ لگا سکے۔ میلوں اور بازاروں کے موقعوں پر ناکہ بندی کر دیتے کہ کوئی حضور ﷺ تک پہنچ نہ سکے، وہ پتھر برساتے اور پیچھے لگتے کہ اللہ کا بھیجا ہوا پیارا رسول چل نہ سکے۔

طارق بن عبداللہ محاربی رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں، اسلام سے پہلے ''ذی المجاز'' کے بازار (میلے) میں گئے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص سرخ دھاریوں کی چادر اوڑھے ہوئے ہے اور پکار رہا ہے: ''لوگو! کہہ دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، کامیاب ہو جاؤ گے۔'' ایک دوسرا شخص پتھر لیے ہوئے انکے پیچھے لگا ہوا ہے، پتھروں کی مار سے قدموں اور ٹخنوں کو لہولہان کر دیا ہے۔ وہ گلا پھاڑ پھاڑ کر للکار رہا ہے۔ اسکا کہنا مت مانو، جھوٹا ہے (معاذ اللہ)۔ میں نے کہا: یہ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا عبدالمطلّب کے خاندان کے ایک نوجوان ہیں، میں نے پوچھا: پتھر مارنے والا کون ہے؟ جواب دیا گیا کہ ان کا چچا ''عبدالعزّیٰ'' نامی جس کو ابولہب کہتے ہیں۔ الغرض ایک سچّی آواز تھی جو پہاڑ کی گھاٹیوں میں، شہروں کی گلیوں میں، پینٹھ[1] اور میلوں کے بازاروں میں، شادی اور خوشی کی محفلوں میں، رنج اور مصیبت کی ماتم گاہوں میں، خانۂ کعبہ کے حرم میں، منیٰ اور عرفات کی وادیوں میں، بھولی بھالی مظلومانہ سچّائی کے ساتھ اُٹھتی تھی۔ ظالموں کا ظلم اس کو دبانا چاہتا تھا، مگر مظلومیت کا شعلہ اس کو دن بہ دن بھڑکا رہا تھا۔

ظلم اور سختی جب کارگر نہ سمجھی گئی تو طمع بھی دی گئی۔ حضور ﷺ سے عرض کیا گیا کہ اگر حسینہ کی تلاش ہو تو سارے عرب کی عورتیں پیش ہیں، جس کو چاہو پسند کر لو۔ اگر روپیہ کی ضرورت ہو تو عرب کے خزانے موجود ہیں۔ اگر حکومت کی تمنّا ہو تو ہماری گردنیں غلامی کے لیے

---

[1] ہفتہ واری بازار

حاضر ہیں، ہم رعایا بنتے ہیں اور آپ کو بادشاہ بناتے ہیں۔ مگر جواب ایک تھا اور وہ یہ کہ اگر ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے ہاتھ پر سورج بھی لاکر رکھ دیں تو خدا کی قسم! میں اس قدم سے نہ ہٹوں گا جس پر میرے خدا نے مجھے جما دیا ہے۔ مختصر یہ کہ وہ ایک پکار تھی جو حضور ﷺ کی زبان سے ادا ہوئی تھی۔ نافرمان مخلوق نے ہزاروں کوششوں سے دبانا چاہا، مگر وہ خدا کی پکار تھی، اللہ کی آواز کو بلند ہونا تھا، وہ بلند ہوئی اور آج تک بلند ہے، اب تمہارا فرض ہے کہ آئندہ اس کو بلند رکھو۔

سوال: مکّہ کے لوگوں میں سب سے زیادہ دشمن کون کون تھے جو سب سے زیادہ تکلیف دیا کرتے تھے؟

جواب: حضور ﷺ کا چچا ابولہب، ابوجہل جس کا نام ''عَمرو'' تھا اور اس کا بھائی ''عاصی'' اور ولید بن عتبہ اور ابوالبختری پسرِ ہشام اور عتبہ پسرِ ربیعہ اور شَیبہ پسرِ ربیعہ۔

سوال: دنیا میں ان کا کیا انجام ہوا؟

جواب: جنگِ بدر میں کتّے کی موت مارے گئے۔

ہجرت یا جلاوطنی

سوال: ہجرت کس کو کہتے ہیں؟

جواب: کسی مجبوری سے اصلی وطن چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جانے کو ہجرت کہتے ہیں۔

سوال: حضور ﷺ کے زمانہ میں کتنی ہجرتیں ہوئیں؟

جواب: تین۔

سوال: ان کے نام کیا کیا ہیں؟

جواب: (۱) ''ہجرتِ حبشہ اُولیٰ'' یعنی حبشہ کی طرف پہلی بار ہجرت۔

(۲) ''ہجرتِ حبشہ ثانیہ'' یعنی ملکِ حبشہ کی طرف دوسری بار ہجرت۔

(۳) ''ہجرتِ مدینہ'' یعنی مدینہ کی طرف ہجرت۔

سوال: پہلی مرتبہ مکّہ چھوڑ کر لوگ کہاں گئے؟

جواب: ملکِ حبشہ میں۔

سوال: حبشہ کے بادشاہ کا نام اور اس کا لقب و مذہب کیا تھا؟

جواب: نام اُصحمہ بن بعبری، مذہب عیسائی اور لقب نَجاشی تھا جو حبشہ کے ہر بادشاہ کا ہوا کرتا تھا۔

سوال: اس ہجرت میں کتنے آدمی تھے؟

جواب: کل پندرہ یا سولہ۔ دس یا گیارہ مرد اور چار یا پانچ عورتیں۔

سوال: اُن میں حضور ﷺ تھے یا نہیں، اور سردار کون تھا؟

جواب: اُن میں حضور ﷺ نہیں تھے، اور مشہور یہ ہے کہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جو حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کے حقیقی بھائی تھے، ان سب کے سردار تھے۔ بعض کا یہ بھی خیال ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سردار تھے جو حضور ﷺ کے داماد تھے اور حضور ﷺ کی صاحبزادی سمیت ہجرت کر گئے تھے۔

سوال: ان لوگوں نے ہجرت کیوں کی؟

جواب: جب قریش نے ان حضرات کی زندگی دوبھر کر دی تو حضور ﷺ نے ان کی جان کا خوف کر کے اجازت دے دی تھی کہ وہ حبشہ چلے جائیں۔

سوال: قریش نے ان کے مقابلہ میں کیا کیا؟

جواب: قریش نے ''عمرو بن العاص'' اور ''عبداللہ بن ابی امیہ'' کو تحفے تحائف دیکر حبشہ کے بادشاہ کے پاس بھیجا، انہوں نے بادشاہ کے سامنے تحفے پیش کر کے درخواست کی کہ ان لوگوں کو ان کے حوالہ کر دیا جائے، وہ قوم اور مذہب کے باغی ہیں۔

سوال: نجاشی نے کیا جواب دیا؟

جواب: جب تک میں ان لوگوں سے گفتگو نہ کرلوں اور اسلام کی حقیقت نہ معلوم کرلوں، حوالہ نہیں کرسکتا۔

سوال: نجاشی سے کس نے گفتگو کی؟

جواب: حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے۔

سوال: وہ گفتگو کیا تھی؟ مختصر طور پر بتاؤ۔

جواب: شاہِ حبشہ نے کہا: ''اپنا مذہب اور صحیح صحیح واقعات بتاؤ'' اس وقت حضرت جعفر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور فرمایا: ''شاہا! گمراہی اور جہالت کا ایک دور تھا، ہم اس میں پھنسے ہوئے تھے۔ مٹی اور پتھر کے بے حس وحرکت بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے۔ حرام اور مردار ہماری خوراک تھی۔ ہزاروں قسم کی بری باتیں ہمارا شیوہ تھیں۔ رشتہ داروں کے ساتھ بدسلوکی، پڑوسیوں پر ظلم، حلیفوں سے بدعہدی ہماری عادت ہوگئی تھی۔ ہمارا طاقتور کمزور کو کھائے جاتا تھا۔ خدا کی شان کہ اس نے ہماری اصلاح کے لیے ایک سچّا نبی بھیجا، جس کے حسب ونسب سے ہم واقف، اس کی سچّائی، دیانت داری، پاک دامنی سارے عرب میں مشہور۔

اس نے ایک خدا کی عبادت کی دعوت دی اور بتایا کہ ہم کسی کو اسکا شریک یا مددگار نہ مانیں، مٹی اور پتھر کی ان گھڑی ہوئی مورتیوں کے سامنے سے گردن کھینچ لیں، جنکے قدموں میں ہمارے سر مارے مارے پھرتے تھے۔ اور حکم فرمایا کہ سچ بولو، عزیزوں رشتہ داروں سے اچھا برتاؤ کرو، پڑوسیوں پر احسان کرو، حرام سے بچو، بے گناہوں کے قتل وخون سے ہاتھ روکو، بری باتوں سے نفرت کرو، جھوٹی باتوں پر لعنت بھیجو، یتیم کا مال ہرگز مت کھاؤ، نماز پڑھو، روزہ رکھو، حج اور زکوٰۃ ادا کرو۔ جنابِ والا! ہم ان پر سو جان سے ایمان لے آئے اور تہ دل سے ان کی تصدیق

کی۔ اس کے بعد سورۂ مریم کی تلاوت کی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مریم رضی اللہ عنہا کے متعلق اسلامی عقیدہ کو واضح کیا۔

سوال: بادشاہ پر اس کا کیا اثر ہوا؟

جواب: اس سچّی اور درد بھری تقریر کو سن کر وہ خود بھی ایمان لے آیا اور ان مسلمانوں کو قریش کے حوالہ کرنے سے انکار کر دیا۔

سوال: یہ ہجرت نبوّت ملنے سے کون سے سال ہوئی؟

جواب: پانچویں سال۔

سوال: یہ لوگ حبشہ سے کتنے عرصہ بعد لوٹے؟

جواب: دو یا تین ماہ بعد۔

سوال: اس قدر جلد کیوں واپس آئے؟

جواب: ایک غلط خبر مشہور ہوگئی تھی کہ مکّہ کے کافر مسلمان ہو گئے۔

سوال: واپسی پر مکّہ کے کافروں نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

جواب: وہی ظلم و ستم، جبر و قہر۔

خلاصہ

قریش کے ظلم سے تنگ آ کر کچھ لوگوں کو مکّہ چھوڑ دینے کی اجازت دی گئی، پہلی مرتبہ ۱۵ یا ۱۶ آدمی مکّہ چھوڑ کر حبشہ گئے۔ حضرت جعفر یا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما ان کے سردار تھے۔ قریش نے ان کا تعاقب کیا۔ دو آدمیوں کو تحفہ تحائف دے کر حبشہ کے بادشاہ کے پاس بھیجا کہ مسلمانوں کو ان کے حوالہ کر دیں۔ بادشاہ نے مسلمانوں سے واقعات پوچھے جن کو سن کر وہ خود ایمان لے آیا اور ان کے حوالہ کرنے سے انکار کر دیا۔ ایک غلط خبر کی بنا پر تین ماہ بعد یہ لوگ واپس آ گئے، مگر واپس آنے پر کفار نے پہلے سے زیادہ تنگ کیا۔ بادشاہ کا نام اصحمہ تھا، لقب نجاشی، مذہب عیسائی۔

اسلام کی ترقی اور حضور ﷺ کا مقاطعہ

سوال: پہلی ہجرت سے واپسی نبوت کے کون سے سال ہوئی؟

جواب: پانچویں سال میں۔

سوال: اس سال تک مسلمانوں کی تعداد کتنی ہوگئی تھی؟

جواب: چالیس مرد اور گیارہ عورتیں۔

سوال: اس سال کا بڑا واقعہ کیا ہے؟

جواب: حضور ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور پھر تین دن بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مسلمان ہونا۔

سوال: اس سال تک مسلمانوں کی کیا حالت تھی اور ان دونوں بزرگوں کے اسلام لانے کا کیا اثر ہوا؟

جواب: اس وقت تک مسلمان ہونے والے حضرات اگرچہ عقل مندی، سنجیدگی اور طبیعت کی نیکی میں بے نظیر اور مشہور تھے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مقدموں کا بہترین فیصلہ کرنے والے مشہور تھے۔ مگر یہ حضرات رعب اور دھاک کے آدمی نہیں تھے، اسی وجہ سے تمام اسلامی کام چھپ چھپ کر ادا کیے جاتے تھے اور اسلام اس سال تک گویا پوشیدہ راز تھا، یہ دونوں بزرگ چوں کہ جری، شجاع اور بارعب تھے، ان دونوں حضرات نے خصوصاً حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس چھپا لکی کو ایک دم اُٹھا دیا۔ خیال یہ ہے کہ اس ہی توقع کی بنا پر حضور ﷺ نے دعا بھی فرمائی تھی کہ اے اللہ! عمر بن خطاب یا عمرو بن ہشام (ابوجہل) کے ذریعہ سے اسلام کو قوت عطا فرما اور یہی امید تھی جس نے مسلمانوں کو اس درجہ خوش کر دیا کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے پر بے اختیار

نعرۂ تکبیر اس قدر زور سے بلند کیا کہ مکّہ کی گلیاں گونج اُٹھیں۔ چنانچہ خیالات کے موافق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عمل بھی کیا۔

سوال: اسلام کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا پہلا کارنامہ کیا ہے؟

جواب: فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ جب اسلام سے مُشرّف ہو چکے تو عرض کیا: یارسول اللہ! اگر ہم حق پر ہیں تو اس چھپا لکی کی کوئی وجہ نہیں اور پھر مسلمانوں کو ساتھ لیا اور حرم میں جا کر ایک خدا کی عبادت بجالائے۔

سوال: کفار نے اس دلیری کو کس نگاہ سے دیکھا؟

جواب: دن بہ دن اسلام کی ترقی نے ان کو سہما دیا، اپنے دن انھیں نظر آنے لگے۔ فوری طور پر تو اس دلیری کا جواب مار پیٹ سے دیا، لیکن پھر پوری طاقت سے مسلمانوں کو فنا کر دینے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

سوال: مسلمانوں کو مٹا دینے کی کیا شکل نکالی؟

جواب: یہ انتظام تو پہلے ہی سے تھا کہ کوئی شخص حضور ﷺ تک پہنچ نہ سکے۔ راستوں پر آدمی بٹھا دیئے جاتے تھے، تا کہ آنے جانے والوں کو پہلے ہی روک لیا جائے اور طرح طرح کی جھوٹی تہمتوں سے اس کے کان بھر دیئے جائیں تا کہ اس کے دل میں حضور ﷺ سے (معاذ اللہ) نفرت بیٹھ جائے اور وہ اس طرف کا خیال بھی نہ کرے، مگر اب حضور ﷺ کو (نصیب دشمناں) شہید کر دینے کے منصوبے ہونے لگے۔ مگر خطرہ صرف یہ تھا کہ حضور ﷺ کے خاندان کے آدمی خون کا بدلہ لینے کے لیے کھڑے ہو جائیں گے اور لڑائی چھڑ جائے گی تو اب یہ کوشش ہونے لگی کہ حضور ﷺ کے حمایتیوں کو حضور ﷺ سے چُھڑا دیا جائے۔

چنانچہ حضور ﷺ کا مقاطعہ (بائیکاٹ) کر دیا گیا اور آپ کے خاندان کے جو لوگ مسلمان نہیں ہوئے تھے، مگر آپ کے حمایتی تھے ان سے مطالبہ کیا گیا کہ

(خاکم بدہن) حضور ﷺ کو ہمارے سپرد کر دو تا کہ ہم شہید کر ڈالیں، اگر ایسا نہ کرو گے تو تمہارا بھی کھانا پینا بند یعنی مقاطعہ کر دیا جائے گا۔

سوال: مقاطعہ کی کیا شکل ہوئی اور حضور ﷺ کے ساتھیوں نے حضور ﷺ کا ساتھ چھوڑا یا نہیں؟

جواب: مسلمان تو کیا جو کافر آپ کے حمایتی تھے انہوں نے بھی حمایت نہیں چھوڑی۔ اس پر اُن سب کو مکّہ مکرمہ کے اس مقام پر ڈال دیا گیا جو شعبِ ابی طالب کے نام سے مشہور تھا اور عام طور سے بندش لگا دی گئی کہ نہ کوئی شخص ملاقات کر سکے، نہ کھانے پینے یا اور کسی قسم کی ضرورت کی کوئی چیز حضور ﷺ تک پہنچا سکے اور اس کے متعلق کافروں کے بڑے بڑے سرداروں نے ایک معاہدہ لکھ کر خانہ کعبہ میں رکھ دیا۔

سوال: یہ مقاطعہ کب شروع ہوا؟

جواب: نبوت سے ساتویں برس، مُحرّم کے مہینہ میں۔

سوال: اس مقاطعہ یا محاصرہ یا نظر بندی کے زمانہ میں مسلمانوں پر کیسی گزری؟

جواب: دانہ پانی کا پہنچنا بند تھا۔ بھوک سے بچے بلبلاتے تھے۔ وہ کافر جو خاص رشتہ دار تھے ان کی آوازیں سنتے، مگر رشتہ داروں کے خون سفید ہو گئے تھے، یا تو رحم ہی نہ آتا تھا یا معاہدہ کی پابندی نے دلوں سے رحم نکال دیا تھا۔ درختوں کے پتے اور گھاس کی جڑیں کھا کر زندگی بسر کی جاتی تھی۔

سوال: سب صحابی محاصرہ میں رہے یا محاصرہ کے علاوہ کوئی اور حکم بھی تھا؟

جواب: حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہجرت کی اجازت بھی دے دی تھی، چنانچہ مسلمانوں نے دوبارہ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔

خلاصہ

نبوت سے پانچویں سال میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اوران کے تین روز بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسلام میں داخل ہو گئے، یہ دونوں حضرات دھاک کے آدمی تھے، مسلمانوں نے پہاڑ کی کھائی سے نکل کر بیت اللہ میں عبادت ادا کی۔ کفار نے اسلام کی بیخ کنی کا پوری قوت سے تہیہ کرلیا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کا مقاطعہ کردیا گیا۔ مکّہ کے قریب شعبِ ابی طالب میں ان کو ڈال دیا گیا۔ بلا لحاظِ مذہب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حمایتیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا۔ درختوں کے پتے اور گھاس کی جڑیں کھا کر بسر کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشہ کی طرف ہجرت کی بھی اجازت دے دی تھی۔

دوبارہ ہجرتِ حبشہ
اور مقاطعہ یا حصار کے باقی حالات

سوال: حبشہ کی طرف دوسری مرتبہ ہجرت کب ہوئی، اس کا نام کیا ہے، اس میں کتنے آدمی شریک تھے؟

جواب: یہ واقعہ نبوت سے ساتویں سال پیش آیا، یہی سال مقاطعہ کے شروع کا ہے۔ اس ہجرت کو ہجرتِ حبشہ ثانیہ کہتے ہیں۔ اور اس میں ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتیں شریک تھیں۔ اور ان کے علاوہ یمن کے کچھ آدمی یعنی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی قوم کے آدمی بھی ان کے ساتھ مل گئے تھے۔

سوال: یہ حصار کتنے عرصہ باقی رہا اور کون سے سال ختم ہوا؟

جواب: تین برس تک برابر رہا اور نبوت کے دسویں سال اس کا خاتمہ ہوا جب عمر شریف ۵۰ سال تھی۔

سوال: اس مقاطعہ یا حصار کا کس طرح خاتمہ ہوا؟

جواب: کفارِ قریش نے جب دیکھا کہ ان کی انتہائی سختی بے اثر رہی، اسلام کے پیروں

میں بیڑیاں نہیں ڈال سکے، خدا کی آواز کو روک نہ سکے۔ مسلمانوں کی مظلومیت عام طور سے ظاہر ہونے لگی اور خطرہ ہوا کہ عام عرب والوں کے دل میں ہماری طرف سے اگر نفرت بیٹھ گئی تو اسلام کی ترقی ہوگی، ہماری عزت اور عظمت جاتی رہے گی۔ تو خود قریش ہی کے کچھ کافروں نے اس مقاطعہ کی مخالفت میں آواز اُٹھانی شروع کردی۔ اتفاق سے اس عرصہ میں اس عہد نامہ کے حرفوں کو بھی دیمک نے کھالیا تھا جو مقاطعہ کرنے کے وقت لکھا گیا تھا۔ بالآخر نبوت سے دسویں سال اس ناجائز قید، حبسِ بیجا کا خاتمہ ہوا۔

سوال: اس سال کا حضور ﷺ نے کیا نام رکھا؟

جواب: ''عام الحزن''، یعنی غم کا سال۔

سوال: اس سال کو غم کا سال کیوں کہا گیا؟

جواب: اس وجہ سے کہ حضور ﷺ کی ہمدرد اور جان نثار، عمر بھر کی ساتھی، غم خوار زوجہ یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات اس ہی عرصہ میں ہوگئی جنھوں نے اپنی تمام راحت اور چین اور تمام ثروت اور دولت اسلام پر قربان کردی تھی اور ہر مصیبت میں نہایت غم خواری اور دردمندی سے حضور ﷺ کا ساتھ دیا کرتی تھیں، اور اسی سال حضور ﷺ کے چچا ابو طالب کا بھی انتقال ہوگیا۔ وہ اگرچہ کافر ہی مرے، مگر اس میں شک نہیں کہ حضور ﷺ کی حمایت میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ مقاطعہ کے زمانہ میں تین برس برابر حضور ﷺ کے ساتھ ہی رہے اور چونکہ کفار ان کا خیال کرتے تھے اس وجہ سے اکثر لوگ حضور ﷺ کو کھلے بندوں ستانے میں آزادی سے کام نہیں لیتے تھے۔ کسی درجہ لحاظ بھی کرلیا کرتے تھے۔

سوال: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات پہلے ہوئی یا ابو طالب کی اور ان دونوں کی وفات

میں کتنے دنوں کا فاصلہ تھا؟

جواب: حضور ﷺ کے چچا کی وفات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات سے تین دن پہلے ہوئی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تین دن بعد۔

سوال: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کون سے مہینہ میں ہوئی اور وہ کہاں دفن ہوئیں اور حصار سے رہائی کے بعد یہ واقعہ ہوا یا پہلے؟

جواب: رمضان شریف میں اور مقام حجون میں دفن ہوئیں اور یہ واقعہ رہائی سے کچھ عرصہ بعد ہوا۔

سوال: کافروں کی تکلیفوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور ﷺ کی کس طرح دل داری کی گئی اور کیا کیا انعام حضور ﷺ پر نازل ہوئے؟

جواب: یہی زمانہ ہے جس میں معراج کی دولت حضور ﷺ کو عنایت فرمائی گئی۔ یہ دولت ہے کہ کائنات عالم میں نہ کسی کو اس وقت تک عنایت کی گئی تھی نہ آئندہ کی جائے گی۔

معراج ہی کے سلسلہ میں حضور ﷺ کو تمام انبیاء کا امام بنایا گیا اور جسمانی طور پر جسدِ اطہر کے ساتھ حضور ﷺ کی رسائی ان مقامات پر ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ روحانی طور پر بھی اس درجہ تک نہیں پہنچ سکے گا۔

حضور ﷺ کی معراج شریف سے پہلے دنیا محض سنا کرتی تھی کہ دوزخ اور جنّت ہے اور آخرت کے معاملات برحق ہیں۔ کسی نے نہ دوزخ کو دیکھا تھا نہ جنّت کو، نہ آخرت کے عذاب یا ثواب کو۔ حضور ﷺ کو دوزخ اور جنّت کی سیر کرا کے اور آخرت کے عذاب اور ثواب کا نظارہ دکھا کر ایک چشم دید شاہد[1] دنیا کو عطا کیا گیا۔

اسی سلسلہ میں حضور ﷺ کے تمام نام لیواؤں پر اللہ کا سلام نازل ہوا اور پانچ

---

[1] اپنی آنکھ سے دیکھنے والا سچّا گواہ۔

وقت کی نمازیں عنایت فرمائی گئیں جو مومن کیلئے معراج قرار دی گئیں اور بتایا گیا کہ اس مختصر سی عبادت میں بندہ احکم الحاکمین جل مجدہٗ سے خطاب کرتا ہے۔

سوال: ابوطالب مسلمان کیوں نہیں ہوئے؟

جواب: ناک کٹ جانے اور برادری اور قوم کے طعن کا خوف انسان کو ہزاروں نعمتوں سے محروم کر دیتا ہے، نزع کے وقت بھی جب حضور ﷺ نے کلمۂ طیّبہ پڑھنے کے لیے فرمایا تو باوجودیکہ ابوطالب اس کی سچّائی پہچانتے تھے، مگر یہی جواب دیا کہ برادری کے آدمی طعنہ دیں گے کہ اتنا بوڑھا آدمی اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ کر اپنے پالے ہوئے بچے کے دین میں داخل ہوگیا۔ جو لوگ رسم دنیا کی پابندی فرض سمجھتے ہیں وہ ابوطالب کے واقعہ کو یاد رکھیں اور غور کریں کہ برادری کا خوف کس طرح جنّت کی نعمتوں سے محروم کر دیتا ہے۔

سوال: ابوطالب نے کتنی عمر میں وفات پائی اور حضور ﷺ سے کتنے بڑے تھے؟

جواب: ابوطالب حضور ﷺ سے ۳۵ برس بڑے تھے۔ اس حساب سے ۸۵ برس کی عمر میں وفات پائی۔

سوال: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی وفات کے وقت کتنے بچے چھوڑے؟

جواب: چار صاحبزادیاں اور پہلے شوہر سے ایک صاحبزادے جن کا نام ''ہند'' تھا۔

سوال: لڑکیوں میں سے کس کس کی شادی ہو چکی تھی؟

جواب: حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی۔ باقی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کنواری تھیں۔

سوال: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضور ﷺ نے دونوں صاحبزادیوں کی دیکھ بھال اور پرورش کا کیا انتظام کیا؟

جواب: کچھ عرصہ تک تو آپ خود ہی خیال رکھتے تھے، مگر چوں کہ اسلام کی تبلیغ میں حرج

ہوتا تھا۔ ایک طرف خدا کا یہ حکم کہ خداوندی احکام کو بے دھڑک ڈنکے کی چوٹ پر لوگوں کو سناتے رہو۔ دوسری طرف کافروں کی بڑھتی ہوئی دشمنی سے یہ خطرہ کہ موقع پاکر بال بچوں کو اپنی دشمنی کا شکار نہ بنالیں۔ لہٰذا حضور ﷺ نے ایک بیوہ عورت سے نکاح کرلیا۔ جن کا محترم نام حضرت سودہ تھا۔

سوال: ابوطالب کی وفات کے بعد قریش نے حضور ﷺ کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟

جواب: قریش کے لیے تھوڑی بہت جو کچھ رکاوٹ تھی ابوطالب کی وفات سے وہ بھی اُٹھ گئی اور اب کھلے بندوں حضور ﷺ کو اذیتیں پہنچانے میں بالکل آزاد ہو گئے۔

سوال: حضور ﷺ نے تبلیغ کی کیا شکل اختیار کی؟

جواب: مکّہ کے لوگوں پر جب کوئی اثر نہ پایا تو حضور ﷺ نے خیال کیا کہ ممکن ہے قریب کی کسی دوسری آبادی میں کچھ اثر ہو تو آپ طائف تشریف لے گئے اور وہاں کے لوگوں کو سمجھانا شروع کیا، مگر اُن کم بختوں نے مکّہ والوں سے بھی زیادہ تکلیفیں دیں۔ ایک دن بدمعاشوں کو اشارہ کردیا جو جھولیوں میں پتھر بھر کر بازار میں دونوں طرف کھڑے ہو گئے۔ حضور ﷺ جس طرف جاتے حضور ﷺ پر پتھر برساتے، بدن مبارک خون میں نہا گیا تھا۔ جوتیاں خون سے بھر گئیں تھیں۔ بار بار سر چکراتا اور اللہ کا سب سے پیارا نبی زمین پر بیٹھ جاتا، مگر وہ دونوں بازو پکڑ کر کھڑا کر دیتے اور پھر اس طرح گستاخیاں کرتے۔ آپ مجبور ہو کر مکّہ واپس تشریف لے آئے۔

سوال: اس سفر میں حضور ﷺ کے ساتھ کون تھے اور کتنی مدت حضور ﷺ نے طائف میں قیام کیا؟

جواب: حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے ساتھ تھے اور ایک ماہ حضور ﷺ نے طائف میں قیام کیا۔

سوال: اس بلا پر اللہ کا ظاہری احسان کیا ہوا؟

جواب: واپسی پر جب حضور ﷺ ''نخلہ'' مقام پر صبح کی نماز پڑھ رہے تھے جنات نے قرآن شریف سنا اور وہ ایمان لے آئے اور پہاڑوں کے نگہبان فرشتہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر حکم ہو تو ان تمام گستاخوں کو دو پہاڑوں کے بیچ میں لا کر خدا کے حکم سے سب کو تباہ کر دیا جائے۔ مگر حضور ﷺ کا جواب یہ تھا: ''ایسا ہرگز نہ کرنا، اگر وہ مسلمان نہیں ہوئے تو ممکن ہے کہ اُن کی نسل میں کوئی ایمان لے آئے۔'' مگر خدا نے قریب قریب ان ہی سب لوگوں کو ایمان کی توفیق عنایت فرمائی۔

خلاصہ

نبوت سے ساتویں سال میں تقریباً سو آدمی دوبارہ ہجرت کر کے حبشہ گئے، ان میں ۸۳ مکّہ کے تھے اور بہت سے یمن کے، اس سال محرّم کے مہینہ سے حضور ﷺ کا پنچائتی مقاطعہ شروع ہو گیا جو برابر تین سال تک رہا۔ اور حضور ﷺ اور آپ کے حمایتیوں نے ہزاروں قسم کی مصیبتیں اور بھوک اور پیاس کی ہزاروں پریشانیاں جھیلیں۔ بچے بھوک سے بلبلاتے تھے اور بڑے درختوں کے پتے اور جڑیں کھا کر بسر کرتے۔ حضور ﷺ کی عمر جب پچاس سال کی تھی تو تین سال کے بعد یہ حصار یا مقاطعہ ختم ہوا۔ مگر رہائی سے تھوڑے ہی دن بعد ابوطالب اور پھر تین دن بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوگئی۔ اس وجہ سے حضور ﷺ نے اس سال کا نام غم کا سال رکھا۔

اسی حصار کے زمانہ میں حضور ﷺ کو معراج عطا کی گئی۔ ابوطالب نے ۸۵ برس کی عمر میں وفات پائی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے چار لڑکیاں اور ایک لڑکا ''ہند'' جو پہلے شوہر سے تھا اپنے پیچھے چھوڑے۔

لڑکیوں میں سے دو کی شادی ہو چکی تھی، باقی دو کی نگرانی اور خدمت کے خیال سے حضور ﷺ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے شادی کر لی جو ایک بیوہ مسلمان عورت تھیں۔ اس کے بعد حضور ﷺ تبلیغ کے لیے طائف تشریف لے گئے، مگر وہاں بہت سی مصیبتیں حضور ﷺ کو برداشت کرنی پڑیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

نذر

گدائے بے درماں ''محمد میاں'' ایسی حالت میں کہ بیچارگی اپنی حد پر ہے اور علمی فرومائیگی کے ساتھ کتابی بے سروسامانی اپنی انتہا پر سیرتِ قدسیہ، حیاتِ نبویہ کے متعلق ایک ناچیز ہدیہ ''ببارگاہ عرش جاہ، رفعت پناہ، سریر آرائے منصۂ لولاک، نزہۃ فرمائے عرش بریں و اوج افلاک، سرورِ کائنات، فخرِ موجودات، شاہِ کون و مکاں، آقاءِ دو جہان، محبوبِ احسن الخالقین، حضرت ختم المرسلین، رحمۃ للعالمین'' (فداہ روحی و ابی و اُمّی ﷺ) پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہے۔

ذرۂ بے مقدار اور رونمائی آفتاب عالم تاب، یقیناً گستاخانہ جسارت ہے، مگر رحمتِ کاملہ کے بحرِ بے پایاں کی جناب میں بہزار احترام مؤدبانہ عرض ہے:

بداں راہ بہ نیکاں بہ بخشد کریم

اور پھر استدعا ہے:

آنا نکہ خاک را بنظر کیمیا کنند　　آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِماً اَبَداً　　عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمٖ

اعتذار

اور ناظرین کرام سے عرض معروض

(۱)

قارئینِ کرام! سیرت قدسیہ کا پہلا حصّہ پیش کرنے کے وقت بھی عدمِ فرصت، کثرتِ مشاغل، تشتتِ حالات، تفرقِ خیالات کی شکایت تھی، سخت افسوس ہے کہ آج جب کہ بتوفیق ایزدی دوسرا حصّہ پیش کیا جارہا ہے تو وہ شکایتیں کم نہیں، بلکہ کتابی بے سروسامانی کا اضافہ بھی ان میں منسلک ہوگیا جو کچھ اس وقت پیش کیا جارہا ہے، وہ یا تو متفرق مگر غیر کافی پس انداختہ یادداشتوں کا اندوختہ ہے یا صرف ایک عربی کتاب ''زادالمعاد'' کا اقتباس کردہ مادہ۔ دورِ حاضر میں یہ مجبوری اور تاخیر میں وعدہ خلافی، یہ ضرور ہے کہ جو کچھ حیطۂ تحریر میں لایا گیا وہ صحاحِ ستہ، مشکوۃ شریف، جمع الفوائد، سرور المحزون (حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ) دروس التاریخ الاسلامی، شمائلِ ترمذی، مبسوط مصنّفہ حضرت شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ، بدائع الصنائع (کتاب الجہاد)، درّ مختار وغیرہ وغیرہ معتمد کتابوں سے یقینی اخذ کردہ ہے اور جس میں کسی قسم کا کوئی شبہ بھی ہوا اس کو ساقط کردیا گیا، مگر افسوس یہ ہے کہ جدید جلا پیدا نہ کرسکا کیونکہ حالاتِ حاضرہ میں وہ کتابیں نہ اَحقر کے پاس موجود تھیں اور نہ کچھ عرصہ تک سامنے آسکتی ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی فروگذاشت ہو تو جملہ ناظرین کرام سے بہ صدادب اصلاح کی استدعا ہے۔

(۲)

ایک ضرورت کا علم اور اظہار

نوجوانانِ ملک کے حالات کا صحیح تجربہ کرتے ہوئے اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ عموماً باشندگان ہند کی نوجوان ذہنیت صداقت کی طالب ہے اور تحقیق کی خواہاں، دورِ انقلاب میں تعجب نہیں ایک کیساتھ چند انقلاب پیدا ہوجائیں، مگر جس چیز کا اظہار کرتے ہوئے نہایت رنج اور افسوس پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ عموماً نوجوانانِ اسلام بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات تک سے ناواقف ہیں۔

جب تبلیغ و اشاعت کی کوتاہی مسلم نوجوانوں کی واقفیت سے بھی کوتاہ ہے تو اگر غیر مسلم نوجوان سوال کریں کہ آپ کس کے پیرو ہیں، ان کے حالات کیا تھے، ان کی تعلیم کیا تھی، عقائد کیا تھے؟ تو کوئی تعجب نہیں۔

خلف، سلف کے طرز و طریق کا آئینہ ہونے چاہئیں، مگر یہاں معاملہ دن اور رات، اجالے اور اندھیرے کے مقابلہ کا ہے۔ مسلمانوں کے اخلاقِ حاضرہ میں جاذبیت کا نام نہیں، کشش کا پتہ نہیں۔ ہاں! وہ نفرت انگیزی کے ضرور ٹھیکہ دار ہیں۔ ایسی حالت میں ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ جس طرح موجودہ کتاب عام اور سادہ زبان میں بچوں اور مستورات کے لیے سوال و جواب کی شکل میں لکھی گئی ہے اسی طرح ایک دوسری کتاب سوال و جواب سے سادہ کر کے ایسی زبان میں لکھی جائے کہ جس کو ہر قوم کا چھوٹا بڑا بہ آسانی سمجھ سکے، صرف اردو جاننا شرط ہو اور اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اردو خط کے ساتھ دوسرے صفحہ پر یا کسی اور صورت سے ناگری خط بھی ہو تاکہ دیگر اقوام کے افراد بھی بہ آسانی پڑھ سکیں۔ کیا مسلمانانِ ہند اس کے متعلق غور فرمانے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے اور کیا اپنے مفید مشورہ سے ہمیں استفادہ کا موقع عنایت کریں گے؟

(۳)

حضور ﷺ کی مبارک زندگی پیش کرنے کے بعد قدرتاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی تعلیم کیا تھی، عقائد کیا تھے، کیا چیز لے کر دنیا کے سامنے آئے اور کیا سکھا گئے؟ اس کے متعلق اس ہی طرز پر (جس کا کسی قدر اندازہ آپ تیسرے حصّہ سے لگا سکتے ہیں) ایک مختصر رسالہ کا خیال ہے۔ اَللّٰھُمَّ وَفِّقْ.

کیا مسلمانانِ ہند حاضر حصوں کی قدر فرما کر حوصلہ افزائی فرمائیں گے اور آئندہ ارادہ کو استحکام عطا کریں گے؟

بِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ

کتبہ
محمد میاں عفی عنہ

تمہید

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ.
نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ.

حق و باطل کی جنگ

صدائے حق اور اس پر حملوں کے مراتب
جہاد کے مختلف منازل اور تبلیغ کے مدارج

حضور رسالت پناہ رحمت عالمین ﷺ کی مکّی زندگی کے خاتمہ پر جب کہ مدنی زندگی کا افتتاح ہو رہا ہے تو غیر مناسب نہ ہوگا اگر حق و باطل کی جنگ پر ایک سرسری نظر ڈال کر انقلاباتِ اُمم کے مختلف اَدوار اور اَحوال کے لیے کوئی سبق حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

اس موقع پر یہ صفائی سے کہہ دینا ضروری ہے کہ تحریر ہذا کا تعلّق محض غور و فکر سے ہے، اتباع سے نہیں، ہاں! یہ ضرور ہے کہ رسولُ اللہ ﷺ کی پاک زندگی اور حیات طاہرہ میں تدبر اور تعمّق ہی اعلیٰ اتباع ہے اور کامیابی۔ یہ ایک بے نقاب حقیقت ہے کہ جب باطل کی حقیقت کو واشگاف کرنے کے لیے کوئی صدائے صادق بلند ہوتی ہے تو باطل کا ٹڈی دل لشکر اوّل چاہتا ہے کہ اس کو اس کے مَخرج ہی میں گھونٹ دے۔ دورِ حاضر کی اصطلاح میں اس کے لیے دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ کیا جاتا ہے۔ لیکن صادق صدا ایک خودرو درخت سے بھی زیادہ اپنے اندر بالیدگی رکھتی ہے، صداقت پسند قلوب سے اس کا اُبلنا چشموں کے فواروں سے بہت زیادہ تیز ہوتا ہے۔ اس کا قدم ایسی دفعات کے حصار میں محصور نہیں ہوسکتا۔ اس کی روک تھام کے لیے پچھلے طرز کو باقی رکھتے ہوئے باطل دوسرا پینترا بدلتا ہے اور وہ یہ کہ اس کے منبع اور مخرج کو گندا ثابت کرے، اس کے

متعلق برے خیالات پھیلائے اور بدگمانیوں کا میلا لگا دے، لیکن صداقت ابتدا میں تیز وتند آندھی یا موسلا دھار بارش نہیں ہوتی، بلکہ وہ آفتاب کی ہلکی کرن ہوتی ہے جس کی قوت بخش ''درخشاں تپش'' باطل کی کمبلی کو اپنے ہاتھ سے نہیں اُتارتی، بلکہ باطل پوش کو مجبور کر دیتی ہے کہ وہ اس کو گراں سمجھنے لگے۔ اور اگر کچھ بھی احساس اس میں ہے تو خود سے اتار پھینک دے۔

صدائے صداقت کی یہ خاموش طاقت جب باطل کے اس پینترے سے بھی ہارتی نہیں اور نیچے نیچے جڑ پکڑنے لگتی ہے تو تیسرا قدم تعذیب اور سزا دہی کا ہوتا ہے، جس کی ابتدا مار پیٹ اور آئین کے ماتحت قید و بند سے ہوتی ہے، لیکن صداقت کی جفاکشی اور سخت جانی اس کو کھیل سمجھنے لگتی ہے تو باطل ایک اور قدم بڑھاتا ہے اور اب وہ قادرِ مطلق کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اور داور وخود مختار بن کر صداقت کیشوں کے حقوقِ رہائش سلب کرنے لگتا ہے۔ ایک طرف ان کو دائمُ الحبس یا جلاوطن کر دیتا ہے تو دوسری طرف ان کی جائیدادیں ضبط، گھر بار تباہ و برباد کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اگر صداقت کو بے حیا کیا تو گناہ ہوگا، لیکن یہ ضرور ہے کہ وہ بہت ہی سخت جان ہے، وہ پتھر کی چٹان سے بھی سخت ہے، لوہا پگھل جاتا ہے، مگر صداقت سزا کی آگ میں، تکالیف اور مصائب کی بھٹی میں اور پختہ ہوتی ہے، وہ نکھر نکھر کر بے غل وغش ہوتی ہے، وہ اس کا کھوٹ جب جاتا رہتا ہے تو اب اور رونق افزوں ہو جاتی ہے، وہ باطل کی ستم ایجادیوں پر ایک قہقہہ لگا کر اپنی پاکیزگی کا یقین کر لیتی ہے، اس کا استحکام پہلے کی نسبت زیادہ ہو جاتا ہے۔ ہاں! یہ ضرور ہوتا ہے کہ بھیڑ چھٹ کر خلاصہ رہ جاتا ہے، نمائش کافور ہو جاتی ہے، مغز بقا اختیار کر لیتا ہے۔

اب باطل بھنا جاتا ہے، وہ اپنی طاقت کو کُند دیکھ کر آگ بگولہ ہو جاتا ہے، اس کے قہر کے بادپا گھوڑے آتش پا ہو جاتے ہیں، وہ جھنجھلاتا ہوا اپنی جبروتی طاقت کی چمک دکھانے کے لیے میان سے تلوار سُونت لیتا ہے اور صداقت کے سر پر گرج کر اس کی بربادی

کا بیڑہ اُٹھاتا ہے۔ وہ ایک خون نہیں صد ہا خون، مگر معصوم خون کے لیے تُل جاتا ہے، وہ خیال نہیں کرتا کہ اس شَدّہ لہواور پاک خون کا سرخ داغ اس کے دامن پر باقی رہے گا، وہ کہتا ہے: ''جو کچھ ہو، سو ہو مجھے اپنی بقا چاہیے، نیک نامی میرے لیے مفید نہیں۔ مُردہ دوزخ میں جائے یا جنّت میں، میری بقا اس ہی میں ہے جو میں کر رہا ہوں۔''

لیکن اب صداقت کی جبیں پر بھی بَل آتا ہے، وہ بھی تیز نگاہ سے گھورنا شروع کر دیتی ہے، مگر باطل کے شعلہ بار جوش کو دیکھ کر راستہ سے ہٹ جاتی ہے اور پھر اس کے مقابلہ کی پوری طرح طاقت پیدا کرتی ہے۔ یہ آخری منزل کی ابتدا ہوتی ہے جسکی ابتدا جنگ ''قتل و قتال'' اور ''جہاد'' ہوتی ہے۔ صداقت کی گنتی ابتدا میں بہت کم ہوتی ہے، مگر سرفروش، جان برکف۔ باطل کی چمک دمک زیادہ ہوتی ہے، مگر حقیقت کم، وہ کف سمندر ہوتی ہے۔ اب مقابلہ آن پڑتا ہے تو صداقت کیش جماعت موت کو اپنی تمنّا بنا کر میدان میں نکلتی ہے، لیکن موت بگڑے ہوئے معشوق کی طرح ان سے روٹھ کر رقیبوں اور صداقت کے دشمنوں سے معانقہ کرتی ہے اور اہلِ حق جماعت فراق کی مستی میں سلامت واپس آجاتی ہے۔

اس آخری منزل کا نتیجہ صداقت کی کھلی فتح ہوتی ہے اور اس کی بیّن کامیابی، لیکن ابتدا میں وہ صرف مقابلہ کرنے والوں پر جبروتی شعاعوں کا اظہار کرتی ہے، لیکن اس میں کامیاب ہونے کے بعد بلند آواز سے اعلان کرتی ہے۔ باطل اس لیے نہیں کہ باقی رہے، وہ مٹنے کے لیے ہے، اس کو فنا کیا جائے گا جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا. (سورۂ بنی اسرائیل:۸۱) دنیا آئندہ اُس کی صورت نہ دیکھے گی۔ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ. (سورۂ سبا:۴۹)

اس وقت ''حق'' للکارتا ہے کہ صداقت دبنے کے لیے دنیا میں نہیں آئی، وہ بلند ہوگی، اس کا جھنڈا بلند ہوگا اور تمام باطل جھنڈے سرنگوں۔ الحق يَعْلُوْ وَلَا يُعْلٰى عَلَيْهِ.

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ○

(آل عمران:۱۳۹)

''مسلمانو! ڈرومت، غم مت کرو، تم ہی اونچے رہوگے، شرط یہ ہے کہ سچے مسلمان رہو۔''

اس مقصد کی تکمیل کے لیے صداقت اپنا قدم آگے بڑھاتی ہے اور عدل وانصاف، رحم وکرم کو جِلَو میں لیے ہوئے تمام باطل قوتوں کو، تمام ظالم شوکتوں کو جنگ کا الٹی میٹم دیتی ہے۔ یہ ہے ''جارحانہ جہاد۔''

اس کا دعویٰ ہوتا ہے اور سچّا دعویٰ ہوتا ہے کہ جب باطل کے لیے باطل نے انسانی خون کو زمین پر بہایا تو کیا وجہ ہے کہ صادق بزدلی اختیار کرے۔ وہ باطل کے خون کو بہنے والا پانی کیوں نہ بنادے تاکہ اللہ کی زمین اس کی گندگی سے پاک اور صاف ہوجائے۔

زمین کے بنانے والے کا ارشادگرامی ہے:

اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصَّالِحُوْنَ. (سورۂ انبیاء:۱۰۵)

''نیک بندے ہی میری زمین کے صحیح اور جائز وارث ہیں۔''

وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَھُمْ اَئِمَّةً وَّ نَجْعَلَھُمُ الْوَارِثِیْنَ O (سورۂ قصص:۵)

''ہمارا خیال یہ ہے کہ ہم ان کمزوروں پر احسان کریں جن کو زمین کی سطح پر ذلت کی ٹھوکریں لگائی جارہی تھیں، ہم ان کو امام اور امیر بنادیں اور ان ہی کو زمین کا وارث کردیں۔''

الحاصل! مذکورہ بالاتحریر کا مفاد یہ ہے کہ حق وباطل کی جنگ کے سات مرتبے ہوئے:

(۱) (الف) حق کی زبان بندی۔ (ب) حق کی طرف سے غلط خیالات کا پھیلانا، بدنام کرنا۔ (ج) اس کی آواز کو دوسروں تک نہ پہنچنے دینا، یعنی مجمعوں میں غل غپاڑہ کرنا، ان کو منتشر کرنا ان کو ناجائز قرار دینا۔

(۲) (الف) قیدوبند۔ (ب) زدوکوب، لاٹھی چارج۔

(۳) جلاوطنی، جائیداد ضبط

(۴) قتل۔

(۵) اہل حق کو جوابی جنگ اور تشدّد سے مدافعت کی اجازت۔
(۶) لڑنے والوں سے لڑنے کا حکم۔
(۷) عام طور سے باطل طاقتوں کو اعلان جنگ۔
ورطۂ تاریخ میں شناور حضرات انصاف سے فرمائیں کہ دنیا کا کوئی سچّا انقلاب بھی ان مراتب سے خصوصاً آخری مراتب سے خالی رہا ہے؟
اچھا! آؤ اب رسولُ اللہ ﷺ کی مقدس زندگی کے مطالعہ سے دوبارہ شرف حاصل کریں۔ [۱]

(۱)

مکان کی دعوت میں تبلیغ کے موقعہ پر ابولہب کی ڈانٹ ارے کمبخت! کیا تو نے ہمیں اسی واسطے جمع کیا تھا (معاذ اللہ)۔ پہاڑی والی تقریر کے بعد کفار کا نرغہ وغیرہ وغیرہ	(الف) یعنی حق کی زبان بندی
کفار کا پروپیگنڈا کہ حضور ﷺ کی بات مت سنو، وہ کذّاب ہیں وغیرہ وغیرہ جس کے ایک دو واقعات حصّہ اوّل میں گزرے۔	(ب) یعنی حق کی طرف سے غلط خیالات پھیلانا
حضور ﷺ کے قراءتِ قرآن اور وعظ کے وقت غل غپاڑہ جس کا ذکر قرآن پاک میں ہے: لَا تَسۡمَعُوۡا لِهٰذَا الۡقُرۡاٰنِ وَالۡغَوۡا فِيۡهِ لَعَلَّكُمۡ تَغۡلِبُوۡنَ ۝ (سورۂ حمٓ السجدہ:۲۶)۔ پھر مسلمانوں کو مارنا پیٹنا خود حضور ﷺ کے ساتھ توہین اور گستاخیاں کرنا وغیرہ وغیرہ۔	(ج) یعنی مجمعوں میں غل غپاڑہ کرنا، ان کو منتشر کرنا، ان کو ناجائز قرار دینا

[۱] یہاں سے مصنّف رحمہ اللہ وہ واقعات ذکر کر رہے ہیں جن میں یہ صورتیں پیش آئی ہیں اور آخر میں ہر صورت کی نشاندہی بھی کی ہے۔

(۲)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو کھجور کی صف میں لپیٹ کر باندھ دینا، نیچے سے دھواں دینا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مع دیگر حمایتیوں کے محصور کرنا وغیرہ وغیرہ۔	(الف) یعنی قید و بند
حضرت بلال، حضرت عمار رضی اللہ عنہما جیسے صحابہ کو مارنا پیٹنا، حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ خاتون جنّت مائی سُمیّہ رضی اللہ عنہا کو ابو جہل کا شرمناک طرح پر شہید کر دینا۔	(ب) یعنی زدوکوب لاٹھی چارج

(۳)

شعبِ ابی طالب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا محصور کیا جانا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ہجرت کر کے حبشہ جانا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا مدینہ جانا۔ انکی جائیدادوں پر کفار کا قبضہ کرنا۔	جلاوطنی، جائیداد ضبط فرق اتنا ہے کہ حکماً نہیں نکالا، مگر نکلنے پر مجبور کر دینا عملاً جلاوطنی ہے، حکماً نہ سہی

(۴)

شب ہجرت سے پہلے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دارُالندوہ میں قتل کا مشورہ ہونا، اس کے لیے آمادگی۔	یعنی قتل

تنبیہ: اب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی حکم تھا کہ مشرکین سے اعراض کرو، ان کو معاف کرو۔ ان سے ایسی طرح سے مباحثہ کرو جو بہت ہی بہتر ہو، پھر خداوندی ارشاد کا نازل ہونا کہ

(۵)

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا. (سورۂ حج:۳۹) جنگ لڑنے والوں کو اجازت دی جاتی ہے اس وجہ سے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے۔	یعنی جوابی جنگ کی اجازت

(۶)

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ. (سورۂ بقرہ:۱۹۰) جو تم سے لڑتے ہیں تم بھی ان سے لڑو اللہ کے راستے میں۔	یعنی لڑنے والوں سے لڑنے کا حکم

(۷)

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَآفَّةً. (سورۂ توبہ:۳۶) جو خدائے وحدۂ لاشریک کے شریک مانتے ہیں، جو ظلم وستم، کذب اور بطلان کی جڑ ہے، ان سے تم جہاد کرو جیسا وہ تم سے جنگ کرتے ہیں۔ وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّينُ لِلّٰهِ. (سورۂ بقرہ:۱۹۳) ان سے جہاد کرو یہاں تک کہ فتنہ وفساد مٹ جائے اور ایک اللہ کے قوانین نافذ ہونے لگیں۔ ظلم وستم جبر وقہر کی قہرمانی فنا ہوجائے۔	عام طور سے باطل طاقتوں کو اعلان جنگ

کاتبِ حروف کا خیال تھا کہ یہ خیالات اس ہی کے ذاتی اختراع ہیں، یہی سمجھتے ہوئے مضمون مرتب کر کے ایک مرتبہ اس کو ربیع الاوّل ۱۳۵۱ھ کے غالباً دوسرے جمعہ کو دہلی کی جامع مسجد میں بیان بھی کر چکا تھا، مگر الحمد للہ ثم الحمد للہ غالباً اسی سفر کی واپسی میں ''مبسوط سرخسی'' کی دسویں جلد میں اسکی طرف اشارات پائے اور پھر علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی ''زادالمعاد'' میں اس سے مزید تفصیل پائی۔ اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو ہم ان

عبارتوں کو درج کرتے، اب صرف حوالہ پیش کیا جاتا ہے کہ اگر تردّد ہو رفع کر لیا جائے۔
(مبسوط للسرخسی ۲/۱۰،۳۔ زاد المعاد:۳/۳-۱۰)

مسلمانوں کے لیے سیاسی سبق:

مکمّل شخص کی زندگی مکمّل ہوتی ہے اور مکمّلوں کے سردار کی مقدس حیات تو اور بھی اکمل ہوگی۔ فرق صرف اَنظار واَبصار کا ہے یا قلّتِ جستجو اور کوتاہیِ تتبع کا قصور، جس طرح آج بحمد للہ ہر ایک مسلمان ہر ایک رات میں حضور ﷺ کی مقدس زندگی سے سبق حاصل کرسکتا ہے۔ اسی طرح سیاسی ماحول کی ہر ایک حالت ہر ایک فضا میں بھی حیاتِ نبویہ اور سیرت طاہرہ کی روشنی اس کے راستہ کی تاریکیوں کو اُجالے سے بدل سکتی ہے۔ چنانچہ:

(۱) اگر وہ محکوم ہے، تنہا بے بس و ناچار اور کفار کے نرغہ میں جکڑ بند ہے	تو مکّی زندگی سے سبق حاصل کرے جس میں ارشاد ہے: ان کی تکالیف کے جواب میں بہترین معافی سے کام لیجیے، ان کی گستاخیوں سے اعراض فرمایئے، ان سے بہترین طرز سے مجادلہ اور مباحثہ کیجیے اور حکمت اور موعظہ حسنہ سے ان کو دین کی دعوت دیجیے[۱]۔ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ لڑنا تلوار سے کام لینا اس زمانہ میں ممنوع تھا[۲]۔

[۱] (۱) قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ۝ (سورۂ حجر:۸۵) (۲) وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ (سورۂ انعام:۱۰۶) (۳) اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (سورۂ نحل:۱۰٦) أو راجع الى المبسوط: ج ۱۰، ص٦ إن أردت مزيد طمانية.

[۲] زاد المعاد:۳/۳ فیہ و کان ای قتال المشرکین محرما.

(۲) اگر کوئی جمعیّت رکھتا ہے مگر نا کافی اور بے پناہ، نہ قلعہ ہے نہ محصولات کی آمدنی نہ کوئی سامان	تو حضور ﷺ کی مدینہ کی ابتدائی زندگی سے سبق حاصل کرلے جو بدر سے پہلے تھی، جس میں ایک طرف یہودیوں سے دوسری جانب بنی حمزہ وغیرہ کے مشرکین سے معاہدہ فرمایا اور دشمن کی طاقت کو اس کی شامی تجارت بند کر کے کمزور کیا۔
(۳) اگر اس کی جمعیّت مدافعت کی قوت پا چکی ہے مگر اقدام کی نہیں	تو بدر کے بعد والی زندگی سے سبق حاصل کرلے۔
(۴) اگر اسکی جمعیّت اقدام کی طاقت بھی رکھتی ہے	تو فتح مکّہ اور اس کے بعد کی زندگی سے سبق حاصل کرے ۔

اے کہ بر تختِ سیادت زِاَزل جاداری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

تبلیغ کے مدارِج

اس موقع پر اگر تبلیغ کے مدارج پر کسی قدر روشنی ڈال دی جائے تو بہتر معلوم ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شوکت وصداقت کی ترقی اور باطل کی قوت آزمائی کے ساتھ تبلیغ کا دائرہ بھی وسیع ہو جاتا ہے۔

چنانچہ تبلیغ کا پہلا مرتبہ:

(۱) اپنی ذات کو تبلیغ یعنی دینِ حق کا تعلّم وتدبر اور ذاتی آمادگی وتیاری

(۲) خاص رشتہ داروں کو تبلیغ

(۳) اپنی قوم کو تبلیغ

(۴) آس پاس کے عرب کو تبلیغ

(۵) پورے عرب کو تبلیغ

(۶) تمام عالم کو تبلیغ

هذا والسلام

من نہ گویم کہ طاعتم بپذیر　　قلم عفو برگنا ہم کش

کتبہ

محمد میاں عفی عنہٗ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ.
اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّنَا وَرَبِّ الۡخَلۡقِ. وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الَّذِیۡ خَلَقَ لَہُ الۡخَلۡقَ

حصّہ دوم

مدینہ طیّبہ میں اسلام

سوال: مدینہ طیّبہ میں اسلام کا سلسلہ کس طرح شروع ہوا؟

جواب: حج وغیرہ[1] کے موقعوں پر تمام عرب کے آدمی مکّہ مکرمہ آیا کرتے تھے۔ حضور ﷺ ان کے سامنے تبلیغ فرمایا کرتے تھے، مگر وہ یہ کہہ کر مذاق اڑاتے کہ پہلے اپنی قوم کو تو مسلمان بنالو۔[2] نبوت کے دسویں سال خدا کی رحمت نے حج کے بڑے مجمع میں سے چند مدینے والوں کے دل حضور ﷺ کی تبلیغ کی طرف متوجہ کردیئے۔ حضور ﷺ کے دردآمیز، مشفقانہ وعظ نے ان کے دلوں میں جگہ کرلی اور نسیم رحمت نے ان میں سے دو کو حضور ﷺ کا متوالا بنادیا۔

سوال: ہر چیز کا کوئی ظاہری سبب ہوا کرتا ہے، اس سال مدینہ والوں کی توجہ کا کوئی ظاہری سبب ہو تو بتاؤ۔

جواب: (۱) باہمی جھگڑے اور اندرونی تباہی بھی ایک تقاضا پیدا کررہی تھی کہ کسی کامیابی کے راستہ کو تلاش کریں۔

(۲) یہودی قوم جو مدینہ میں رہتی تھی وہ اپنی مذہبی کتابوں کے بموجب یہ خبر دیا کرتی تھی کہ جلد ہی نبی آخرالزماں پیدا ہوں گے اور پھر ہم ان کی پیروی کرکے سب پر غالب ہوجائیں گے۔ انصاری حضرات نے جب آپ میں پوری پوری

---

[1] مثلاً سوق عکاظ، مجنہ، ذی المجاز وغیرہ۔ (زاد المعاد: ۳/۳۲)

[2] زاد المعاد میں تقریباً ۱۵ نام شمار کیے ہیں کہ ان کے سامنے حضور ﷺ نے خود کو اور اپنی دعوت کو پیش کیا، مگر ساتھ ہی ابولہب کی یہ شرارت ہوتی تھی کہ وہ پیچھے لگا ہوا یہ کہتا رہتا تھا کہ معاذ اللہ دین سے پھر گیا ہے، اس کی بات مت سنو۔ چنانچہ وہ یہی جواب دیتے تھے کہ پہلے اپنی قوم کو سنبھالو۔ (زاد المعاد: ۳/۳۲)

سچّائی پائی تو یقین کرلیا کہ یہ وہی نبی ہیں اور کوشش کی کہ اس دولت کو سب سے پہلے حاصل کر کے یہودیوں پر پالا جیت لیں۔

سوال: ان دو آدمیوں کے کیا نام تھے؟

جواب: (۱) اسعد بن زرارہ[۱] (۲) ذکوان بن عبد قیس۔ رضی اللہ عنہما

سوال: یہ آدمی کس قبیلے کے تھے؟

جواب: قبیلۂ اوس کے۔

سوال: ان دونوں بزرگوں نے مسلمان ہو کر کیا کیا؟

جواب: جو ہر مسلمان کا فرض ہے اس کو پوری طرح ادا کیا، یعنی شرم لحاظ، رشتہ ناتہ، جان کا خوف یا مال کا خطرہ؛ غرض تمام چیزوں سے بے پرواہ ہو کر اسلام کی تبلیغ بڑے زور سے کی اور تمام مصیبتوں کو مردانہ وار برداشت کیا۔[۲]

سوال: ان کی کوششوں کا نتیجہ کیا ہوا اور اس کا پہلا ظہور کیا تھا؟

جواب: ایک سال نہ گزرنے پایا تھا کہ سچّائی کی روشنی نے دلوں میں اُجالا پیدا کرنا شروع کر دیا۔ خدا کی رحمت تھی اور ان دونوں بزرگوں کی کوشش کہ اگلے سال پھر اسی موقعہ پر مدینہ کے آدمی حاضر ہوئے اور ان میں سے چھ یا آٹھ نفوس کھلّم کھلا مسلمان ہو گئے۔

---

[۱] لیکن عموماً اس بیعت کا ذکر نہیں آتا بلکہ پہلی بیعت وہی ہے جس کا ذکر آگے آرہا ہے اور ان ہی چھ آدمیوں میں حضرت اسعد بن زرارہ کا تذکرہ بھی ہے اور ذکوان بن قیس کو تیسری بیعت میں شامل کیا ہے۔ نیز یہ کہ یہ مسلمان ہو کر مکّہ مکرمہ ہی رہ گئے، پھر سب کے ساتھ ہجرت کی، چنانچہ انکو انصاری مہاجر کہا جاتا ہے۔ واللہ اعلم! (زادالمعاد: ۳/۳۳)

[۲] غور کرو! مدینہ کی اور اسکے آس پاس تمام قبیلوں، قصبات اور دیہات کی زمین کفر سے سیاہ ہوئی پڑی ہے، جس میں ہزاروں اژدھے لاکھوں شیر اور بھیڑیئے کافر آدمیوں کی شکل میں رینگ رہے ہیں، اس صورت میں کفر کے برخلاف تبلیغ کرنا کس قدر مشکل ہے، مگر یہ دو آدمی ہدایت کا نہ بجھ سکنے والا چراغ لے کر جاتے ہیں۔ مصیبتوں کی ان گنت آندھیاں اُن کو بجھانا چاہتی ہیں، مگر کیا مجال ہے کہ خدا کے پاک بندے ٹس سے مس بھی ہو لیں۔

سوال: مسلمان ہونے والے حضرات کی کوششوں کا اگلے سال کیا نتیجہ ظاہر ہوا؟

جواب: تیسرے سال مدینہ کے بارہ آدمیوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کا شرف حاصل کیا۔[۱]

سوال: بیعت کے کیا معنی ہیں؟

جواب: عہد کرنا، اور اصلی معنی ہیں بیچ دینا۔ گویا بیعت کرنے والا اپنے آپ کو اس کے ہاتھ بیچ دیتا ہے جس سے بیعت کرتا ہے۔

سوال: اس بیعت کا کیا نام ہے اور کیوں؟

جواب: اس بیعت کو بیعت عقبہ اولیٰ[۲] کہتے ہیں۔ بیعت کے معنی معلوم ہو چکے۔ عقبہ کے معنی پہاڑ کی گھاٹی اور اولیٰ کا ترجمہ پہلی۔ چوں کہ ایک خاص گھاٹی کے پاس سب سے پہلی بیعت یہی ہوئی تھی اس وجہ سے اس کا نام بیعت عقبہ اولیٰ رکھا گیا۔

سوال: یہ بارہ آدمی کون کون سے قبیلے کے تھے؟ تفصیل وار بیان کرو۔

جواب: دس قبیلۂ اوس کے اور دو قبیلۂ خزرج کے۔

سوال: اس بیعت میں کن چیزوں پر عہد لیا گیا تھا؟

جواب: (۱) خوشی ہو یا رنج، تنگ دستی ہو یا فراخی؛ ہر صورت میں حضور ﷺ کے ارشاد کی تعمیل کریں گے۔

(۲) اچھی باتوں کی تبلیغ کریں گے، بری باتوں سے روکیں گے۔

(۳) خداوندی دین کے بارے میں کسی شخص کی رنجش، برائی یا ملامت کا کوئی خیال نہ کریں گے۔

---

[۱] یہ ایک عجیب بات ہے کہ یہ سب حضرات تھوڑی عمر ہی کے تھے، بوڑھے نہ تھے۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ تو ان کو دیکھ کر مطمئن نہ ہوئے تھے کہ مدینہ کے پرانے آدمی نہیں۔ مگر خدا بوڑھوں کی بہ نسبت جوانی والوں میں جلد روشنی پیدا کرتا ہے۔ (ماخوذ از زاد المعاد: ۳/۳۴) [۲] یعنی گھاٹی کے پاس کی پہلی بیعت۔

(۴) جس طرح اپنی عورتوں، بچوں اور اپنی جانوں کی حفاظت کرتے ہیں، اسی طرح جب حضور ﷺ مدینہ تشریف لائیں گے تو حضور ﷺ کی حفاظت کرینگے۔

سوال: حضور ﷺ کی طرف سے ان تمام مصیبتوں کا کیا بدلہ مقرر کیا گیا؟

جواب: جنّت۔

سوال: ان حضرات کی تعلیم کے لیے کن کن کو بھیجا گیا تھا؟

جواب: حضرت ابن اُمّ مکتوم رضی اللہ عنہ اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو۔

سوال: مدینہ آنے والوں کی ترتیب بیان کرو۔

جواب: اوّل یہ دو حضرات، پھر حضرت عمار، حضرت بلال اور حضرت سعد رضی اللہ عنہم، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیس آدمیوں کے ساتھ، پھر سرورِ کائنات ﷺ۔[1]

سوال: نئے اور پرانے مسلمانوں کی تبلیغ کا چوتھے سال کیا نتیجہ ہوا؟

جواب: مدینہ والوں کی ایک بڑی جماعت جن کی تعداد ۷۳ تھی، اسی موقع پر حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئی اور اسلام قبول کرلیا۔

سوال: اس واقعہ کا نام کیا ہے اور کیوں؟

جواب: ''بیعت عقبہ ثانیہ'' کیونکہ ایک خاص گھاٹی کے پاس یہ دوسری بیعت تھی، ثانیہ کے معنی دوسری۔

سوال: یہ بیعت نبوت سے کون سے سال ہوئی؟

جواب: تیرھویں سال۔

سوال: اس بیعت میں کن کن باتوں پر عہد ہوا؟

جواب: شرک، چوری، زنا سے بچیں گے اور قتلِ اولاد کے مرتکب نہ ہونگے اور رسولُ اللہ ﷺ

---

[1] زاد المعاد: ۴۴/۳

جو کچھ فرمادیں گے اس سے منہ نہ موڑیں گے۔[1] اور اپنی عورتوں اور بچوں کی طرح سرورِ کائنات ﷺ اور ان کے ساتھیوں کی حفاظت کریں گے۔

خلاصہ

حضور ﷺ حج جیسے مجمعوں میں تبلیغ فرمایا کرتے تھے۔ نبوت کے دسویں سال مدینہ طیّبہ کے دو آدمی اسی تبلیغ کے سلسلہ میں مسلمان ہوگئے۔ گیارھویں سال چھ یا آٹھ اور بارھویں سال ۱۴ آدمی مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اس کا نام بیعت عقبہ اولیٰ ہوا۔ اور پھر نبوت سے تیرھویں سال یعنی چوتھی مرتبہ ۷۳ آدمیوں نے بیعت کی جس کا نام بیعت عقبہ ثانیہ ہوا۔

وطن سے جدائی

مکّہ سے ہجرت اور مدینہ کی طرف روانگی

سوال: رسولُ اللہ ﷺ نے مکّہ معظّمہ سے کیوں ہجرت فرمائی؟

جواب: کیونکہ تین سال کے تجربہ نے بتادیا تھا کہ مکّہ معظّمہ میں رہتے ہوئے تبلیغ اسلام میں کامیابی مشکل ہے اور ترقیٔ اسلام کی صرف یہی صورت ہے کہ مکّہ سے ہجرت کی جائے۔[2]

---

[1] خوشی ہو یا رنج، تنگ دستی ہو یا فراخی؛ ہر صورت میں حضور ﷺ کے ارشاد کی تعمیل کریں گے، اچھی باتوں کی تبلیغ کریں گے، بری باتوں سے روکیں گے۔ (زادالمعاد: ۳/۳۴)

[2] گزشتہ واقعات سے معلوم ہوگیا تھا کہ کفارِ مکّہ کے سخت اور سیاہ دل، نبوت کی دھیمی اور سہانی روشنی سے اس وقت تک سیاہی اور سختی دور نہ کرسکیں گے جب تک اس کے ساتھ جلالی کرنوں کی بوچھاڑ بھی نہ ہو اور اس طرف مدینہ طیّبہ میں نبوت کے نور سے دن دگنی رات چوگنی جگمگاہٹ پیدا ہورہی تھی۔ مدینہ کے ہر ہر گھر میں اسلام کا چرچا ہوگیا تھا اور پروانوں کی طرح ہر ایک کی دلی تمنّا ہوگئی تھی کہ نورِ نبوت کا آفتاب ہماری بستی میں آجائے۔ عقبہ کی دونوں بیعتوں میں وفاداری اور جاں نثاری کا پورا پورا معاہدہ ہوچکا تھا اور توقع ہوگئی تھی کہ اس ہجرت کے بعد اسلام اپنی جلالی اور قہری شان بھی دکھا سکے گا۔ گویا ترقیٔ اسلام کا صرف یہی راستہ رہ گیا تھا، لامحالہ اس ہی کو اختیار کیا گیا۔

سوال: مکّہ سے روانگی اور سفر کی کیفیت مختصر طور پر بیان کرو۔

جواب: خداوندی حکم کے مطابق حضور ﷺ نے اوّل صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو پوشیدہ طور سے روانگی کا حکم دیا۔ ایک ایک دو دو کر کے سب حضرات ہجرت کر گئے، صرف رسول اللہ ﷺ، حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما اور وہ کمزور لوگ جو ہجرت کرنے سے معذور تھے مکّہ میں رہ گئے۔

کفارِ مکّہ کو جب اس کا علم ہوا تو فوراً دارالندوہ (کمیٹی گھر) یعنی اس مقام میں جہاں بڑے بڑے معاملات پر مشورہ ہوتا تھا، مکّہ کے بڑے بڑے سرداروں کا جلسہ ہوا۔ ابوجہل کی تجویز کے مطابق رائے ہوئی کہ آج شب کو ہی حضور ﷺ کو شہید کر کے اسلام کا قصّہ ختم کر دیا جائے، طے یہ ہوا کہ ہر ہر قبیلہ کا ایک ایک شخص اپنے پورے قبیلہ کی طرف سے اس ہنگامہ میں شریک ہو، تاکہ پھر کسی قبیلہ کو اعتراض کا یا بدلہ لینے کا موقع نہ رہے۔ خداوندِ عالم نے حضور ﷺ کو اُن کے مشورہ کی اطلاع فرمادی۔ خداوند عالم کے ارشاد کے بہ موجب حضور ﷺ نے اسی شب کو ہجرت کا ارادہ فرمالیا۔ صدیقِ اکبر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے ساتھ چلنے کے شوق میں ٹھیرے ہوئے تھے اور پہلے سے راستہ بتانے والے شخص اور دو سانڈنیوں کا انتظام کر چکے تھے۔

رات کی اندھیری کے ساتھ ساتھ کافر نوجوانوں کے دستے بھی حریمِ نبوت کے چاروں طرف چھپ کر بیٹھ گئے کہ آخری رات کی خاموشی میں رسالت کی آواز کو ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا جائے۔ اسی اندھیری کے درمیانی حصّہ میں جب حضور ﷺ نے دولت کدہ سے نکلنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حکم فرمایا کہ چادر اوڑھ کر حضور ﷺ کے بستر پر لیٹ جائیں تاکہ گھر میں نہ ہونے کا کسی کو پتہ نہ چل سکے۔

اسلام کی فدا کاری کا بہترین نمونہ ہے کہ کم سن نوجوان[1] جو دنیا کی زندگی کا بہت کچھ آرزومند ہوسکتا ہے اور جس کا سینہ ہزاروں اُمنگوں کا گہوارہ بنا ہوا ہوتا ہے وہ اپنے روحانی آقا کے حکم پر بے دھڑک اس بستر پر لیٹ جاتا ہے، جس کے متعلق یقین تھا کہ صبح ہونے سے پہلے ایک مذبح بن جائے گا جورات کی بے دردی پر خون کے سرخ آنسو بہا رہا ہوگا۔

بہر حال حضور ﷺ دروازہ پر تشریف لائے۔ کفار نے وہاں بھی جمگھٹا کر رکھا تھا۔ حضور ﷺ نے سورۂ یٰسین شریف کی تلاوت شروع فرمائی اور فَاَغْشَیْنَاهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ (آیت:۹) کئی مرتبہ دہرایا۔

خداوند عالم نے انکی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ چنانچہ حضور ﷺ انکی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہوئے باہر تشریف لے آئے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور راستہ بتانے والے کے ہمراہ مدینہ کے راستہ پر روانہ ہوگئے۔ کچھ آگے چل کر ثَور پہاڑ کے ایک غار میں قیام فرمایا۔

قریش کے ان غافل نوجوانوں اور بوڑھے مُدَبّروں کو جب اپنی شکست کا پتہ چلا تو بہت پریشان ہوئے اور چاروں طرف دوڑنا شروع کیا، اعلان کیا گیا کہ جو شخص حضور ﷺ (روحی فداہ) کو پکڑ کر لائے اس کو سو اونٹ انعام دیئے جائیں گے۔ ایک جماعت نشانِ قدم پر اندازہ لگاتی ہوئی غار کے منہ پر جا پہنچی، اگر وہ ذرا جھکتے تو یقیناً حضور ﷺ کو دیکھ لیتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے پیروں کو غار کے اندر سے دیکھ رہے تھے اور اس خیال سے گھبرا رہے تھے کہ ان میں سے کوئی حضور ﷺ کو دیکھ کر تکلیف پہنچائے۔ حضور ﷺ نے ان کو تسکین دیتے ہوئے فرمایا: لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ''گھبراؤ نہیں، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔'' خدا کی قدرت ایک مکڑی نے غار کے منہ پر جالا تن دیا اور فوراً کے فوراً ایک کبوتر نے گھونسلا بنالیا تھا۔ جس سے دیکھنے والوں کو حضور ﷺ کے موجود ہونے کا وہم بھی نہ ہوا۔ لطیفہ یہ ہے کہ تلاش کرنے والوں میں سب سے زیادہ چست و چالاک ''امیہ بن خلف'' تھا، وہی بولا کہ ''چلو! یہاں نہیں ہوسکتے۔''

[1] یعنی حضرت علی کرّم اللہ وجہہ

سوال: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غار میں کتنے روز قیام فرمایا؟

جواب: تین دن۔

سوال: غار سے روانگی کس طرح ہوئی؟

جواب: تیسرے دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا آزاد کردہ غلام ''عامر بن فہیرہ'' دونوں اونٹنیاں لے کر پہنچا اور یہ حضرات مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ راستہ میں بہت سے مُعجزات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہر ہوئے جو بڑی کتابوں میں بیان کیے گئے ہیں۔

سوال: غار سے روانگی کی کیا تاریخ تھی اور کونسا دن؟

جواب: ۴ ربیع الاوّل، پیر کا دن۔[1]

سوال: حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کو چھوڑنے میں اور کیا مصلحت تھی؟

جواب: مکّہ مکرمہ کے کفار اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے، مگر اس قدر اطمینان اور بھروسہ بھی تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی امانتیں رکھاتے تھے، ان امانتوں کو پہنچانے کے لیے بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو وہاں چھوڑ دیا تھا۔

سوال: حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کب حاضر ہوئے اور کہاں؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہنچنے سے تین دن بعد مقام ''قبا'' میں۔

سوال: جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم غار میں ٹھہرے رہے اس وقت تک آپ کے پاس خبریں پہنچنے اور کھانے پینے کا کیا انتظام رہا؟

جواب: صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بڑے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ رات کو خفیہ طور سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوتے اور دن بھر کی تمام خبریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کر صبح سے پہلے مکّہ واپس پہنچ جاتے تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا رات کو کھانا پہنچاتی تھیں۔

---

[1] زاد المعاد: ۱/۶۳

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ راستہ بتانے والے کون تھے؟

جواب: عبداللہ بن اُرَیقیط جن کو اسی کام کے لیے اُجرت دے کر ساتھ لیا تھا۔

سوال: اس سفر میں کل کتنے آدمی تھے؟

جواب: چار یعنی چوتھے عامر بن فہیرہ، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے غلام۔

سوال: راستہ میں کھانے پینے کا کیا انتظام ہوا؟

جواب: کسی جگہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دودھ وغیرہ خرید کر ناشتہ کا انتظام کیا اور بعض جگہ معجزات کے ذریعہ خداوندِ عالم نے اپنے خاص بندوں کا انتظام فرمایا۔[1]

سوال: اس سفر میں کتنے روز صرف ہوئے؟

جواب: مشہور قول کے بموجب چار دن۔

سوال: کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے پہلے کسی اور جگہ بھی قیام فرمایا؟

جواب: مقام ''قبا'' میں۔

سوال: ''قبا'' مقام کہاں ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کس کے ہاں قیام فرمایا؟

جواب: ''قبا'' مدینہ سے اوپر کی طرف ایک بستی ہے اور مشہور یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوعمرو بن عوف کے قبیلہ میں قیام فرمایا۔[2]

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قبا میں داخلہ کا دن اور تاریخ کیا تھی؟

جواب: علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ ۱۲ / ربیع الاوّل پیر کا دن۔[3] موسیٰ خوارزمی کا

---

[1] مثلاً جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُمّ معبد کے خیمہ پر پہنچے تو وہاں کچھ سامان نہ تھا۔ خود اُمّ معبد ہی فاقہ سے تھیں۔ شوہر باہر گئے ہوئے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا، اُمّ معبد نے معذرت کی کہ میں اپنے معزز مہمانوں کی خدمت نہیں کر سکتی۔ البتہ خیمہ حاضر ہے، آرام فرمائیے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں لیٹے تو کنارہ پر ایک دبلی پتلی بکری نظر پڑی، معلوم ہوا کہ اس کا دودھ بھی خشک ہو گیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے دودھ دوہا، سوکھی بکری نے اتنا دودھ دیا کہ سب سیر ہو گئے اور ایک بھرا ہوا دَوْنا اُمّ معبد کے شوہر کے لیے بچا لیا گیا۔ [2] زاد المعاد: ۳/۴۰ [3] زاد المعاد: ۱/۶۵

قول ہے کہ ۸ ربیع الاوّل جمعرات کا دن اور فارسی ماہ ''تیر'' کی چوتھی تاریخ اور رومی ماہ ''ایلول'' ۹۳۳ اسکندری کی دسویں تاریخ۔

سوال: مقامِ قبا میں حضور ﷺ نے کتنے روز قیام فرمایا؟

جواب: روایتیں مختلف ہیں:[۱] ۳ یا ۴ یا ۵ یا ۱۴ یا ۲۲ روز۔[۲]

سوال: قبا میں حضور ﷺ نے کیا کیا؟

جواب: ایک مسجد تعمیر کی جس میں شاہ دو جہاں بھی دوسرے لوگوں کی طرح پتھر اور مٹی ڈھو رہے تھے۔ وہاں حضور ﷺ نے ساتھیوں کو نماز پڑھائی، تقریر فرمائی۔

سوال: اس سے پہلے بھی حضور ﷺ نے کوئی مسجد تعمیر کی؟

جواب: نہیں، یہ مسجد حضور ﷺ کے دست مبارک کی سب سے پہلی مسجد تھی[۳] اور یہ تقریر آزاد اسلامی جلسہ میں سب سے پہلی تقریر۔

سوال: قبا میں حضور ﷺ نے کس جگہ قیام فرمایا؟

جواب: وادیٔ بنی سالم کے درمیانی حصّہ میں۔

سوال: مدینہ طیّبہ میں حضور ﷺ کون سی تاریخ کو داخل ہوئے؟

جواب: ۲۷ ربیع الاوّل[۴] کو، باقی اس بارہ میں مختلف قول ہیں۔ البتہ یہ بات عام طور سے مشہور ہے کہ ربیع الاوّل ہی میں مکّہ سے حضور ﷺ روانہ ہوئے اور ربیع الاوّل ہی میں مدینہ طیّبہ میں داخل ہوئے، مفصّل اختلافات بڑی کتابوں میں درج ہیں۔

---

[۱] لیکن پیر کے روز اگر حضور ﷺ قبا تشریف لے گئے تو چار روز کی روایت صحیح معلوم ہوتی ہے جیسا کہ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ پیر، منگل، بدھ، جمعرات حضور ﷺ نے قبا میں قیام فرمایا۔ (زاد المعاد: ۳/۴۳) اور اگر جمعرات کے روز تشریف لے گئے تو ۱۴ یا ۲۲ کی، کیونکہ یہ قریب قریب مسلّم ہے کہ حضور ﷺ جمعہ کے روز مدینہ میں داخل ہوئے، راستہ ہی میں بنو سالم کی مسجد میں نماز جمعہ پڑھی۔ واللہ اعلم!

[۲] زاد المعاد: ۱/ ۶۵ [۳] دروس التاریخ الاسلامی۔ زاد المعاد: ۱/ ۶۵

[۴] بموجب قول علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، ملاحظہ ہو، زاد المعاد: ۱/ ۶۵

سوال: مدینہ طیّبہ میں تشریف لانے کا کونسا دن تھا؟

جواب: جمعہ۔

سوال: حضور ﷺ نے جمعہ کی نماز کہاں پڑھی اور حضور ﷺ کے ساتھ اس وقت کتنے آدمی تھے؟

جواب: بنی سالم کی مسجد میں، اور حضور ﷺ کے ساتھ سو آدمی تھے۔[1]

سوال: مدینہ پہنچ کر حضور ﷺ نے کس کے مکان پر قیام فرمایا اور کتنی مدت؟

جواب: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر حضور ﷺ نے ایک ماہ قیام فرمایا اور بعض روایتوں میں چھ اور سات ماہ بھی آتا ہے۔[2]

سوال: اس جگہ قیام فرمانے کی کیا شکل ہوئی؟

جواب: مدینہ طیّبہ میں جب مقدس آفتاب داخل ہوا تو ہر ایک شخص کی آرزو تھی کہ ہمارا گھر اسکا مقام بن جائے۔ چنانچہ اصرار ہونے لگا اور حضور ﷺ کی اونٹنی کی مہار پر کھینچا تانی ہونے لگی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: چھوڑ دو، جہاں یہ بیٹھ جائے گی وہاں میں ٹھہروں گا، ایسا ہی حکم ہے۔ وہ اتفاق سے بنو نجار قبیلہ میں ٹھہری جہاں حضور ﷺ کی ننھیال بھی تھی۔ آپ ان ہی لوگوں میں سے حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے ہاں مقیم ہوگئے۔

سوال: اونٹنی کے بیٹھنے کی جگہ خاص کونسی تھی؟

جواب: جہاں حضور ﷺ کی مسجد ہے۔

سوال: یہ کس کی زمین تھی اور حضور ﷺ نے کیسے لی اور کس طرح اور کس چیز کی مسجد بنائی؟

جواب: قبیلۂ بنو نجّار ہی کے دو یتیم لڑکے تھے: سہل اور سہیل، ان کی یہ زمین تھی۔ ان

[1] زادالمعاد: ۱/ ۶۵ [2] زادالمعاد: ۱/ ۶۵

دونوں کی یہ خواہش تھی کہ حضور ﷺ مفت لے لیں۔ مگر حضور ﷺ نے قیمت لینے پر ان کو مجبور فرمایا جو دس دینار طے ہوئے اور پھر مسجد قبا کی طرح سب نے مل کر یہ مسجد بھی بنائی اور اُس کے ایک جانب اپنی بیویوں کے لیے مکان بنائے، یہ تمام تعمیر کچی اینٹوں اور کھجور کے پتوں کی تھی۔[1]

سوال: سب سے پہلا شخص کون ہے جس نے مکّہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی؟
جواب: حضرت ابوسلمہ بن عبدالاشہل مخزومی یا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہما۔[2]

سوال: مدینہ کی کونسی مسجد ہے جس میں سب سے پہلے قرآن شریف پڑھا گیا؟
جواب: بنوزریق کی مسجد۔[3]

سوال: سنہ ہجری کس کو کہتے ہیں؟
جواب: جس سال حضور ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے اسی سال سے ایک تاریخ کی ابتدا ڈالی گئی۔ اس کو سنہِ ہجری کہتے ہیں۔

سوال: یہ ابتدا کیا حضور ﷺ نے خود سے ڈالی تھی یا حضور ﷺ کے بعد کسی اور نے؟
جواب: حضور ﷺ کے زمانہ میں اس سنہ کی ابتدا نہیں ڈالی گئی، بلکہ خلیفۂ دوم فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں اس سنہ کی ابتدا ڈالی گئی، مگر اس کا شروع ہجرت کے سال سے مانا گیا۔

سوال: اس سے پہلے سنوں کا حساب کس طرح کیا کرتے تھے؟
جواب: عرب کا طریقہ تھا کہ کسی بڑے واقعہ سے سنہ کا شروع مان لیا کرتے تھے اور آخر میں اصحابِ فیل کے واقعہ سے ابتدا مانی جاتی تھی (جس کا ذکر پہلے گزرا)۔

سوال: سنہِ ہجری کی پہلی تاریخ اور پہلا مہینہ کون سا ہوتا ہے؟
جواب: یکم محرم الحرام سنہِ ہجری کا پہلا دن ہوتا ہے اور محرم کا مہینہ پہلا مہینہ۔

---

[1] زادالمعاد: ۱/ ۶۵ [2] زادالمعاد: ۱/ ۶۳ [3] زادالمعاد: ۱/ ۶۲

خلاصہ

جب اس بات کا پوری طرح اندازہ ہو گیا کہ مکّہ میں رہتے ہوئے تبلیغِ اسلام میں کامیابی مشکل ہے اور دشمنوں کی طرف سے قتل کی تیاریاں ہونے لگیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی، اوّل خفیہ طور پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے ہجرت کی اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر فرمایا۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کو امانتیں پہنچانے اور دوسری مصلحتوں کی غرض سے مکّہ میں چھوڑ دیا تھا جو تین روز بعد قبا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے، مکّہ معظّمہ سے نکل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم غارِ ثور میں تین دن پوشیدہ رہے، پھر وہاں سے روانہ ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبا میں پہنچے، تین آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ قبا میں کچھ قیام فرمایا، ایک مسجد تعمیر کی، جلسہ اور تقریر ہوئی، نماز باجماعت ادا کی گئی، پھر قبا سے مدینہ طیّبہ تشریف لائے، یہاں اوّل اوّل حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر قیام فرمایا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ہجرت کے سال سے آغاز مان کر ایک سنہ کی ابتدا ڈالی گئی جس کو ''سنۂ ہجری'' کہتے ہیں۔ یکم محرم الحرام سے یہ سنہ شروع ہوتا ہے۔

مدینہ طیّبہ

اہلِ مدینہ، ان کی جاں نثاری اور مدینہ کی مختلف جماعتیں

سوال: مدینہ کہاں ہے اور مکّہ سے کتنی دور اور اس کا پہلا نام کیا تھا؟

جواب: ملکِ عرب میں مکّہ سے شمال کی طرف تقریباً ڈھائی سو میل [۴۰۲.۲۵ کلومیٹر] کے فاصلے پر ایک شہر ہے، جس کو پہلے ''یثرب'' کہتے تھے اور اب ''مدینہ'' کہتے ہیں۔

سوال: مدینہ طیّبہ کے رہنے والوں کے مذہب کیا کیا تھے اور مدینہ میں کون کون سے قبیلے آباد تھے؟

جواب: مدینہ طیّبہ میں دو مذہب کے لوگ رہتے تھے۔

(۱) مشرک (۲) یہودی۔

مشرکوں کے دوخاندان تھے: (۱) اوس (۲) خزرج۔
یہودیوں کے بڑے بڑے قبیلے تین تھے: (۱) بنونضیر (۲) بنوقَینُقاع (۳) بنوقریظہ

سوال: مہاجر کس کو کہتے ہیں اور انصاری کس کو؟

جواب: جولوگ حضور ﷺ کی طرف اپنے وطنوں کو چھوڑ کر مدینہ میں تشریف لائے وہ ''مُہاجر'' کہلاتے ہیں اور مدینہ کے رہنے والے اوس اور خزرج کے جولوگ تھے وہ ''انصاری'' کہلاتے ہیں۔

سوال: مدینہ کے انصاریوں نے حضور ﷺ اور حضور ﷺ کے ساتھیوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا؟

جواب: جیسے پروانے شمع کے ساتھ۔ مطلب یہ ہے کہ خدمت گذاری خیر خواہی اور فدائیگی کی جو جو شکلیں ہوسکتی ہیں وہ انصار نے بخوشی کر دکھائیں۔ رسولُ اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کے سامنے مال، دولت، بیوی اور بچوں، غرض ہر چیز کو، یہاں تک کہ اپنی جانوں کو بھی بھول گئے۔ انکے سامنے اگر کوئی چیز رہ گئی تھی تو وہ خدا، خدا کا رسول اور اس کے ساتھی۔
ایک انصاری کو اس کی بالکل پرواہ نہ تھی کہ اس کے ننھے ننھے بچے بھوکے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی تمنّا یہ ہوتی تھی کہ اس کا مہاجر مہمان شکم سیر ہو جائے۔ وہ بخوشی تکلیف برداشت کرے، لیکن مہاجر بھائی آرام سے رہے۔ وہ جان قربان کرے، مگر مہاجر کا بال بیکا نہ ہو۔

سوال: اوّل اوّل مہاجرین کے ٹھہرنے اور ان کے بسر اوقات کی کیا شکل ہوئی؟

جواب: رسولُ اللہ ﷺ ایک ایک مہاجری ایک ایک انصاری میں بھائی چارہ ''مواخات'' قائم کروا دیا کرتے تھے۔ جس کے بعد وہ آپس میں حقیقی بھائیوں کی طرح بھائی بھائی مانے جاتے تھے اور ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے۔

سوال: جب ایک انصاری اپنی تمام جائیداد وغیرہ مہاجر بھائی کے سپرد کرکے یہ خواہش کرتا تھا کہ مہاجر بھائی آرام سے بیٹھے اور یہ انصاری خود سے محنت کرے اور کمائے تو اس کا مہاجر بھائی کیا کہتا تھا؟

جواب: مہاجر بھائی کہتا: ''آپ کی دولت آپ کو مبارک، مجھے مزدوری یا تجارت کی کوئی سبیل بتادو۔'' اور پھر وہ قوتِ بازو سے کما کر بسر کرتا۔

سوال: وہ ایسا کیوں کرتا؟

جواب: اس لیے کہ اس کی غیرت اس کو گوارا نہ کرتی تھی کہ وہ اپاہج بن کر انصاری بھائی کی دولت پر قبضہ کرے یا اس پر اپنا بار ڈال دے۔

سوال: اس سے کیا سبق ملتا ہے؟

جواب: یہ کہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ قوتِ بازو سے کمائے اور دوسرے پر اپنا بوجھ نہ ڈالے۔

سوال: صحابہ رضی اللہ عنہم نے توکّل کیوں نہ کیا؟

جواب: وہ پورا توکّل کرتے تھے۔ مگر توکّل کا یہ مطلب نہیں کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر باپ دادا کی جائیداد یا لوگوں کی بخشش پر اپاہج بن کر بیٹھ جائیں۔ توکل کے صحیح معنی یہ ہیں کہ اپنی طرف سے پوری پوری کوشش کرنا اور نتیجہ خدا کے سپرد کردینا اور بھروسہ صرف خدا کی مہربانی پر کرنا، نہ اپنی کوشش پر۔

سوال: باہمی بھائی چارے سے ایک دوسرے کے وارث ہونے کا طریقہ کب تک جاری رہا؟

جواب: جب تک رشتہ کی بنا پر میراث تقسیم ہونے کا حکم قرآن پاک میں نازل نہ ہوا[1]

سوال: انصار نے جو کچھ مال جائیداد اس وقت مہاجرین کو دیا تھا، وہ مہاجرین کے پاس

[1] زادالمعاد: ۳/۴۶

ہی رہایا واپس بھی کیا گیا، اور اگر واپس کیا گیا تو کس وقت؟

جواب: خیبر فتح ہونے کے بعد یعنی جب مہاجرین کو خیبر کی جائیداد مل گئی تو واپس کر دیا گیا۔[1]

سوال: اسلام پھیل جانے کے بعد مدینہ میں کتنے فرقے ہو گئے؟

جواب: تین فرقے: (۱) مسلمان (۲) یہودی (۳) منافق۔

سوال: یہودی کن کو کہتے ہیں؟

جواب: یہودی وہ لوگ تھے جو اپنے آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اُمتی کہتے تھے۔ مگر دراصل ان کا تمام دین مٹ چکا تھا۔ تورات میں بہت کچھ گڑبڑ کر لی تھی۔ خودغرضی، نفس پرستی، لالچ وغیرہ وغیرہ بڑی باتیں ان کے رگ وریشہ میں اُتر گئی تھیں۔ سود عام طور سے لیا کرتے تھے۔ مدینہ کی دوسری قوموں کی تمام جائیداد چٹ کر گئے تھے۔

سوال: منافق کون لوگ تھے؟

جواب: مدینہ کے کچھ ذلیل اور مکّار لوگ ایسے بھی تھے جو اپنی اپنی غرض کی خاطر بظاہر مسلمان ہو گئے تھے۔ مگر ان کے دل کفر کی دلدل میں دھنسے ہوئے اور اسلام کی گندہ دشمنی سے سڑے ہوئے تھے، رات دن مسلمانوں کو جڑ سے اُکھاڑ دینے کی فکر میں رہا کرتے تھے۔ ایسے لوگوں کو ''منافق'' کہا جاتا تھا۔

سوال: ان کا سرغنہ کون تھا؟

جواب: عبداللہ بن اُبَیّ بن سَلول۔

سوال: مدینہ کے یہودیوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

جواب: مکّہ کے کافروں کی طرح یہ بھی اسلام اور مسلمانوں کے پیچھے پڑ گئے۔

---

[1] زادالمعاد: ۳/۲۶۰

سوال: اس دشمنی اور بغض کی کیا وجہ تھی؟

جواب: اسلام کی ترقی۔ کیونکہ اس ترقی کے باعث اُن کے وہ ناجائز فائدے اور شرمناک دباؤ اُٹھتے جاتے تھے جو سود وغیرہ کے باعث مدینہ کے غریبوں پر اُن کو حاصل تھے اور جن کے سبب سے وہ گویا مدینہ کے مالک بن بیٹھے تھے۔

سوال: حضور ﷺ نے یہودیوں کا فتنہ دبانے کے لیے فوری صورت کیا اختیار فرمائی؟

جواب: حضور ﷺ نے ایک معاہدہ کرلیا، جس کا حاصل یہ تھا:

(۱) یہود کو مذہبی آزادی ہوگی۔

(۲) یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔

(۳) یہود یا مسلمانوں کو کسی سے لڑائی پیش آئے گی تو ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

(۴) مدینہ پر حملہ ہوا تو دونوں فریق ایک دوسرے کے شریک ہوں گے۔

(۵) کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا بھی اس صلح میں شریک ہوگا۔

(۶) کوئی فریق قریش کو امن نہ دے گا۔

(۷) مسلمانوں کی اگر جنگ ہوگی تو یہودی بھی خرچ میں شامل رہیں گے۔

(۸) مظلوم کی امداد کی جائے گی۔

(۹) اگر کوئی ایسی صورت پیش آجائے جس سے باہمی فساد کا خوف ہو تو اس کا آخری فیصلہ حضور ﷺ کے سپرد ہوگا۔

سوال: کیا یہودیوں نے اس کی پابندی کی؟

جواب: قطعاً نہیں! بلکہ وہ مکّہ کے کافروں اور اسلام کے دوسرے دشمنوں سے برابر سازش

کرتے رہے اور اسلام کے در پے رہے۔ چنانچہ بنوقَینُقاع نے دوسرے سال، بنونضیر نے چوتھے سال اور بنوقریظہ نے پانچویں سال بہت ہی خبیث طریقہ پر بدعہدی کی، تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

سوال: مکّہ کے لوگوں نے اسلام کی مخالفت کے لیے ہجرت کے بعد کیا چالیں چلیں؟

جواب: (۱) اوس اور خزرج کے ان لوگوں کو جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے مقابلہ کے لیے بھڑکایا۔ چنانچہ اُن کے پاس لکھ بھیجا، تم نے محمد کو ٹھہرایا ہے۔ اب لازم ہے کہ اُن کو نکال دو، ورنہ ہم سیدھے مدینہ پہنچیں گے اور تمہارے جوانوں کو قتل کردیں گے، عورتوں کو باندیاں بنائیں گے۔

(۲) بدر کی لڑائی میں جب قریش ہار کر واپس ہوئے تو انہوں نے مدینہ کے یہودیوں کو لکھا کہ تم قلعوں کے مالک ہو، جائیدادوں پر قابض ہو، ''محمد'' سے لڑو، ورنہ ہم تمہاری عورتوں کی پازیبیں تک اتار لیں گے وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ بنونضیر نے بدعہدی کا ارادہ کرلیا (جس کی تفصیل آگے آئے گی)۔

(۳) اندر ہی اندر مدینہ کے منافقوں اور یہودیوں سے سازش شروع کی۔

(۴) مدینہ پر چڑھائیاں شروع کردیں۔

(۵) جب تنہا کامیاب نہ ہوسکے تو تمام عرب کے کافروں اور یہودیوں کو اِکٹھا کرکے مدینہ پر چڑھائی کی۔

(۶) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش کی۔ چنانچہ عمیر نامی مکّہ کا ایک شخص بدر کے بعد اسی ارادہ سے مدینہ طیّبہ آیا۔[۱]

---

[۱] مگر یہ عجیب تماشہ تھا کہ آیا تھا قاتل بن کر اور واپس ہوا مسلمان ہوکر۔ وجہ یہ ہوئی کہ اسکے سامنے آتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے ارادہ کو بتادیا کہ تو اس غرض سے آیا ہے۔ چوں کہ اس کی خبر اس کے علاوہ کسی کو نہ تھی، نہ ہونا ممکن تھی۔ وہ اس معجزہ کو دیکھ کر تائب ہوگیا اور فوراً کلمہ پڑھ لیا۔

سوال: حضور ﷺ نے کفارِ مکّہ کی شرارت کودفع کرنے کی کیا شکل نکالی؟

جواب: قریش کی تمام اکڑفوں کی بڑی پونجی شام کی تجارت تھی، شام جاتے ہوئے مدینہ کے پاس سے گزر رہوتا تھا۔ حضور ﷺ نے اُن قافلوں کوتنگ کرنا شروع کردیا، تاکہ ان کی قوت کمزور پڑجائے اور پریشان ہوں۔

سوال: قریش کے علاوہ مدینہ کے آس پاس کے کافر قبیلوں کی شرارت کس طرح روکی؟

جواب: اُن سے صلح کے معاہدے شروع کردیے، چنانچہ بنی حمزہ کے معاہدہ کا تذکرہ آگے آئے گا۔

سوال: کیا حضور ﷺ تمام قبیلوں سے ایسا کرسکے؟

جواب: نہیں! ورنہ تلوار کی نوبت ہی نہ آتی۔

سوال: وجہ کیا ہوئی؟

جواب: ابھی ایک دو قبیلوں ہی سے معاہدہ کیا تھا کہ قریش کے حملے شروع ہوگئے اور انہوں نے آس پاس کے قبیلوں میں بھی اسلام کے کچل ڈالنے کی آگ پیدا کردی۔

خلاصہ

جب مدینہ میں اسلام پھیلنا شروع ہوا تو مدینہ والوں کے تین حصّے ہوگئے: مسلمان، یہودی، منافق۔ یہودیوں کے شرکومٹانے کے لیے ان سے معاہدہ کرلیا۔ مگر افسوس! انہوں نے پابندی نہ کی جس کا نتیجہ خود ان کی تباہی تھا۔ جومہاجر تھے ان میں سے ایک ایک مہاجر کا ایک ایک انصاری سے بھائی چارہ قائم کردیا جو اس وقت تک باقی رہا جب تک میراث اور تقسیم ترکہ کی آیتیں قرآنِ پاک میں نازل نہ ہوئیں۔

جہاد

سوال: جہاد کس کو کہتے ہیں؟

جواب: اسلام اور مسلمانوں کے فائدے کے لیے اور مخالفین کو زک پہنچانے کے واسطے آخری اور پوری پوری کوشش کا نام جہاد ہے، خواہ وہ تلوار سے ہو یا کسی اور طرح سے۔[1]

سوال: جہاد واجب ہے یا فرض، اور اگر فرض ہے تو فرضِ عین ہے یا فرضِ کفایہ، یعنی فرض نماز کی طرح ہر ایک پر فرض ہے یا نمازِ جنازہ کی طرح کچھ مسلمانوں کے ادا کر دینے سے سب کی طرف سے ادا ہو جاتا ہے؟

جواب: جہاد فرض ہے۔[2] البتہ اس ملک پر جہاں مسلمان رہتے ہیں اگر اسلامی حکومت قائم ہو اور امن و امان ہو تو فرضِ کفایہ ہوتا ہے۔ یعنی اگر مسلمانوں کے کچھ لشکر دوسرے ملکوں پر حملہ کرتے رہیں تو سب سے فرض ادا ہوتا رہے گا اور اگر اس ملک کی اسلامی حکومت خطرہ میں پڑ جائے، جاتی رہے تو پھر فرضِ عین ہو جاتا ہے اور ہر شخص پر اسی طرح فرض ہو جاتا ہے، جیسے نماز، روزہ۔ نماز کی طرح اس فرض کو ادا کرنے کے لیے بھی کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

---

[1] قال فی بدائع الصنائع فی الجزء السابع: أُما الجهاد فی اللغة فعبارة عن بذل الجهد بالضم، وهو الوسع والطاقة، أو عن المبالغة فی العمل من الجهد بالفتح. وفی عرف الشرع يستعمل فی بذل الوسع والطاقة بالقتال فی سبيل الله عزوجل بالنفس والمال واللسان أو غير ذالك، أو المبالغة فی ذالك. والله أعلم! (بدائع: ٥٧/٦ مكتبه رشيديه كوئٹه) وهكذا فی كتب آخر. [2] بدليل ان نصب الامام فرض علينا، كما نبين من كتب العقائد، وقال فی ردالمحتار: كما هو فی بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة الآن، يجب على المسلمين أن يتفقوا على واحد منهم، يجعلونه والياً فيولی قاضيا ويكون هو الذی يقضی بينهم. وكذا ينصبوا إماما يصلی بهم الجمعة (ردالمحتار: ج٤، ص٣٧٦).
قال العبد الضعيف: وهذه مسئلة القضاء والامارة الشرعية التی قام جمعية علماء الهند مجاهدة فی نصبها، اللهم انصرهم وأعنهم على عدوك وعدوهم. آمين

سوال: فرض جہاد کونسا ہوتا ہے، یعنی صرف تلوار، بندوق وغیرہ والا جہاد فرض ہوتا ہے یا دوسرا جہاد بھی (جو ہتھیاروں سے نہ ہو) اسی طرح فرض ہو جاتا ہے؟

جواب: جس طرح اسلامی حاکم یا بڑے بڑے علماء کی رائے ہو اسی طرح جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ اگر تلوار سے موقع ہو تو تلوار سے، ورنہ مالی نقصان پہنچانا، سچّی بات کہنا، ایسا کام کرنا جو دشمن کے لیے تکلیف دہ ہو، وہ بھی جہاد کے سلسلہ میں آتا ہے۔[1]

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار کے علاوہ کیا کسی اور قسم کا جہاد بھی کیا ہے؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اوّل اوّل تلوار کے بغیر جہاد کیا، یعنی نرمی کیساتھ وعظ فرمایا، نصیحت فرمائی۔ شکوک کو رفع کیا اور اس راہ میں ظلم سہے، مار پیٹ برداشت کی۔ مظلوم بن کر ظالموں کا جواب دیا۔ اخلاق کے ذریعہ سے ان پر اثر ڈالا۔ مکّہ مکرمہ کی تمام زندگی مبارک اسی قسم کے جہاد میں گزری[2] اور لطف یہ ہے کہ قرآن پاک میں اس کو بڑا جہاد قرار دیا گیا۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تلوار سے جہاد کب فرض ہوا؟

جواب: مدینہ طیّبہ پہنچنے کے بعد جب دیکھ لیا کہ اپنی حفاظت اور دشمنوں کے شر کو مٹانے کے لیے تلوار کے علاوہ کوئی چیز کام نہیں دے سکتی۔

---

[1] کما قال الله تعالیٰ: "وذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَایُصِیْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ" الاٰیة (سورة توبه: ۱۲۰) وعد ابن القيم رحمه الله ثلاثة عشر نوعاً للجهاد. (زادالمعاد: ۳/۶،۷) [2] قال العلامة ابن القيم رحمه الله: لاريب أن الأمر بالجهاد المطلق إنما كان بعد الهجرة، فأما جهاد الحجة فأمربه فی مكة بقوله: فَلَا تُطِعِ الْکَافِرِیْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا. (الفرقان:۵۲ أی بالقرآن فهذه سورة مكية والجهاد فيها هوالتبليغ وجهاد الحجة: زاد المعاد: ۱/۵۲ ثم قال فی ص: ۱/۵۲ ثم فرض عليهم قتال المشركين كافةً وكان محرماً، ثم ماذونابه ثم مأموراً به لمن بدأهم بالقتال، ثم مأموراً به بجميع المشركين، وهكذا فی مبسوط فقال فيه: وكان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم مأموراً فی الابتداء بالصفح والاعراض عن المشركين، ثم أمر بالدعاء الی الدين بالوعظ والمجادلة بالأحسن الخ.(مبسوط: ۱/۲،۳)

سوال: جہاد جس میں بظاہر تباہی بربادی اور قتل وخون ہوتا ہے اسلام میں اس کا حکم کیوں کیا گیا؟

جواب: اس قتل وخون میں جیسے ظالموں کی تباہی معلوم ہوتی ہے اسی طرح یہ فائدے[1] بھی ہیں مثلاً:

(الف) مظلوم قومیں ظالم حکومتوں کے ظلم سے نجات پائیں۔ ان کی فاقہ مستی، جفاکشی دور ہو، اور جانوروں جیسی غلامانہ زندگی سے رہائی پا کر انسانوں کی طرح آرام کی زندگی بسر کر سکیں۔[2]

(ب) کمزور آدمی جو ظالموں کے خوف سے سچّا دین نہیں قبول کر سکتے ان کے لیے راستہ صاف ہو جائے۔[3]

(ج) اسلام اور مسلمانوں کو دشمنوں کے نرغہ سے نجات ملے اور اپنی اور دنیاوی اصلاح اطمینان اور آسانی کے ساتھ کر سکیں۔[4]

---

[1] ان ہی مقاصد کی بنا پر ہر اسلامی لشکر پر جبکہ وہ غنیم کے ملک پر حملہ آور ہو یہ فرض ہوتا ہے کہ اوّل انکو اسلام کی دعوت دے، اگر اسکو قبول نہ کریں تو پھر انکو دعوت دی جائے کہ وہ تاج اسلام کی شہنشاہیت تسلیم کر کے معاہدہ کر لیں اور اپنے ملک میں آزاد رہیں، یہ بھی نہ ہو تو جنگ اختیار کی جائے، مگر جب وہ صلح کی خواہش کریں تو مسلمان بھی صلح پر آمادہ ہو جائیں، پھر جنگ کے وقت صرف جنگ کرنے والوں کو قتل کیا جائے، سادھو، بوڑھے، عورتیں، بچے، غیر جانب دار یعنی جن جن کا جنگ میں حصّہ نہ ہو وہ سب محفوظ رہیں گے۔ هكذا يستفاد من كتب الفقه والحديث. واللّٰہ اعلم بالصواب!

[2] قال اللّٰه تعالىٰ: وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (البقرة: ٢٥١) وأيضاً قال اللّٰه تعالىٰ: وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ. (البقرة: ١٩١) وكذالك قال اللّٰه تعالىٰ: لَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا. (الحج: ٤٠)

[3] قال اللّٰه تعالىٰ: وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ. (البقرة: ١٩٣) وقوله تعالىٰ: فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا. (النساء: ٩٠)

[4] وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ. (النساء: ٧٥)

(د) دوسری قوموں پر رعب قائم کیا جائے تاکہ اپنی حفاظت ہوتی رہے، اسلام کی شوکت برقرار رہے اور اسلامی ممالک دوسروں کے حملوں سے محفوظ رہیں۔[1]

سوال: غزوہ، جیش اور سَرِیّہ میں کیا فرق ہے؟

جواب: وہ لڑائی جس میں خود رسولُ اللہ ﷺ تشریف لے گئے ہوں "غزوہ" کہلاتی ہے اور "جیش" بڑے لشکر کو کہتے ہیں۔ اور "سَرِیّہ" دستہ کو کہا جاتا ہے جس میں تھوڑے سے سپاہی ہوں۔

سوال: کیا جیش اور سریہ کے لیے کوئی خاص مقدار بھی ہے؟

جواب: رسولُ اللہ ﷺ نے فرمایا: "سفر کرنے والے ساتھی بہتر ہے کہ چار ہوں۔ سَرِیّہ چار سو سپاہیوں کا بہتر ہے اور لشکر چار ہزار سپاہیوں والا۔"
مگر یہ یاد رہے کہ علماء ذرا ذرا سے دستہ کو بھی سریہ کہہ دیتے ہیں اور یہ بھی ضروری نہیں سمجھتے کہ وہ لڑنے کے لیے ہی گیا ہو، بلکہ اگر زمانۂ رسالت میں ایک دو آدمی کو کسی واقعہ کی تحقیق کے لیے یا کسی معاملہ پر گفتگو یا کسی شخص کی گرفتاری کے لیے بھیجا گیا ہو تو اس کو بھی سریہ کہہ دیتے ہیں۔[2]

---

[1] قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ. الآية (الانفال: ٦٠) وقال اللّٰہ تعالیٰ: قَاتِلُوْا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ O (التوبہ: ٢٩) فی المبسوط: والمقصود أن یأمن المسلمون ویتمکنوا من القیام بمصالح دینهم ودنیاهم: (المبسوط: ١/٣)

[2] سیر اور مغازی کے مطالعہ کے بعد بآسانی کہا جاسکتا ہے کہ علماء کرام کی اصطلاح میں حضور ﷺ کی ہر ایک نقل و حرکت جو کسی مقصد کی بنا پر ہو "غزوہ" ہے اور کسی مسلمان کی نقل و حرکت "سریہ" کہلاتی ہے، خواہ وہ ایک ہی آدمی کیوں نہ ہو۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ جو رات کو چلے اور دن کو چھپ جائے سریہ کہلاتا ہے۔ فی السریة عدد قلیل یسیرون باللیل ویکتمون بالنهار والجیش هو الجمع العظیم الذی یجیش بعضهم فی بعض، قال ﷺ: خیر الأصحاب أربع، وخیر السرایا أربع مائة، وخیر الجیوش أربعة الاف، ولن یغلب اثنا عشر ألفاً عن قلة إذا کانت کلمتهم واحدة. (المبسوط: ١٠/٤)

سوال: اسلام میں سب سے پہلا لشکر کونسا تھا؟

جواب: جو ہجرت کے پہلے برس میں ترتیب دیا گیا، یعنی ہجرت سے سات مہینے بعد ماہِ رمضان میں۔

سوال: اس کے افسر کون تھے؟

جواب: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محترم چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ۔

سوال: اس میں کل سپاہی کتنے تھے اور مہاجر تھے یا انصاری؟

جواب: تیس مہاجر۔

سوال: اس لشکر کا جھنڈا کیسا تھا؟

جواب: سفید۔

سوال: جھنڈا کس کے پاس تھا؟

جواب: حضرت ابو مَرثَد غَنَوِی رضی اللہ عنہ کے پاس۔

سوال: یہ لشکر کس کے مقابلہ میں بھیجا گیا تھا؟

جواب: قریش کے ایک مسلح قافلہ کے مقابلہ میں، جس کا سردار ابوجہل تھا جو شام سے مال لے کر واپس آ رہا تھا۔

سوال: کافروں کے قافلہ میں کتنے آدمی تھے؟

جواب: تین سو۔

سوال: اس مرتبہ جنگ ہوئی یا نہیں؟

جواب: ''مَجدِی بن عَمرو'' قبیلۂ جہینہ کا ایک بڑا شخص تھا، اس نے بیچ بچاؤ کر دیا اور لڑائی نہیں ہوئی۔

سوال: سب سے پہلا تیر اسلام میں کس نے پھینکا اور کس لشکر میں؟

جواب: اسی سال اگلے ماہ یعنی شوال میں ایک لشکر ''بطنِ رابغ'' مقام کی طرف ابوسفیان

کے مقابلہ میں بھیجا گیا۔ جس میں سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کفار پر تیر پھینکا۔ اسلام میں یہ پہلا تیر تھا جو کفار پر چلایا گیا۔

سوال: اس دستہ کا نام کیا ہے، اس کے افسر کون تھے، اس میں کتنے آدمی تھے اور اس میں فتح ہوئی یا شکست؟

جواب: اس دستہ کو سریۂ عُبیدہ بن حارث کہتے ہیں، کیونکہ عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ اس کے افسر تھے اور اس میں کل سپاہی ساٹھ تھے۔ خداوندِ عالم نے مسلمانوں کو فتح عنایت فرمائی۔

سوال: وہ سب سے پہلا لشکر کونسا تھا جس کے سردار خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے؟

جواب: وہ لشکر جو ودّان اور بنی ضمرہ سے لڑنے گیا تھا، جس کو غزوۂ ابواء یا غزوۂ وَدّان کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

سوال: یہ واقعہ کون سے سن میں ہوا اور اس میں کتنے سپاہی تھے اور اس کا نتیجہ کیا ہوا؟

جواب: یہ واقعہ ہجرت سے دوسرے سال یعنی ۲ھ میں ہوا اس میں ساٹھ سپاہی تھے۔ آپس میں صلح ہوگئی، جنگ نہیں ہوئی۔

سوال: ان لشکروں کے سپاہی کون لوگ ہوتے تھے؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہی صحابی جو ایمان لاتے تھے، یعنی ہر ایک مسلمان جیسے نماز روزہ کا پابند ہوتا تھا اسی طرح وہ جہاد کے فرض کو ادا کرنا بھی ضروری سمجھتا تھا۔ مختصر یہ کہ وہی صحابی جو رات کو ولی اور قطب کی طرح خدا کی عبادت کرتے تھے اور نماز کے وقتوں میں پکے زاہدوں کی طرح نماز کی جماعتوں میں شریک ہوتے تھے۔ جن کے دلوں میں اور زبانوں پر ہر وقت اللہ کا نام جاری رہتا تھا۔ وہی ان لشکروں کے سپاہی بھی ہوتے تھے۔

سوال: ان سپاہیوں کو کیا تنخواہ دی جاتی تھی اور ہتھیار وردی کہاں سے ملتی تھی؟

جواب: تنخواہ کے نام سے ایک کوڑی بھی ان حضرات کو نہ ملتی تھی۔ بلکہ تنخواہ لینا تو اپنی خدمتوں کو فروخت کر دینا ہے۔ یہ حضرات رضا کار ہوتے تھے، جو اپنے اپنے پیشوں سے گزارے کی شکل نکالتے تھے اور وہی ان کے پھٹے پرانے کپڑے جنگ کے موقع پر وردی بن جاتے تھے۔ اسی طرح ٹوٹے پھوٹے ہتھیار جو اِن کے پاس ہوتے تھے جنگ میں ان سے کام لیتے تھے۔

سوال: جب تنخواہ دار سپاہی نہ تھے تو لشکروں کی ترتیب کس طرح ہوتی تھی؟

جواب: ہر ایک شخص فوجی قواعد اور فنِ سپہ گری سے واقف ہوتا تھا۔ جب ضرورت ہوتی تھی تو خلیفہ کی جانب سے اعلان ہوتا اور اسلام کے نوجوان ہر طرف سے نکل کھڑے ہوتے اور اپنے اپنے نام لکھا دیتے، یہی فوج ہو جاتی۔ انہی میں سے کسی ایک کو لشکر کا سردار بنا دیا جاتا، وہ کمانڈر ہوتا تھا۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ہندوستان، مصر، اندلس، افریقہ، شام، عراق جیسے بڑے بڑے ملکوں کو فتح کرنے والے اسی قسم کے رضا کار تھے۔

سوال: اس طریقہ کا کیا فائدہ ہوا؟

جواب: عام رعایا کی خوش حالی اور فوج کی بے انتہا کثرت، کیونکہ اس صورت میں ضروری ہے کہ ملک کا بچہ بچہ، فنِ سپہ گری اور قواعدِ جنگ سے واقف رہے تو گویا ملک کا ہر ایک شخص فوج کا سپاہی ہوگا اور جس قدر ملک کے نوجوان ہیں اتنی ہی فوج کی مقدار ہوگی جو ضرورت کے وقت تمام کام انجام دے سکتی ہے۔

اور جب ان سپاہیوں کو تنخواہ نہ دی جائے گی تو فوج کے خرچ کے مطابق جو رعایا سے لگان وصول کیا جاتا تھا وہ وصول نہ کیا جائے گا اور جب عام رعایا کو کم لگان ادا

کرنا پڑے گا تو لامحالہ ان کی خوش حالی میں زیادتی ہوگی۔[1]

سوال: یہ لوگ جنگ میں زبردستی شریک کیے جاتے تھے یا اپنے شوق سے؟

جواب: اپنے شوق سے۔ مسلمان عورتیں اپنے پیارے بچوں کو اسی غرض سے دودھ پلایا کرتی تھیں کہ وہ خدا کے نام پر قربان ہونگے۔ شرکتِ جہاد کا شوق اُنکی گھٹی کے ساتھ ساتھ انکے ذہنوں میں اور ننھے ننھے دلوں میں بٹھادیا جاتا تھا۔ اسی کا اثر تھا کہ جہاد کے موقعوں پر بڑوں کے ساتھ بچے بھی اپنے نام شوق سے لکھاتے اور کمسنی کے باعث انکو واپس کیا جاتا تو وہ مچل جاتے۔ چنانچہ غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت عمیر بن وقاص رضی اللہ عنہ کو عمر کی کمی کی وجہ سے روک دیا گیا تو انہوں نے رورو کر اور بلبلا بلبلا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دینے پر مجبور کیا۔ جنگ اُحد کے موقع پر رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ پنجوں کے بل تن کر کھڑے ہوگئے تا کہ لمبائی میں جوانوں کے برابر معلوم ہوں اور جب انکو جہاد میں لے لیا گیا تو اُنکے ہم عمر حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے فوراً عرض کیا کہ حضور! مجھے بھی واپس نہ کیا جائے کیونکہ میں رافع سے قوی ہوں، انکو پچھاڑ لیتا ہوں۔ چنانچہ مقابلہ کرایا گیا تو واقعی سمرہ رضی اللہ عنہ نے رافع رضی اللہ عنہ کو پچھاڑ لیا۔ مجبوراً ان دونوں کو جہاد میں لے لیا گیا۔[2] اس قسم کے سینکڑوں واقعات ہیں جن کو بیان کرنے کیلئے ایک طویل کتاب کی ضرورت ہے۔[3]

---

[1] مثلاً: ہندوستان کی کل آمدنی تقریباً ایک ارب پندرہ کروڑ ہے یا بیس کروڑ۔ اس میں سے تقریباً ساٹھ کروڑ روپیہ فوج کا خرچ ہے تو کاشت کاروں کو لامحالہ ایک روپیہ کے بجائے دو روپیہ دینے پڑتے ہیں۔ لیکن اگر ملک کے ہر بچہ کو فنونِ جنگ کی تعلیم دی جائے تو اس فوج کی یقیناً ضرورت نہ ہو، بلکہ ساٹھ کروڑ کے بجائے چار پانچ کروڑ میں کام چل جائے اور اب کاشتکار سے اس کی آمدنی کا ۵۰ فیصد لگان لیا جاتا ہے تو پھر ۲۵ فیصدی لیا جائے گا۔ (۱۹۳۲ء)

[2] تاریخ طبری وزاد المعاد وغیرہ [3] مثلاً غزوۂ اُحد ہی کا واقعہ ہے کہ میدان جنگ آتش کارزار کی لپٹوں سے گرم ہے۔ ایک بدّو صحابی ایک کنارے پر کھڑے ہوئے اطمینان سے چھوہارے کھا رہے ہیں، غیرت کو جوش آتا ہے۔ آگے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں: میرا ٹھکانا کہاں ہوگا اگر میں اس جہاد میں شریک ہو کر مارا جاؤں؟ ==

اسلامی لڑائیاں

سوال: کتنی لڑائیوں میں حضور ﷺ بنفسِ نفیس تشریف لے گئے؟

جواب: علامہ مُغلطائی کے قول کے بموجب وہ لڑائیاں جن میں حضور ﷺ تشریف لے گئے ۲۳ ہیں اور بعض نے ان کی تعداد ۲۷ بتائی ہے۔

سوال: وہ لڑائیاں یا دستے جن میں حضور ﷺ تشریف نہیں لے گئے کتنی ہیں؟

جواب: علامہ مذکور کے قول کے بموجب چوالیس اور اس سے زیادہ کی بھی روایتیں ہیں۔

سوال: جن لشکروں میں حضور ﷺ تشریف لے گئے ان میں سے کتنے لشکروں میں لڑائی ہوئی اور اُن کے نام کیا کیا ہیں؟

جواب: ۹ لشکروں میں، نام یہ ہیں: (۱) بدر کی پہلی لڑائی (۲) بدر کی دوسری لڑائی (۳) جنگِ اُحد (۴) جنگِ اَحزاب یا خندق (۵) جنگِ بنی قریظہ (۶) جنگِ بنی مُصطلِق (۷) جنگِ خیبر (۸) جنگِ حُنین (۹) جنگِ طائف۔

سوال: باقی لڑائیوں میں کیا ہوا؟

جواب: صلح ہوگئی یا کوئی اور صورت پیش آ گئی، جس سے دشمن دب گئے اور لڑائی نہ ہو سکی۔

= رسولُ اللہ ﷺ کا ارشاد ہوا: ''جنّت میں۔'' ان کلمات کا کانوں میں پڑنا تھا کہ چھوارے الگ پھینکے، چیتھڑوں میں لپٹی ہوئی تلوار نکال کر فوج میں گھس پڑے۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ اسی طرح زاد المعاد میں حضرت عمیر بن الحمام رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر جب نادار صحابہ رضی اللہ عنہم سواری نہ ہونے کے باعث ساتھ چلنے سے عاجز رہے اور حضور ﷺ بھی ان کے لیے انتظام نہ کر سکے تو روتے روتے بے تاب ہو گئے اور راتوں کو خداوند عالم سے گڑگڑا گڑگڑا کر دعائیں مانگیں، یہاں تک کہ خدا نے انکی دعا قبول فرمائی اور سواری کا انتظام ہو گیا (زاد المعاد: ۱/ ۴۵۷)۔ غزوۂ اُحد میں جب یہ خبر مشہور ہوئی کہ حضور ﷺ (خدانخواستہ) شہید ہو گئے تو حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ فوراً پکار اُٹھے: اب زندگی بے کار ہے اور اپنے ساتھیوں کو خبر دی کہ میں جنّت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں، فوراً ہی دشمنوں کی صف میں گھس پڑے اور تقریباً نوے زخم کھا کر شہید ہو گئے۔

سوال: ان لڑائیوں کے یہ نام کس طرح رکھے گئے؟

جواب: بدر، اُحد، حنین وغیرہ مقام یا قبیلوں کے نام ہیں۔ جس جگہ یا جس قبیلہ سے لڑائی ہوئی، اسی کے نام پر لڑائی کا نام رکھ دیا گیا۔

سوال: کتنی لڑائیوں میں مسلمانوں کو فتح ہوئی؟

جواب: اسلام کے جھنڈے پر خداوندِ عالم کا ہمیشہ فتح کا پھریرا لہراتا رہا۔ صرف جنگِ احد میں غلطی سے حضور ﷺ کا کہنا نہ ماننے کے باعث شکست ہوئی اور پھر جنگِ حنین میں اوّل اوّل کچھ مسلمان پیچھے ہٹ گئے تھے، پھر اس میں بھی خدا نے فتح ہی عنایت فرمائی۔

ا ھ
کی بڑی بڑی لڑائیاں اور مشہور واقعات

سوال: ا ہجری میں کتنے غزوے ہوئے اور کتنے دستے بھیجے گئے؟

جواب: غزوہ کوئی نہیں، البتہ دو دستے بھیجے گئے، یعنی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا دستہ اور حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کا دستہ۔

سوال: ا ہجری کے اور بڑے بڑے واقعات کیا ہیں؟

جواب: (ا) مسجدِ نبوی کی تعمیر ہوئی (٢) اذان کی تعلیم (٣) مشہور لوگوں میں سے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مشرّف باسلام ہوے۔

۲ھ

قبلہ کی تبدیلی، غزوۂ بدر وغیرہ

سوال: وہ سب سے پہلا دستہ کونسا تھا جس نے غنیمت حاصل کی؟

جواب: حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کا دستہ۔

سوال: اس میں کتنے آدمی تھے اور وہ مہاجر تھے یا انصاری اور ان کے سردار کون تھے؟

جواب: ۱۲ مہاجر، سردار حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ۔

سوال: یہ دستہ کہاں گیا تھا؟

جواب: نخلہ مقام پر۔

سوال: اس دستے کو بھیجنے کا مقصد کیا تھا؟

جواب: ایک قریشی قافلہ کا مقابلہ۔

سوال: یہ واقعہ کون سے مہینہ میں ہوا؟

جواب: ماہِ رجب میں۔

سوال: کیا رجب کے متعلق عرب کا کوئی خاص عقیدہ بھی تھا؟

جواب: چار مہینوں کو عرب کے آدمی 'اشہرِ حرام' کہا کرتے تھے۔ ان کی تعظیم کی جاتی تھی اور ان میں لڑائی حرام مانی جاتی تھی۔ ان میں سے ایک رجب تھا، باقی تین یہ تھے: ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم۔

سوال: اس عقیدے سے کیا کوئی فائدہ بھی تھا؟

جواب: عرب کے باشندے رات دن لوٹ مار، لڑائی جھگڑے میں مشغول رہتے تھے۔ آمدنی کا ذریعہ صرف ڈاکہ اور لوٹ ہی تھی۔ اس وجہ سے عرب کی زمین عرب

والوں پر تنگ تھی۔ ڈاکہ اور لوٹ کے باعث تجارت اور سفر مشکل تھا۔ اس عقیدے کے باعث ان کو چار ماہ کے لیے کسی قدر سانس لینے کا موقعہ مل جاتا تھا، یہی اس کا فائدہ تھا۔

سوال: اس لڑائی کا کیا نتیجہ ہوا؟

جواب: مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی، قافلہ کا سردار مارا گیا، دو آدمی گرفتار ہوئے، باقی بھاگ گئے اور بہت سا سامان مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔

سوال: اس سامان کا کیا ہوا؟

جواب: دستہ کے لوگوں پر تقسیم کر دیا گیا اور پانچواں حصّہ اسلامی خزانہ (بیت المال) کے لیے محفوظ کر دیا گیا۔

سوال: کیا اس سے پہلے بھی مسلمانوں کو غنیمت کا مال ملا تھا، یا کسی کو قتل اور قید کیا تھا؟

جواب: نہیں! اسلام میں یہ پہلی غنیمت تھی اور ایک دشمن کا سب سے پہلے قتل ہوا تھا اور سب سے پہلے دو قیدی گرفتار ہوئے تھے۔

سوال: جب رجب کے متعلق کفار کا یہ عقیدہ تھا کہ لڑنا حرام ہے تو مسلمانوں کی اس لڑائی پر انہوں نے کیا کہا اور حضور ﷺ پر اس کا کیا اثر ہوا؟

جواب: ان لوگوں نے بہت کچھ اعتراض کیے اور حضور ﷺ کو بھی اس کا رنج ہوا۔

سوال: اسلامی فیصلہ اس کے متعلق خداوندِ عالم کی جانب سے کیا ہوا؟

جواب: ایک آیت نازل ہوئی جس کا حاصل مطلب یہ ہے: کہہ دیا جائے کہ ان مہینوں میں لڑنا بری بات ہے۔ مگر اعتراض کرنے والے اپنے گریبان میں تو منہ ڈالیں۔ دوسروں کو راہِ خدا سے روکنا، خود خدا سے کفر کرنا، لوگوں کو مسجدِ حرام خانۂ کعبہ سے روکنا، گھر والوں کو اور خاص کر اللہ کے پاک اور محفوظ شہر کے

رہنے والوں کو ان کے شہروں سے نکالنا۔ یہ تمام کام جو رات دن ان اعتراض کرنے والوں کا مشغلہ ہیں اور جن سے بہت بڑا فتنہ پھیل رہا ہے، یہ تو اس سے کہیں بڑھ کر ہیں۔

خلاصہ

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کا دستہ سب سے پہلا دستہ ہے جس نے غنیمت حاصل کی۔ اسی دستہ نے سب سے پہلے دو آدمی گرفتار کیے اور ایک کو قتل کیا۔ اس میں بارہ مہاجر تھے۔ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اسکے سردار تھے، اس کو مقام نخلہ پر قریش کے قافلہ کی خبر لانے کیلئے بھیجا گیا تھا، وہاں اتفاقی جنگ پیش آگئی۔ یہ جنگ اتفاق سے رجب میں پیش آئی۔ جس پر کفار نے بہت کچھ اعتراض کیے کیونکہ ان کے عقیدہ کے بموجب اس مہینہ میں جنگ حرام تھی۔ مگر انکے مظالم کے مقابلہ میں اس اعتراض کی یہی کیفیت تھی کہ کھسیانی بلی کھمبا نوچے۔

غزوۂ بدر

سوال: بَدر کیا ہے اور اس لڑائی کو غزوۂ بدر کیوں کہتے ہیں؟

جواب: ''بدر'' ایک کنویں کا نام ہے اسی مناسبت سے اس گاؤں کو بدر کہتے ہیں جو اس کے پاس آباد ہے، اس لڑائی کا نام اسلیے بدر رکھا گیا کہ اس کے قریب ہوئی تھی۔

سوال: بدر مدینہ سے کتنے فاصلہ پر ہے؟

جواب: اسّی میل [۱۲۸.۷۲ کلومیٹر]۔

سوال: اس جہاد کی وجہ اور روانگی کی مختصر کیفیت بیان کرو؟

جواب: یہ بات پہلے معلوم ہو چکی ہے کہ ہجرت کے بعد مکّہ کے کافر اسلام اور مسلمانوں کو کچل ڈالنے کیلئے پہلے سے زیادہ طرح طرح کے منصوبے کر رہے تھے، اسکے نقصانات سے بچنے کے واسطے مسلمانوں کے لیے یہی تدبیر ضروری تھی۔ یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ مسلمانوں نے ایک تدبیر یہ نکالی تھی کہ مکّہ والوں کے قافلے جو مدینہ کے پاس سے گزر کر شام جاتے تھے ان کو تنگ کیا جائے تا کہ ان کی تجارت

کو نقصان پہنچے، جو ان کی کمر کو مضبوط کرنے والی اور غرور کو تقویّت دینے والی تھی۔
ایسا ہوا کہ ہجرت سے دوسرے برس یہ معلوم ہوا کہ قریش کا ایک بڑا قافلہ سامان لے کر شام سے واپس آ رہا ہے، حضور ﷺ اپنے ساتھیوں کو لے کر اس کے مقابلہ کے لیے نکلے اور ''رَوحَا'' مقام پر جا کر پڑاؤ ڈالا۔ مگر قافلہ کے سردار کو اس کی خبر ہوئی۔ اس نے سمندر کے کنارے کنارے دوسرا راستہ اختیار کر لیا اور ایک سوار مکّہ بھیج دیا کہ قافلہ مسلمانوں کی وجہ سے خطرہ میں ہے۔ مکّہ کے کافر پہلے سے تیار تھے، وہ فوراً روانہ ہو گئے۔
اس طرف جب حضور ﷺ کو خبر ہوئی تو صحابہ سے مشورہ کیا۔ اوّل مہاجرین سے مشورہ کیا، انہوں نے بڑے جوش سے آمادگی کا اظہار کیا۔ اس کے بعد دوسری اور تیسری مرتبہ مشورہ کیا، جس کا جواب بھی اسی طرح جوش اور قوت سے دیا گیا۔ مگر حضور ﷺ کا مقصد تھا کہ انصاری بھی جواب دیں۔ جب انصار نے اس کو تاڑا تو فوراً قبیلۂ اوس[1] کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اُٹھے اور عرض کیا: خدا کی قسم! اگر حکم ہو تو ہم سمندر میں کود پڑیں[2]۔ مقداد رضی اللہ عنہ بولے: یارسول اللہ! ہم آپ کے دائیں بائیں آگے پیچھے سے لڑیں گے، ہم وہ نہیں کہ کہہ دیں کہ آپ اور آپ کا خدا جا کر جنگ کر لیں، ہم یہاں بیٹھے ہیں۔
حضور ﷺ اس آمادگی اور جوش سے بہت خوش ہوئے اور روانگی کا حکم فرمایا۔

سوال: حضور ﷺ انصار کے جواب کے کیوں منتظر تھے؟

جواب: کیونکہ اُن سے یہ معاہدہ ہوا تھا کہ مدینہ میں ہر ایک قوم سے وہ آپ کی حمایت

---

[1] عام نسخوں میں یہاں ''خزرج'' ہے جو کہ غلط ہے اس لیے صحیح کر دیا گیا۔ (تہذیب الکمال: ۷/۱۰۶)
[2] پورا جواب یہ ہے: میں انصار کی نمائندگی کرتا ہوا عرض کرتا ہوں: جس سے آپ چاہیں تعلّقات قائم کریں، جس سے آپ چاہیں توڑیں، جس سے چاہیں صلح کر لیں، جس سے چاہیں جنگ کریں، ہم ہر حالت میں آپ کے ساتھ ہیں۔ ہماری جانیں، ہمارا مال آپ پر نثار، جتنا چاہیں ہمیں دیں، جتنا چاہیں آپ لیں۔ جو آپ لیں گے وہ زیادہ پیارا ہو گا اس مال سے جو ہمارے پاس رہ جائے گا۔ (زاد المعاد: ۳/۱۳۶) یہ ہے شانِ اسلام، غور کرو!

میں جنگ کریں گے اور یہ مدینہ سے باہر کا واقعہ تھا۔

سوال: ''روحا'' مدینہ سے کس طرف ہے اور کتنی دور؟

جواب: جنوب کی طرف مدینہ سے ۴۰ میل [۶۴.۳۶ کلومیٹر]۔

سوال: بدر پہنچ کر اسلامی لشکر نے کیا دیکھا؟

جواب: دیکھا کہ مکّہ کے کافروں کا بہت بڑا لشکر بڑے ساز وسامان کے ساتھ پہلے ہی پہنچ چکا ہے اور میدان بدر کے بہت عمدہ موقع پر قبضہ کرلیا ہے، جہاں پانی وغیرہ سب طرح کا آرام ہے۔

سوال: مسلمانوں کو جو جگہ ملی وہ کیسی تھی؟

جواب: مسلمانوں کے ٹھہرنے کے لیے میدان کا وہ حصّہ رہ گیا تھا جو بہت ریتیلا تھا، جس میں چلنا بھی مشکل تھا اور پانی کا بھی قحط تھا۔

سوال: فتح اور امدادِ خداوندی کا وعدہ اس موقع پر کس طرح ظاہر ہوا؟

جواب: خدا نے بارش برسادی، جس سے کافروں کے ٹھہرنے کی جگہ پر بہت کیچڑ ہوگئی، اُن کو چلنا پھرنا مشکل ہوگیا۔ مسلمانوں کی طرف میدان کا ریت دب گیا، تمام برتن پانی سے اچھی طرح بھر گئے اور ایک حوض سا بنا کر اس میں پانی اکٹھا کرلیا۔ اب میدان کا اچھا حصّہ مسلمانوں کی طرف تھا اور برا حصّہ کافروں کی طرف۔

سوال: یہ لشکر مدینہ سے کونسی تاریخ کو روانہ ہوا؟

جواب: ۱۲/رمضان المبارک بروز پنج شنبہ ۲ھ مطابق ۸/مارچ ۶۲۴ء۔[1]

سوال: بدر کب پہنچا؟

جواب: ۱۷ کی شب کو بوقتِ عشاء۔[2]

[1] بقول علامہ ابن قیم رحمہ اللہ علیہ کیونکہ ۱۷ کو جمعہ مانا ہے (زادالمعاد:۳/۱۳۹)۔ [2] زادالمعاد:۳/۱۳۹

سوال: لڑائی کون سے دن اور کونسی تاریخ کو ہوئی؟

جواب: ۱۷؍رمضان المبارک ۲ھ بروز منگل[۱] مطابق ۱۳؍مارچ ۶۲۴ء۔

سوال: اسلامی لشکر کی تعداد کتنی تھی اور کفار کے لشکر کی کتنی؟

جواب: مسلمان کل تین سو تیرہ[۲] تھے اور کفار نو سو پچاس۔

سوال: ۳۱۳ مسلمان کس کس جماعت کے کتنے کتنے تھے؟

جواب: مہاجر چھیاسی، انصار: قبیلۂ اوس کے اکسٹھ، قبیلۂ خزرج کے ایک سو چھیاسٹھ۔[۳]

سوال: سامانِ جنگ کی تفصیل بیان کرو۔

جواب: کفار کے پاس سات سو اونٹ، سو گھوڑے سوار، اور تمام اسلحہ اور زرہ اور خَودوں کے باعث گویا ہر ایک فوجی لوہے میں ڈوبا ہوا تھا اور اس کے مقابل مسلمانوں کے پاس صرف دو گھوڑے[۴]، ستر اونٹ[۵] اور چند تلواریں۔[۶]

سوال: لشکرِ اسلام کے سردار کون تھے؟ اور اس لڑائی کو غزوہ کہا جائے گا یا سریہ؟

جواب: خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم، لہٰذا غزوہ ہوا۔

سوال: لشکرِ کفار کا سردار کون تھا؟

جواب: ابوجہل

---

۱ جدول رحمۃ للعالمین

۲ (زاد المعاد: ۳/ ۱۴۵) اس عدد میں خدا نے خاص برکت رکھی ہے۔ مسند احمد اور صحیح ابن حبان کی ابوذر رضی اللہ عنہ والی روایت کے بموجب انبیاء مرسلین یعنی رسولوں کی تعداد بھی یہی ہے، اگرچہ کل انبیاء کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار بتائی گئی ہے۔ اور طالوت کے لشکر کی تعداد بھی ۳۱۳ ہی تھی، جس نے اسی طرح فتح حاصل کی تھی۔

۳ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ۷۰ ابتائے ہیں اس صورت میں کل ۳۱۷ ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب!

۴ ایک حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا، دوسرا حضرت مقداد بن اسود کندی رضی اللہ عنہ کا۔ (زاد المعاد: ۳/ ۱۳۵)

۵ (زاد المعاد: ۳/ ۱۳۵)

۶ یعنی ہر ایک کے پاس تمام ہتھیار تو کیا ہوتے، تلواریں بھی سب کے پاس نہیں تھیں۔

سوال: اسلام کے جھنڈے کس کس کے پاس تھے؟

جواب: بڑا جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے پاس۔ ایک چھوٹا جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عنایت کیا گیا اور انصار کا جھنڈا حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو۔

سوال: اس لڑائی کا نتیجہ کیا رہا؟

جواب: مسلمانوں کو خداوندِ عالم نے بہت بڑی فتح عنایت فرمائی، ستر کافر مارے گئے۔ جن میں مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن اور کافروں کا سب سے بڑا سردار ابو جہل بھی تھا، جس نے ہجرت کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا مشورہ دیا تھا۔ ابو جہل کے علاوہ گیارہ آدمی ان لوگوں میں سے مارے گئے جنہوں نے ہجرت کے وقت قتل کے مشورہ میں شرکت کی تھی اور ۷۰ کافر گرفتار ہوئے اور بہت سا سامان مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

سوال: اس جنگ میں کتنے انصاری شہید ہوئے، کتنے مہاجر اور کل مسلمان کتنے؟

جواب: ۸ انصاری (۶ قبیلہ خزرج کے، ۲ قبیلہ اوس کے) اور چھ مہاجر، کل ۱۴۔

سوال: جو کافر قید کیے گئے تھے، ان کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا اور کہاں رکھا گیا؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دو چار چار کر کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے سپرد کر دیا اور عام خیالات[1] کے بالکل برخلاف زبان رحمت سے ارشاد صادر ہوا کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔

سوال: آقائے دو جہاں کے ارشاد کی کس طرح تعمیل کی گئی؟

جواب: سبحان اللہ! یہ منظر قابلِ دید تھا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اپنا اور اپنے عزیز بال بچوں کا پیٹ معمولی چھواروں سے بھر رہے تھے، مگر ارشادِ آقا کی تعمیل میں ان ناجنس

[1] یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہ وہی گردن زدنی مجرم ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کو جڑ سے اکھاڑ ڈالنے کی ہمیشہ کوشش کرتے رہے اور اب بھی اسی غرض سے آئے تھے۔

مہمانوں کو اپنی حیثیت کے بموجب اچھے سے اچھا کھانا کھلا رہے تھے۔ ان لوگوں کے پاس کپڑے نہ تھے تو حضور ﷺ نے ان کو کپڑے دلوا دیے، مگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا قد اس قدر لمبا تھا کہ کسی کا کُرتہ ان کے بدن پر ٹھیک نہ آیا تو منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی نے اپنا کرتہ دے دیا[1]

سوال: حضور پرنور ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضور ﷺ کے داماد حضرت ابوالعاص جو اس وقت کافر تھے اور بدر میں گرفتار کیے گئے تھے، اُن کے ساتھ سب کے برابر سلوک کیا یا کچھ فرق تھا؟

جواب: اسلام کے احکام میں بادشاہ اور فقیر، بادشاہ کے رشتہ دار اور عام رعایا سب برابر ہیں۔ ہاں محبّت کا اثر یہ ضرور تھا کہ رات کے وقت جب تسموں اور قید کی تکلیف سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے کراہنے کی آواز حضور ﷺ کے گوشِ مبارک میں پہنچی تو نیند اُڑ گئی، مگر اسلامی احکام کی برابری طبعی محبّت پر غالب تھی۔

سوال: ان لوگوں کی رہائی کس طرح ہوئی؟

جواب: مشورہ کے بعد طے ہوا کہ (۱) مقدور والوں سے چار چار ہزار درہم یعنی ایک ایک ہزار روپیہ لے کر چھوڑ دیے جائیں۔ (۲) امیروں[2] سے اس سے کچھ زائد۔ (۳) اور مفلسوں کی رہائی کا فدیہ (معاوضہ) یہ قرار دیا گیا کہ وہ مسلمانوں کے دس بچوں کو پڑھا دیں اور رہا ہو کر چلے جائیں۔[3]

---

[1] عبداللہ بن ابی کے انتقال کے وقت حضور ﷺ نے ایک کرتہ اسکو پہنایا تھا۔ علما کا خیال ہے کہ اسی احسان کا معاوضہ ملحوظ تھا۔

[2] اتفاق سے حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس جماعت میں داخل تھے، لہٰذا ان سے زائد لیا گیا۔ حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ نہ تھا تو انکی زوجہ یعنی حضرت محمد ﷺ کی صاحبزادی زینب رضی اللہ عنہا جو مکّہ میں مقیم تھیں، انکو اطلاع دی۔ صاحبزادی نے ایک ہار بھیج دیا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تھا، حضور ﷺ نے اسکو دیکھا تو آنسو بھر آئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: اگر آپ سب راضی ہوں تو زینب کے پاس اسکی والدہ کی یادگار واپس کر دوں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بخوشی قبول کر لیا، اور ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے کہہ دیا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ بھیج دیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

[3] یہ ہے ارشادِ نبوی کا مظہر کہ علم و حکمت مسلمان کی گم شدہ پونجی ہے، جہاں ملے لے لے۔ اور یہ ہے اسلام کا عام رحم و کرم جسکی نظیر دنیا کی تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔

سوال: مسلمانوں کے اس برتاؤ سے کیا کیا نتیجے پیدا ہوتے ہیں؟

جواب: (۱) اسلامی رواداری (۲) دشمنوں پر احسان (۳) اخلاق کے ذریعہ سے اسلام کی تبلیغ، (۴) تعلیم کی اہمیّت اور ضرورت۔ چنانچہ کافروں کے استاذ بنانے سے بھی پرہیز نہ کیا گیا۔

سوال: حالتِ جنگ کی مختصر کیفیت بیان کرو۔

جواب: زمین اور آسمان دنیا کی تمام عمر میں ایک نیا تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ میدان کے ایک کونے پر چند آدمی کھڑے ہوئے ہیں، کپڑے پھٹے ہوئے، چہرے فاقوں سے مرجھائے ہوئے، پاؤں ننگے، کوئی صرف لنگی باندھے ہوئے ہے، کسی کے بدن پر پھٹا ہوا کرتا بھی ہے۔ چند آدمیوں کے ہاتھ میں چیتھڑوں سے لپٹی ہوئی تلواریں اور باقی ہیں کہ اُن کے ہاتھ میں لاٹھیاں ڈنڈے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ دنیا بھر میں دس پانچ کے علاوہ کل یہی ہیں۔ نہ کوئی مددگار ہے نہ غم خوار، نہ کمک پہنچانے والا، نہ زخمیوں کے پٹی باندھنے والا۔ شہید ہوں تو دفن کرنے والا بھی کوئی نہیں۔ نہ فتح پر کوئی جلوس نکالنے والا ہے، نہ شکست پر کوئی ان کے ساتھ مل کر رونے والا۔

اللہ رے ہمّت، ٹوٹے پھوٹے ہیں مگر استقلال کے پہاڑ ہیں۔ مچلے ہوئے ہیں کہ ہم حق پر ہیں، سچّے نبی کے پیرو، فتح ہماری ہے۔ بدن ننگے ہیں مگر اللہ کی حفاظت پر دلیر۔ حقیقت یہ ہے کہ مقابلہ سخت سے سخت ہے۔ امتحان بہت کٹھن، دنیا یقیناً اس کی مثال سے خالی ہے۔[۱]

اُنکا سردار ایک جھونپڑی کے نیچے زمین پر سر رکھے ہوئے ہے، آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ زبان پر فتح کی دعا، بار بار یہ الفاظ ادا کر رہا ہے: خدایا! یہ مٹھی بھر تیرے پوجنے والے بندے، اگر آج مٹا دیے گئے تو دنیا میں کوئی تیرا نام لینے والا نہ رہیگا۔

[۱] یہی وجہ ہے کہ ان تین سو تیرہ حضرات کا مرتبہ سب سے بلند اور ان کے نام نامی آج تک مسلمانوں کی مشکلات کے لیے حِرزِ جان۔

خداوندی وعدوں سے خوش بھی ہیں، مگر اس کی بے نیازی کا خوف بھی دل میں بیٹھا ہوا ہے۔ اسی میدان کے دوسری طرف خون خوار نوجوانوں کا بھاری لشکر پہاڑ کی طرح جما ہوا ہے۔ عیش اور دولت کی رونق چہروں پر، آنکھوں میں تکبّر اور غرور کی مستی، سروں پر لوہے کے خود ہیں، زرہوں کی جگمگاہٹ سے گویا سمندر لہریں مار رہا ہے، ہتھیاروں کی چمک سے آنکھیں چکاچوند ہو رہی ہیں۔

عربی گھوڑوں پر سواروں کا دستہ آگے ہے۔ سات سو اونٹ پیچھے جن پر بلا کے تیر انداز جمے ہوئے۔ سیکڑوں کی مقدار میں پیادہ فوج، چاروں طرف ابوجہل، عتبہ، شیبہ، امیّہ بن خلف جیسے جرنیل مناسب موقعوں پر ان کی کمان کر رہے ہیں۔ ایک ایک سردار ہے کہ سارے لشکر کی رسد اپنے ذمہ لیے ہوئے۔

ارادہ کیے ہوئے ہیں کہ مٹھی بھر ننگے اور نہتے فقیروں کو پلک جھپکتے خاک میں ملا دیں گے۔ آن کی آن میں اُن کے دھڑوں کو زمین پر تڑپا دیں گے، مگر بے خبر ہیں کہ خدا کی طاقت ان تمام مادّی آلائشوں سے بالکل پاک ہے۔ اس کی امداد ہتھیاروں اور اونٹ گھوڑوں کے جھگڑوں سے بہت بالا۔

اسی متکبّر جماعت میں سے تین بہادر[1] نکلتے ہیں، غرور کے لہجہ میں پکارتے ہیں: کون ہے جو ہمارے مقابلہ پر آئے؟ لشکرِ اسلام میں سے تین جانباز[2] بہادر آگے بڑھتے ہیں، مگر یہ تینوں انصاری ہیں۔ تکبّر کی حد ہوگئی کہ یہ غرور کے بدمست پتلے ناک چڑھا کر پکارتے ہیں: نہیں! ہماری برادری کے نوجوان سامنے آئیں، ان کسانوں سے مقابلہ ہماری توہین ہے۔

فوراً حضرت حمزہ، حضرت علی، حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہم بھوکے شیر کی طرح میدان میں آکر گرجتے ہیں۔ ایک طرف ستھری میانوں سے دوسری طرف چیتھڑوں سے تلواریں نکلتی ہیں اور ایک دوسرے کے خاتمہ کے لیے آگے بڑھتی ہیں، لیکن جگمگاہٹ کی چکاچوند

---

[1] عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ۔ (زاد المعاد: ۳/۱۴۰) [2] حضرت عبداللہ ابن رواحہ، حضرت عوف بن عفرا، حضرت معوذ بن عفرا رضی اللہ عنہم۔ (زاد المعاد: ۳/۱۴۰)

سے جب دیکھنے والوں کی آنکھیں کھلیں تو دیکھا کہ تینوں کافر زمین پر ڈھیر ہیں۔ البتہ مسلمانوں میں سے صرف حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ سخت زخمی ہوئے۔ جن کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فوراً مونڈھے پر بٹھالیا، محبوب رب العالمین کی رحمت نے فوراً شفقت کی گودی میں چھپالیا، پائے مبارک پر تکیہ لگا کر ان کو لٹا دیا۔ دست مبارک سے چہرہ کی گرد صاف فرمائی۔ شہیدِ وفا نے یہ انداز دیکھا تو اپنی موت بھول گیا، آنکھیں قدموں سے رگڑیں اور اپنی خوش قسمتی پر ناز کرتا ہوا دنیا سے رخصت ہوا۔ اس کے بعد دونوں فوجیں حرکت میں آئیں۔ گھمسان لڑائی کا آغاز ہوا۔ مگر جب تلواریں سوتی گئیں تو عجب تماشا تھا۔ اپنے عزیز واقارب، جگر کے ٹکڑے، آنکھوں کے نور تلواروں کے سامنے تھے۔

اگر ایک طرف خدا اور اس کے سچّے مذہب کے نام پر اگر تمام رشتہ ناطے ختم ہو چکے تھے تو دوسری طرف تکبّر، غرور، خودغرضی، کفر وظلم کے سپاہیوں نے محبّت اور پیار کے نور کو مٹا دیا تھا۔ بہر حال ایک گھمسان لڑائی کا نتیجہ حق والوں کی فتح تھی، جس کا بہت پہلے وعدہ کیا گیا تھا۔

سوال: ابوجہل کی موت کس طرح ہوئی؟

جواب: مُعوّذ اور مُعاذ رضی اللہ عنہما دو انصاری حقیقی بھائی تھے، ان دونوں نوعمروں نے عہد کیا تھا کہ ابوجہل کو بغیر مارے نہ چھوڑیں گے، مگر خود ابوجہل کو نہ پہچانتے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے دریافت کرکے اس کو پہچانا۔ باز کی طرح اس پر ٹوٹ پڑے اور ایک ہی وار میں زمین پر گرا دیا۔[1]

---

[1] ابوجہل کا بیٹا عکرمہ (جو بعد میں اسلام سے مشرف ہوئے) پیچھے سے لپکا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا مونڈھا اسکے حملے سے کٹ گیا، صرف ایک تسمہ باقی رہ گیا، لیکن یہ ہمت کا دیوتا اب بھی اسی طرح مصروفِ جہاد تھا، جب لٹکتے ہوئے مونڈھے سے فریضۂ جہاد کی ادائیگی میں کچھ الجھن پیدا ہوگئی تو ہاتھ کو پاؤں کے نیچے دبا کر اس تسمہ کو بھی الگ کر دیا، اور ایک ہاتھ سے تلوار چلاتا ہوا صف میں گھس گیا اور فتح ونصرت کے جلو میں تھوڑی دیر بعد بارگاہِ رسالت پناہ میں حاضر ہوا۔

سوال: اس جنگ کا فائدہ کیا ہوا؟

جواب: (۱) بڑا فائدہ یہ تھا کہ مسلمانوں کی تھوڑی سی جماعت جواب تک کسی شمار میں نہ لائی جاتی تھی، اب ایک مستقل قوم بن گئی۔(۲) اُس کی دھاک تمام قریش پر چھا گئی۔(۳) عرب کی نظراس کی طرف خاص وقعت سے پڑنے لگی۔

سوال: کیااس فتح نے مسلمانوں کی مشکلات میں کچھ اضافہ بھی کردیا؟

جواب: اسلام کی مشکلات میں اضافہ ضروری تھا، کیونکہ:

(۱) قریش پہلے سے زیادہ مقابلہ کے لیے مستعد ہوگئے۔(۲) چنانچہ مدینہ کے یہودیوں پر پہلے سے زیادہ سختی کے ساتھ زور دیا کہ مسلمانوں کی مخالفت کریں۔ (۳) ابوسفیان نے عہد کرلیا کہ جب تک مسلمانوں سے بدلہ نہ لوں گا سر نہ دھوؤں گا۔[۱] (۴) عرب کے دوسرے قبیلے بھی اب چوکنے ہوگئے۔(۵) خاص کر مدینہ کے یہودیوں کے کینہ اور کپَٹ کی کوئی حد نہ رہی۔(۶) بالآخر قبیلہ بنوقَینُقاع نے فوراً ہی بدعہدی شروع کردی اور پھر اُسی سال جنگ کا اعلان کردیا۔

سوال: بنوقَینُقاع کے اعلانِ جنگ پر حضور ﷺ نے کس طرح مقابلہ کیااور نتیجہ کیا ہوا؟

جواب: حضور ﷺ نے ان کے قلعہ کا محاصرہ کیا کیونکہ مقابلہ سے بچ کر یہ لوگ قلعہ بند ہوگئے تھے، مگر پھر محاصرہ سے تنگ ہوکر شام چلے گئے۔

سوال: یہ محاصرہ کب شروع ہوا، کتنے روز رہا، اس عرصہ میں مدینہ کا خلیفہ کون رہااور جھنڈا کس کے پاس تھا؟

جواب: ۱۵رشوال[۲] ۲ھ روز سنیچر (ہفتہ) سے یہ محاصرہ شروع ہوا، جو پندرہ روز متواتر رہا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ علم بردار تھے، اور مدینہ کے خلیفہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ۔

---

[۱] زادالمعاد:۳/۱۴۶　[۲] صحیح تاریخ ۱۲رشوال ہے کیونکہ ۱۵رشوال کو سہ شنبہ (منگل) تھا۔

سوال: ان لوگوں کی تعداد کیا تھی اور کیا کام کرتے تھے؟

جواب: تقریباً چھ سو مرد لڑنے والے تھے اور باقی بوڑھے بچے، عورتیں، ان کا پیشہ تجارت اور زرگری تھا۔

سوال: اس سال کل غزوے کتنے ہوئے اور دستے کتنے روانہ کیے گئے؟

جواب: غزوے کل پانچ اور دستے تین۔

۲ھ
کے بڑے بڑے واقعات

سوال: اس سال کے اور بڑے بڑے واقعات کیا ہیں؟

جواب: (۱) مسلمان بیت المقدّس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔ ہجرت سے سولہ ماہ بعد ۲ھ میں حکم ہوا کہ اب کعبہ کی طرف رُخ کیا جائے۔

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی جو عرصہ سے بیمار تھیں اور جن کی بیماری کے باعث حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بدر کی شرکت سے روک کر فرمایا تھا کہ بیمار کی تیمار داری کرو، مگر ثواب جنگ بدر کے جہاد کا ملے گا۔

سب انبیاء علیہم السلام سے افضل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عجیب امتحان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں جنگ میں مصروف ہیں اور صاحب زادی کوچ میں مشغول۔ چنانچہ اس مبارک فتح کی خبر مدینہ طیّبہ میں اُس وقت پہنچی جب کہ صاحبزادی صاحبہ کو دفن کر کے لوگ مٹی سے ہاتھ جھاڑ رہے تھے۔[۱]

(۳) روزے (۴) زکوٰۃ (۵) صدقۂ فطر (۶) عید و بقر عید کی نماز کا حکم (۷) قربانی (۸) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح۔

---

[۱] مبسوط سرخسی: ج ا

خلاصہ

قریش کے قافلہ کو جو شام سے آرہا تھا، روکنے کے لیے ۱۲/رمضان ۲ھ کو حضور ﷺ مدینہ سے روانہ ہوئے، لیکن وہ قافلہ راستہ کاٹ کر نکل گیا اور کفارِ مکّہ کا ایک بڑا لشکر مقامِ بدر پر مقابلہ کے لیے آپہنچا۔ ۱۷/رمضان ۲ھ کو بدر کا مشہور واقعہ پیش آیا، جس میں مسلمان کل تین سو تیرہ تھے۔ جن کے پاس کل دو گھوڑے تھے اور ستر اونٹ، ایک ایک اونٹ پر کئی کئی آدمی سوار تھے اور چند تلواریں۔ دوسری طرف ایک ہزار کے قریب جوان تھے۔ تمام ساز و سامان سے آراستہ۔ خداوندِ عالم نے اس موقعہ پر مسلمانوں کو بہت بڑی فتح عنایت فرمائی۔ قریش کے وہ مسلّمہ سردار جنھوں نے ہجرت کے وقت حضور ﷺ کے قتل کا مشورہ دیا تھا، جن کی تعداد چودہ تھی۔ ان میں سے گیارہ مارے گئے جن میں ابوجہل بھی تھا، ۵۹ آدمی ان کے علاوہ مارے گئے، ستر کافر گرفتار کیے گئے۔ مسلمان کل چودہ شہید ہوئے، جو ستر گرفتار ہوئے تھے اُن کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا، فدیہ کی مقدار چار ہزار درہم تھی۔ امیروں پر اس سے کچھ زائد اور جن کے پاس کچھ نہ تھا، اُن کا فدیہ یہ قرار دیا گیا کہ دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔

۳ھ

جنگِ غَطُفان واُحد وغیرہ

سوال: ۳ ہجری کی بڑی اور مشہور لڑائیاں کونسی ہیں؟

جواب: جنگِ غطفان اور جنگِ اُحد۔

سوال: جنگِ غطفان کسی حملہ کا جواب تھا یا حضور ﷺ کی طرف سے حملہ؟

جواب: حملہ کا جواب تھا۔

سوال: حملہ کس نے کیا تھا؟

جواب: دُعثُور نے۔

سوال: ''دُعثُور'' کون تھا اور ''غطفان'' کسے کہتے ہیں؟

جواب: دُعثُور ایک شخص کا نام ہے، جس کے باپ کا نام حارث تھا اور قبیلہ بنی محارب کا

رہنے والا، اور غطفان ایک قبیلہ کا نام ہے۔

سوال: یہ حملہ کیوں ہوا اور کہاں، اور حضور ﷺ نے اسکے جواب میں کیا کیا اور نتیجہ کیا ہوا؟

جواب: اس حملہ کی وجہ کفار کا وہی ارادہ تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کو نیست و نابود کر دیا جائے، جس کو بدر کی فتح نے اور بھی زیادہ مضبوط اور چست کر دیا تھا۔ چنانچہ دُعْثُور ایک بڑی جماعت کو لے کر مدینہ کی طرف چلا کہ مسلمانوں کو زک پہنچائے۔ حضور ﷺ کو علم ہوا تو آپ مقابلہ کے لیے مدینہ سے باہر تشریف لائے مگر ''دُعْثُور'' اور اُسکے ساتھی رعب کھا کر پہاڑوں میں جا چھپے اور حضور ﷺ مطمئن ہو کر میدان سے واپس ہوئے۔

سوال: یہ حملہ کب ہوا اور دُعْثُور کے لشکر کی تعداد کتنی تھی؟

جواب: ربیع الاوّل ۳ہجری کو ہوا اور دعثور کے ساتھ ۴۵۰ آدمی تھے۔

سوال: یہ لوگ کون سے قبیلہ کے تھے؟

جواب: قبیلہ بنی ثَعلبہ اور بنی مُحارِب کے۔[1]

سوال: دعثور کی واپسی کفر کی حالت میں ہوئی یا مسلمان ہو کر؟

جواب: مسلمان ہو کر۔

سوال: وہ کس طرح مسلمان ہوا؟

جواب: اس سفر میں اتفاقاً کچھ بارش ہو گئی تھی۔ میدان سے واپس ہو کر حضور ﷺ نے کپڑے اتارے اور ایک درخت پر سوکھنے کے لیے ڈال دیے۔ شاہِ دوعالم ﷺ اُن کے سایہ میں آرام فرمانے کے لیے زمین پر لیٹ گئے۔ لشکر کے آدمی کچھ فاصلہ پر تھے۔ دعثور نے پہاڑ کے اوپر سے حضور ﷺ کو تنہا دیکھا اور موقع مناسب سمجھ کر فوراً حضور ﷺ کے سرہانے پہنچا اور تلوار کھینچ کر بولا: بتاؤ! اب

[1] دروس التاریخ الاسلامی

تمھیں کون بچائے گا؟ ''میرا خدا'' یہ اس سچّے رسول کا جواب تھا جو اپنے خدا پر پورا پورا بھروسہ رکھتا تھا، مگر نہ معلوم ان چند سادہ کلموں کی کیا تاثیر تھی کہ دعثور کانپ اُٹھا، تلوار ہاتھ سے چھوٹ گئی اور ششدر رہ گیا۔

حضور ﷺ نے تلوار ہاتھ میں اُٹھالی اور فرمایا: ''بتاؤ! تمھیں کون بچائے گا؟'' دعثور خاموش تھا، کیونکہ اس کا بھروسہ ظاہری طاقت پر تھا وہ خدا کو نہ پہچانتا تھا اور وہ اب کفر کی عاجزی اور بے چارگی کو محسوس کر رہا تھا، اس کے پاس اس کے سوا کوئی جواب نہ تھا ''کوئی نہیں۔'' حضور ﷺ کو اس کی بے چارگی پر رحم آیا اور معاف فرما کر چھوڑ دیا، مگر اس سچّائی اور سچّے بھروسے کا اس پر اتنا اثر ہوا کہ نہ صرف وہ خود مسلمان ہوگیا، بلکہ اپنی قوم کے لیے اسلام کا زبردست مبلّغ بن گیا۔

یہ تھے اخلاق اُس مقدّس رسول کے جو اخلاق، شرافت کو مکمّل کرنے کیلئے آیا تھا۔

خلاصہ

۳ھ ہجری میں دعثور نے بنی محارب اور بنی ثعلبہ کے قبیلوں سے ۴۵۰ آدمی لے کر مدینہ پر چڑھائی کر دی۔ حضور ﷺ اسکے مقابلہ کیلئے باہر تشریف لائے تو وہ پہاڑوں میں چھپ گئے۔ حضور ﷺ کامیابی کے ساتھ واپس ہوئے۔ حضور ﷺ کے اخلاق کا دعثور پر ایسا اثر ہوا کہ وہ مسلمان ہو کر واپس ہوا اور پھر اسلام کی تبلیغ کرتا رہا۔

جنگِ اُحد

سوال: اُحد کس کو کہتے ہیں اور اس لڑائی کا جنگِ اُحد کیوں نام ہے؟

جواب: مدینہ کے قریب ''اُحد'' ایک پہاڑ کا نام ہے۔ اسی جگہ حضرت ہارون علیہ السلام کی قبر بھی ہے اور چوں کہ یہ لڑائی اس مقام پر ہوئی تھی اس وجہ سے اس جنگ کو ''جنگِ اُحد'' کہتے ہیں۔

سوال: یہ لڑائی کن لوگوں سے ہوئی اور کب ہوئی؟

جواب: مکّہ کے کافروں سے ۷/شوال ۳ھ بروز دوشنبہ (پیر)

سوال: اس جنگ کی کیا وجہ تھی؟

جواب: جنگِ بدر کی شکست کا بدلہ لینا جس کا کافر اسی وقت سے انتظار کر رہے تھے۔[۱]

سوال: اس لڑائی میں کتنے مسلمان تھے، کتنے کافر؟

جواب: مسلمان سات سو، اور کافر تین ہزار۔

سوال: کیا منافق بھی شریک ہوئے تھے؟

جواب: شروع میں تین سو منافق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے تھے جس سے مسلمانوں کے لشکر کی تعداد ایک ہزار ہوگئی تھی، مگر ان کا سردار عبداللہ بن ابی بن سلول غداری کر کے راستہ ہی سے سب کو واپس لے آیا۔

سوال: مسلمانوں اور کافروں کا سامانِ جنگ بیان کرو۔

جواب: کافروں کے پاس سات سو زرہیں تھیں۔ دو سو گھوڑے، تین ہزار اونٹ اور چودہ عورتیں، جو جوش اور غیرت دلا کر جذبۂ انتقام کی آگ بھڑکا رہی تھیں۔ مسلمانوں کے پاس صرف پچاس گھوڑے تھے۔

سوال: اسلامی لشکر کا جھنڈا کس کے پاس تھا؟

جواب: حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے پاس۔

سوال: اسلامی لشکر کے سردار تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے، مگر لشکر کفار کا سردار کون تھا؟

جواب: ابوسفیان۔

سوال: مدینہ کا خلیفہ کون ہوا؟

جواب: حضرت ابن امّ مکتوم رضی اللہ عنہ۔

---

[۱] چنانچہ مکّہ میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ جب تک بدلہ نہ لے لیں، اس وقت تک اپنے مرے ہوئے عزیز کو کوئی نہ روئے۔ اسی طرح ابوسفیان نے غسل نہ کرنے کا عہد کیا تھا، جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

سوال: حضور ﷺ کو کفار کے اس حملہ کی کیسے خبر ہوئی؟

جواب: حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو اسلام لا چکے تھے، مگر ابھی تک مکّہ ہی میں رہتے تھے، انہوں نے تمام حالات لکھ کر حضور ﷺ کے پاس بھیج دیے۔ آپ نے فوراً دو آدمی تحقیقات کے لیے روانہ کیے، جنھوں نے آکر خبر دی کہ کفار کا لشکر مدینہ کے پاس آپہنچا اور ''عَیْنَین'' مقام پر ٹھہرا ہوا ہے۔

سوال: اس لڑائی کی تفصیلات بیان کرو۔

جواب: چوں کہ شہر پر حملہ کا خوف تھا، لہٰذا اطلاع پاتے ہی شہر کے ہر طرف پہرہ بٹھا دیا گیا، پھر صبح کو صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ مدینہ میں رہ کر مقابلہ کیا جائے یا باہر نکل کر، طے یہ ہوا کہ مقابلہ کے لیے باہر نکلا جائے۔ چنانچہ حضور ﷺ سات سو مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ روانہ ہوئے۔ مقابلہ پر پہنچے تو دونوں طرف سے صفیں مرتب کی گئیں۔

چوں کہ ''اُحد'' پہاڑ اسلامی فوج کی پشت پر تھا اور اس طرف سے حملہ کا خطرہ تھا۔ اس لیے حضور ﷺ نے پچاس آدمیوں کو وہاں کھڑا کر دیا اور یہ تاکید فرمادی کہ مسلمانوں کو فتح ہو یا شکست مگر تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو ان کا افسر مقرر فرمادیا۔ لڑائی شروع ہوئی اور گھمسان لڑائی دیر تک رہی۔[1] جب فوجیں کچھ ہٹیں تو مسلمانوں کا پلہ بھاری تھا اور قریش کی جماعت بچھڑ گئی تھی۔ مسلمان آگے بڑھے اور مالِ غنیمت جمع کرنا شروع کر دیا۔

پہاڑی والا دستہ بھی یہ دیکھ کر جھپٹا، اُنکے سردار نے بہت کچھ روکا، اور حضور ﷺ کی تاکید یاد دلائی۔ مگر یہ جواب دیا کہ جب فتح ہوگئی تو اب کیا خوف، مگر عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ چند آدمی بدستور پہاڑی پر رہے۔

خالد بن ولید قریش کے بڑے جرنیل تھے (جو ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے) انہوں

[1] حتی کہ کفار کے جھنڈے پر سات یا نو آدمی مارے گئے۔ (زاد المعاد: ۳/۱۵۱)

نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور فوراً ایک دستہ لے کر پہاڑی پر پہنچ گئے۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور باقی ماندہ ساتھیوں نے بے جگری سے مقابلہ کیا، مگر آخر کار شہید ہو گئے۔ اور خالد بن ولید اپنے دستہ کے ساتھ پشت کی طرف سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے، سامنے کی طرف سے بھاگتے ہوئے کافر بھی ٹھہر گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان بیچ میں آ گئے اور دونوں طرف سے کافروں کا ایسا سخت حملہ ہوا کہ ایک کو دوسرے کی خبر نہ رہی، مسلمان مسلمان کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ اسلامی فوج کے علم بردار حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی اسی میں شہید ہو گئے، لیکن فوراً ہی شیرِ خدا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا سنبھال لیا۔

ایک وحشت ناک نظارہ

خبر مشہور ہوئی کہ (نصیبِ دشمناں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے۔ اس خبر سے اسلامی فوج میں اور بھی مایوسی چھا گئی۔ بڑے بڑے بہادروں نے ہتھیار ڈال دیے، لیکن ہاں اس خیال نے کہ پیارے آقا کے بعد زندگی بے کار ہے، جو سب سے پہلے حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کے دل میں پیدا ہوا، انہوں نے چمن جنّت کی مہک سونگھی اور اسی میں تیر و تلوار اور نیزہ کے تقریباً نوے زخم کھا کر ہمیشہ کیلئے مست ہو گئے۔ مگر وہ خیال ایک بارود تھا، جس نے مایوسی کی سوزش کو جوش اور استقلال کا شعلہ بنا کر بھڑکا دیا، بیٹھے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے، تلواریں سونتیں اور پھر بھو کے شیر بن گئے۔ یہاں تک کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی مشتاق آنکھ اُس قبلۂ مقصود کے نظارہ سے مشرّف ہوگئی، جس کا دیدار آج تمام مسلمانوں کی آنکھوں کے لیے آخری تمنّا بنا ہوا تھا۔ مشتاقِ دیدار کا تڑپتا ہوا دل برداشت نہ کر سکا۔ بے اختیار ایک آواز نکلی:

> ''مسلمانو! مبارک ہو، تمہاری گردنوں کے مالک، سروں کے تاج اور روحوں کے آقا خیریت سے ہیں۔''

اس مبارک آواز کا سننا تھا کہ بے جان مسلمانوں کی روحیں قالبوں میں اُچھل پڑیں۔ ایک تازہ زندگی کی لہر نے مایوسیوں کا خاتمہ کر دیا۔ اُکھڑے ہوئے قدم جم گئے۔ سرفروش

صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے مالک کی طرف دوڑے، مگر ساتھ ہی اس خبر نے کفار کے حملہ کا رخ سب طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کر دیا۔ پے در پے حملے شروع ہو گئے، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم محفوظ رہے۔ اسی دوران میں جب کہ ایک مرتبہ کفار کا حملہ بہت سخت تھا، شاہِ دو جہاں کی زبان مبارک سے یہ ارشاد صادر ہوا۔

''کون مجھ پر جان دیتا ہے؟'' فوراً پانچ[۱] گردنیں جھکیں، جن میں حضرت زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ بھی تھے اور بے جگری سے مقابلہ کرتے ہوئے قدموں پر نثار ہو گئے۔

مگر قریش کا مشہور بہادر عبداللہ بن قمیئہ[۲] گھات لگا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ ہی گیا۔ چہرۂ انور پر تلوار سے حملہ کیا۔ جس سے خَود کی دو کڑیاں روئے مبارک میں گھس گئیں۔ ایک دندان مبارک[۳] بھی شہید ہو گیا، صحابہ نے اس کو لے لیا۔[۴]

زخمی آفتاب سے خود کی کڑیاں نکالنے کے لیے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جھپٹے، مگر ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے قسم دی ''خدا کے لیے اس خدمت کا موقعہ مجھے عنایت ہو'' کڑیاں اس قدر گڑی ہوئی تھیں کہ ہاتھ سے نکالنا مشکل ہوا۔

دانتوں سے ایک کڑی نکالی، جس سے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا ایک دانت گر گیا۔ دوسری کڑی نکالنے کے لیے پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے، لیکن فدائے حق ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے دانتوں کا شوقِ شہادت ابھی سیر نہ ہوا۔ انہوں نے پھر قسم دے کر فوراً ہی دوسری کڑی بھی دانتوں میں لے لی جس سے نکالنے کیساتھ دوسرا دانت بھی نذر کر دیا۔ لیکن مشتاقِ شہادت چہرۂ انور کی دو کڑیوں کے مقابلہ میں دو دانتوں کو کیا سمجھ سکتا تھا۔[۵]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد ماجد حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے خون چوسنا

---

[۱] یہ کم سے کم تعداد ہے، سات اور دس کی روایتیں بھی ہیں۔　[۲] زاد المعاد میں یہ نام نہیں ملا، البتہ زاد المعاد میں اس موقع پر ''عمرو بن قمیئہ'' کا ذکر ہے۔ تکلیف پہچانے والوں میں دوسرا شخص عتبہ بن ابی وقاص تھا۔ (زاد المعاد: ص ۳/۱۵۱)

[۳] دانت نیچے کا تھا۔ (زاد المعاد: ۳/۱۵۱)　[۴] اسی گھمسان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم (روحی فداہ) اس گڑھے میں بھی گرے، جو ابو عامر نے کھود کر پاٹ رکھا تھا، مگر فوراً ہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دست مبارک پکڑا۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے بغل بھر لی۔ (زاد المعاد: ۳/۱۵۱)　[۵] کنز العمال، زاد المعاد: ۳/۱۵۱

شروع کر دیا، اگر چہ وہ اس سے بہت زیادہ تھا مگر ایک قربان ہونے والے دل کا یہی ولولہ تھا۔

رحمتِ عالم ﷺ کی عام شفقت

کفار کا حملہ اس حالت میں بھی کم نہ تھا، لیکن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ پر چھائے ہوئے تھے اور ان کی تلواروں اور تیروں کو اپنی پُشت اور پہلوؤں پر لے رہے تھے۔ حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ جھک کر حضور ﷺ کی ڈھال بن گئے تھے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے ایک پہلو تیروں اور تلواروں کے سامنے کر دیا تھا۔ چنانچہ اُن کا ہاتھ کٹ کر گر گیا، لیکن وہ ایک گوشت کا ٹکڑا تھا جو مست نظارہ کے بدن سے گر گیا۔ بعد میں دیکھا گیا تو جاں باز طلحہ رضی اللہ عنہ کے بدن پر ستر زخم تھے۔ بد بخت کفار حسد اور بغض کی آگ تیروں اور تلواروں سے برسا رہے تھے اور خبیث کینہ کی خونی پیاس بجھانے کی ہر طرح کوشش کر رہے تھے، مگر جو نبی تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا، اُس کی رحم پرور زبان اب بھی اسی دعا میں مشغول تھی:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَايَعْلَمُوْنَ.

"اے میرے پروردگار! میری قوم کو معاف فرما، وہ جانتے نہیں۔"

خون کے فوارے چہرۂ انور سے جاری تھے، مگر حضور ﷺ پوری احتیاط فرما رہے تھے کہ کوئی قطرہ زمین پر نہ گرے، ورنہ خدا کا قہر نبی کے خون کا بدلہ لے گا اور ساری قوم تباہ ہو جائے گی۔

سوال: کفار کی فوج میں سے پہلے کس نے حملہ کیا؟
جواب: ابو عامر فاسق نے جس کا نام عبداللہ بن عمرو صیفی تھا۔[1]

---

[1] یہ ابو عامر دراصل مدینہ کا رہنے والا تھا اور اسلام سے پہلے قبیلۂ اوس کا سردار تھا۔ جب مدینہ میں اسلام کا چرچا شروع ہوا اور لوگ حضور ﷺ کے گرویدہ ہونے لگے تو یہ حسد کی وجہ سے حضور ﷺ سے کھلم کھلا دشمنی کرنے لگا۔ آخر کار مدینہ سے نکل کر چلا گیا اور قریش سے جا ملا۔ ان کو ہمیشہ حضور ﷺ کی دشمنی پر اور مسلمانوں سے جنگ کرنے پر بھڑکاتا رہا۔ اس نے اس جنگ کے موقع پر قریش کو اطمینان دلایا تھا کہ جب میری قوم مجھ کو دیکھے گی تو حضور ﷺ =

سوال: اس غزوہ میں شکست کیوں ہوئی؟

جواب: باہمی اختلافات اور حضور ﷺ کے ارشادِ گرامی کی تعمیل نہ کرنے سے، جیسا کہ پہلے معلوم ہوا۔

سوال: اس سے کیا سبق حاصل ہوا؟

جواب: سردار اور جنرل کا حکم ماننا لازم ہے، مگر یہ کہ کھلّم کھلا غلطی ہو یا شریعت کے خلاف ہو۔

سوال: اس لڑائی میں کتنے مسلمان شہید ہوئے اور کافر کتنے مرے؟

جواب: ستر مسلمان شہید ہوئے اور کافر ۲۲ یا ۲۳ مرے۔[1]

سوال: اس سال میں اور کتنی لڑائیاں ہوئیں، غزوے کتنے اور سریہ کتنے؟

جواب: ایک غزوہ اور ہوا، یعنی غزوۂ حمراء الاسد اور دو سریّے۔

سوال: اِس سال کے اور بڑے بڑے واقعات کیا ہیں؟

جواب: (۱) اُمّ المومنین حضرت حفصہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح۔ (۲) شراب حرام ہوئی۔ (۳) حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

سوال: یہ نکاح کس کس ماہ میں ہوئے؟

جواب: حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے شعبان میں اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے رمضان میں۔

خلاصہ

۷ رشوال روز دوشنبہ (پیر) ۳ ہجری میں اُحد پہاڑی کے پاس وہ مشہور جنگ ہوئی، جس کو جنگِ اُحد کہتے ہیں۔ جس میں کفارِ مکّہ نے تین ہزار فوج کی جمعیّت سے غزوۂ بدر کا بدلہ لینے کے لیے مدینہ پر حملہ کیا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اطلاع سے جب حضور ﷺ کو خبر ہوئی تو مشورہ کے بعد خدا کے نام پر سات سو مسلمان

= کا ساتھ چھوڑ کر میرے ساتھ آملے گی۔ لیکن یہاں جب اپنی قوم کو بلانا چاہا تو معاملہ برعکس تھا۔ کہنے لگا: میرے بعد میری قوم بگڑ گئی، پھر سختی سے مقابلہ کیا۔ اس کو ابو عامر راہب ''سادھو'' کہا جاتا تھا، حضور ﷺ نے اس کو ''ابو عامر فاسق'' کہا۔ (زاد المعاد: ۳/۱۵۰) [1] زاد المعاد: ۱/۲۵۵

مقابلہ کے لیے نکلے۔ اوّل اوّل عبداللہ بن ابی منافق بھی تین سو کی فوج مسلمانوں کے ساتھ لے کر چلا تھا۔ مگر پھر غداری کی اور راستہ ہی سے واپس ہوگیا۔ مسلمان اسی بے سروسامانی میں تھے اور کافروں کے پاس سات سو زرہیں تھیں۔ دو سو گھوڑے، تین ہزار اونٹ۔ جوش کی یہ حالت تھی کہ چودہ عورتیں بھی قومی ترانے پڑھنے کے لیے ساتھ آئی تھیں۔ بہر حال فوجیں ترتیب دی گئیں، حضور ﷺ نے ایک دستہ پچاس آدمیوں کا اسلامی فوج کی پشت کی طرف اُحد پہاڑی پر بٹھا دیا کہ اس طرف سے حملہ نہ ہو سکے۔ اوّل اوّل مسلمانوں کو فتح ہوئی اور غنیمت کا مال لینا بھی شروع کر دیا، مگر پھر شکست ہوئی، حتیٰ کہ حضور ﷺ زخمی ہوگئے۔ دندان مبارک شہید ہوگیا۔ عبداللہ بن قمیئہ[1] نے موقع پا کر حضور ﷺ پر تلوار سے حملہ کر دیا۔ چہرۂ انور میں خود کی دو کڑیاں گھس گئیں جن کو ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے اپنے دانتوں سے نکالا۔ مگر ان کے دو دانت بھی گر گئے۔ کفار تیر برسا رہے تھے جن کو صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہجوم اپنے اوپر لے رہا تھا۔ حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ حملوں کے سامنے کمر کیے ہوئے تھے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بازو پر تیروں اور تلواروں کے حملے لے رہے تھے۔ بازو شل ہوگیا اور ستر زخم بدن مبارک پر آئے۔ یہ سب کچھ ہو رہا تھا، مگر رحمتِ عالم کی زبان مبارک پر اب بھی یہی تھا:

''خدایا! میری قوم کو معاف فرما، وہ مجھے پہچانتے نہیں۔''

شکست کی وجہ صرف پشت والے دستہ کی غلطی تھی۔ اُس نے حضور ﷺ کا مطلب غلط سمجھا اور جلد بازی سے کام لیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

۴ھ

خون بے گناہ

سوال: ۴ھ ہجری میں کتنے غزوے ہوئے اور کتنے دستے روانہ کیے گئے؟

جواب: دو غزوے ہوئے: بنو نضیر کا غزوہ اور بدر کی چھوٹی لڑائی، اور چار دستے روانہ کیے گئے۔

سوال: بنو نضیر تو مدینہ کے یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا، اس سے جنگ کیوں ہوئی اور کس طرح؟

جواب: پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ یہودیوں نے اس معاہدہ کی پابندی نہ کی تھی جو امن و امان

[1] اس نام کے بارے میں تحقیق کے لیے صفحہ ۱۲۳ حاشیہ ۲ دیکھیں۔

قائم رکھنے کے لیے آنحضرت ﷺ نے مدینہ تشریف لانے کے بعد فوراً ہی کرلیا تھا۔ اس کی مخالفت پہلے تو بنوقَینُقاع نے کی، چنانچہ ان کو نکلنا پڑا۔ اب بنونضیر نے کی، لہٰذا ان کو بھی جلاوطن ہونے کا حکم دیا گیا، مگر عبداللہ بن ابی اور یہودیوں کے دوسرے قبیلے ''بنوقریظہ'' کے اُبھارنے سے انہوں نے جنگ کی تیاری کی۔ حضور ﷺ نے اُن پر چڑھائی کی۔ وہ لوگ قلعہ میں بند ہوگئے، کچھ دن اُن کا محاصرہ رہا، آخرکار مجبور ہوکر جلاوطنی کو منظور کرلیا۔

سوال: کیا اُن لوگوں کو سامان لے جانے کی بھی اجازت تھی یا سامان ضبط کرلیا گیا؟
جواب: حکم یہ ہوا کہ ہتھیاروں کے علاوہ جس قدر وہ سامان اونٹوں پر لاد کر لے جاسکیں وہ لے جائیں۔[1]

سوال: مدینہ کا خلیفہ کس کو قرار دیا گیا اور یہ محاصرہ کتنے روز رہا؟
جواب: خلیفہ حضرت ابن اُمّ مکتوم رضی اللہ عنہ کو بنادیا گیا تھا اور محاصرہ چھ روز رہا۔[2]

سوال: انہوں نے بدعہدی کس طرح کی؟
جواب: حضور ﷺ کے قتل کی سازش کی۔

سوال: اس سازش کی تفصیل بیان کرو؟
جواب: ۴ ہجری کا ذکر ہے کہ حضور ﷺ ایک قومی چندہ کے سلسلہ میں بنونضیر کے محلے میں تشریف لے گئے۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو ایک دیوار کے نیچے بٹھادیا اور ایک شخص ابن حجاش نامی کو متعیّن کردیا کہ وہ اوپر سے ایک بھاری پتھر پھینک کر حضور ﷺ کی زندگی کا خاتمہ کردے۔

سوال: پھر حضور ﷺ کس طرح بچ گئے؟
جواب: خداوندِ عالم نے آپ کو اس شرارت سے مطلع فرمادیا۔

[1] زاد المعاد: ۳/ ۱۰۷　　[2] زاد المعاد: ۳/ ۱۱۱

سوال: یہود کے ذاتی بغض اور کینہ کے علاوہ کیا اس کا سبب کچھ اور بھی تھا؟

جواب: قریش کے کفار کا ایک خط بھی اس کا سبب تھا جو انہوں نے بدر کی شکست کے بعد مدینہ کے یہودیوں کے نام لکھا تھا۔

سوال: اس خط کا مضمون کیا تھا؟

جواب: تم طاقت ور ہو، تمہارے پاس قلعے بھی ہیں۔ تم محمد سے لڑو۔ ورنہ ہم تمہارے ساتھ بھی ایسا اور ایسا کریں گے، تمہاری عورتوں کی پازیب تک اُتار لیں گے۔

سوال: بنونضیر مدینہ سے کس طرح نکلے اور پھر کہاں جا بسے؟

جواب: چھ سو اونٹوں پر اپنا اسباب لادا۔ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے گرایا، باجے بجاتے ہوئے نکلے اور خیبر جا بسے۔

سوال: ان کی جائیدادوں اور زمینوں کا کیا ہوا؟

جواب: بحق حضور ﷺ ضبط کر لی گئیں۔

سوال: ان کے پاس سے کتنے ہتھیار ملے؟

جواب: پچاس زرہیں، پچاس خود، تین سو چالیس تلواریں۔[1]

سوال: چار دستے جو اس سال بھیجے گئے، اُن میں بیرِ معونہ[2] والا دستہ سب سے زیادہ کیوں مشہور ہے؟

جواب: کیونکہ اس میں ستر صحابہ حفاظِ قرآن رضی اللہ عنہم کو انتہائی بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا گیا۔

سوال: ان لوگوں کو کہاں بھیجا گیا تھا اور کیوں اور لوگوں نے کس وجہ سے شہید کر دیا؟

جواب: اصل یہ ہے کہ ان حضرات کو نجد والوں کی تبلیغ کے لیے بھیجا گیا تھا، مگر جب یہ حضرات اُس مقام پر پہنچے جو "بیرِ معونہ" کے نام سے مشہور ہے تو چند قبیلے لڑائی

---

[1] زاد المعاد: ۳/ ۱۰۸　[2] بیر کے معنی "کنواں" اور بیرِ معونہ ایک کنواں ہے نجد کی جانب۔

کے لیے کھڑے ہو گئے اور اتفاق ایسا ہوا کہ ایک ''حضرت کعب بن زید رضی اللہ عنہ''
کے علاوہ سب حضرات شہید کر دیے گئے۔

سوال: اس دستے کے سردار کون تھے؟

جواب: ''منذر'' پسر عمرو انصاری رضی اللہ عنہ۔

سوال: کیا اس دستے کی روانگی میں کسی کی سازش بھی تھی؟

جواب: ابو براء عامر کا فریب تھا۔ اس نے یقین دلایا تھا کہ یہ تبلیغ کامیاب ہوگی اور یہ لوگ محفوظ رہیں گے، کیونکہ نجد کا حاکم میرا بھتیجا ہے، مگر پوشیدہ طور پر قبائل کو قتل کے لیے آمادہ کیے ہوئے تھا۔

سوال: وہ قبیلے کون تھے جنھوں نے یہ ظلم کیا؟

جواب: عامر، رِعل، ذکوان، عُصَیَّہ۔

سوال: یہ روانگی کب ہوئی؟

جواب: ماہِ صفر ۴ھ ہجری میں۔

سوال: اس سال کے اور بڑے بڑے واقعات کیا ہیں؟

جواب: (۱) حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی پیدائش (۲) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ یہود کی لکھائی سیکھ لیں۔[۱]

خلاصہ

۴ھ ہجری میں بنو نضیر نے اپنی عداوت اور قریش کے بھڑکانے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش کی۔ جس پر ان کو مدینہ سے نکال دیا گیا اور وہ خیبر جا کر آباد ہو گئے۔ اور اسی سال بیر معونہ کا مشہور واقعہ پیش آیا جس میں ستر حفّاظِ قرآن کو عامر، رعل، زکوان اور عصیہ قبیلے والوں نے شہید کر دیا تھا جو ابو براء عامر کی پرفریب درخواست کی بنا پر نجد والوں کی تبلیغ کے لیے جا رہے تھے۔

[۱] دروس التاریخ الاسلامی

۵ھ

غزوۂ خندق یا غزوۂ احزاب

سوال: ۵ھ ہجری کی سب سے بڑی لڑائی کونسی ہے؟

جواب: احزاب یا خندق کا غزوہ۔

سوال: اس کو غزوۂ احزاب کیوں کہتے ہیں؟

جواب: اس لیے کہ اس جنگ میں عرب کی بڑی بڑی جماعتیں ایک ہوکر مدینہ پر چڑھ آئی تھیں۔ اس لیے اس کو غزوۂ احزاب کہتے ہیں، کیونکہ احزاب کے معنی ہیں: جماعتیں۔ حزب: جماعت، اس کی جمع احزاب۔

سوال: اس جنگ کو غزوۂ خندق کیوں کہتے ہیں؟

جواب: اس لیے کہ اس جنگ میں مدینہ کے گرداگرد خندق یعنی کھائی کھودی گئی تھی۔

سوال: اس جنگ کی وجوہ کیا تھیں؟

جواب: وہی کفار کی پرانی دشمنی اور اسلام کو مٹا دینے کی ۱۸ سالہ تمنّا جس کا اثر بدر اور اُحد کے بعد تمام عرب میں پھیلنے لگا تھا۔ چنانچہ دُعثور کا حملہ اور بیرِ معونہ وغیرہ کے واقعات اسی کا نتیجہ تھے۔

سوال: اس جنگ میں کون کون لوگ شریک تھے؟

جواب: عرب کے بت پرست کافر اور یہودی۔

سوال: اس جنگ کی تیاریاں کس کس فریق نے کس کس طرح کیں اور کیا کیا سازش عمل میں لائی گئی؟

جواب: اس سے پہلے صرف عرب کے کافر باہر سے حملہ کیا کرتے تھے، مگر بنونضیر اور بنوقَینُقاع کے یہودی جو اپنی بدعہدیوں کے باعث مدینہ سے نکال دیے گئے

تھے، اس مرتبہ نہ صرف یہ کہ حملہ آوروں کی صف میں تھے، بلکہ وہ سازش کرنے میں برابر کے شریک تھے۔ دوسری طرف مکّہ کے کافروں نے دوسرے قبیلوں کے بھڑکانے میں جان توڑ کوشش کی اور تقریروں اور قصیدوں کے ذریعہ سے عرب کی تمام بڑی بڑی جماعتوں میں جوش پیدا کر دیا۔ چنانچہ مکّہ سے مدینہ تک تمام قبیلوں میں عداوتِ اسلام کی ایک آگ سی لگ گئی اور حقیقت یہ ہے کہ اس سال جو چھوٹی چھوٹی لڑائیاں واقع ہوئیں، وہ اسی سلسلہ کی کڑیاں تھیں اور آخر کار سب نے ایک ہو کر مدینہ پر ہلّہ بول دیا۔

سوال: یہ حملہ کون سے مہینہ میں ہوا؟

جواب: ذی قعدہ میں۔

سوال: غزوۂ خندق میں مسلمان کتنے تھے اور کافروں کے متفقہ لشکر کی تعداد کتنی تھی؟

جواب: مسلمان کل تین ہزار اور کافروں کی تعداد اوّل اوّل دس ہزار تھی۔ پھر اس سے بڑھ کر تقریباً دوگنی ہوگئی۔

سوال: یہودیوں کا تیسرا قبیلہ جو ابھی تک مدینہ میں آباد تھا، یعنی بنوقریظہ، اس نے اس موقعہ پر کیا کیا؟

جواب: بدعہدی کی اور لڑنے والوں کے ساتھ مل گیا، جس سے ان کی تعداد میں بہت کچھ اضافہ ہوگیا۔

سوال: اس موقع پر خندق کیوں کھودی گئی تھی؟

جواب: پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ کفار کی تعداد بہت کچھ تھی اور مسلمان کل تین ہزار۔ اس کے علاوہ خود مدینہ کے رہنے والے بنوقریظہ کے یہودی۔ اگرچہ اوّل اوّل انہوں نے لڑائی کا اعلان نہ کیا تھا، مگر ان کی طرف سے خطرہ بہت پختہ تھا۔ چنانچہ بعد کو کھل گیا۔ اس سب سے زیادہ منافقوں کی خاصی جماعت علیحدہ آستین کا سانپ

بنی ہوئی تھی۔ لہٰذا مناسب نہ سمجھا گیا کہ مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کی جائے، بلکہ مدینہ میں رہ کر مقابلہ کی رائے ہوئی اور جس طرف سے کفار کے گھس آنے کا خیال تھا اس طرف ایک کھائی کھود دی گئی۔[1]

سوال: خندق کھودنے کی رائے کس نے دی تھی؟

جواب: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے۔

سوال: یہ خندق کن لوگوں نے کھودی؟

جواب: تمام مسلمانوں نے جن میں خود حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود تھے۔

سوال: اس خندق کے کھودنے میں کتنے دن صرف ہوئے؟

جواب: چھ روز۔

سوال: یہ خندق کتنی گہری کھودی گئی؟

جواب: پانچ گز۔

سوال: اس خندق کے پار کفار کتنے دنوں گھیرا ڈالے (محاصرہ کیے ہوئے) پڑے رہے؟

جواب: پندرہ روز۔

سوال: اس زمانہ میں مسلمانوں کی اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا حالت رہی؟

جواب: مسلمانوں پر تین تین دن کے فاقے گزر گئے۔ کمر کو سہارا دینے کے لیے پیٹ پر پتھر باندھے رکھتے تھے۔ ایک دن صحابہ رضی اللہ عنہم نے دربارِ رسالت میں بھوک کی شکایت کی اور پیٹ کے پتھر کھول کر دکھائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا شکم مبارک بھی کھول کر دکھایا تو ہر ایک مسلمان کے پیٹ پر ایک پتھر تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شکم مبارک پر دو۔

---

[1] ایک طرف "سلع" پہاڑ تھا۔ اس کے سامنے خندق کھودی گئی۔ مسلمان سلع پہاڑ اور خندق کے بیچ میں رہے اور خندق کے اس پار کافر۔ (زادالمعاد: ۳/ ۱۹۸)

مشغولیت کی یہ حالت تھی کہ ایک روز حضور ﷺ کی چار نمازیں بھی قضا ہو گئیں۔ خندق کھودتے کھودتے ایک مرتبہ پتھر کی بہت بڑی چٹان نکل آئی جس سے سب صحابہ عاجز ہو گئے۔ بالآخر مشکلات کی پناہ یعنی حضور ﷺ سے شکایت کی۔ حضور ﷺ کا یہ معجزہ تھا کہ وہ پتھر جس کو صحابہ ہلا بھی نہ سکے تھے حضور ﷺ کے ایک وار نے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

سوال: اس محاصرہ کا خاتمہ کس طرح ہوا؟

جواب: پندرہ روز کے عرصہ میں کفار کا سامانِ رسد بھی ختم ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ ایک بزرگ تھے حضرت نُعَیم بن مسعود رضی اللہ عنہ، انہوں نے ایک تدبیر کی جس سے خود کفار کے لشکر میں پھوٹ پڑ گئی۔ اس طرف خداوندِ عالم کی طرف سے غیبی امداد ہوئی۔ آندھی کا ایسا طوفان آیا کہ تمام خیمے اُکھڑ گئے، چولہوں سے دیگچیاں اُلٹ گئیں، ان واقعات نے کفار کو بدحواس بنا دیا اور وہ محرومی کے ساتھ بھاگے۔

سوال: کیا اس موقعہ پر کچھ جنگ ہوئی؟

جواب: جب کفار خندق کو نہ پھاند سکے تو انہوں نے مسلمانوں پر پتھر اور تیر پھینکے، جس کا جواب مسلمانوں نے بھی دیا اور ہاں ایک دو کافر پھاند بھی آئے[1] جن سے تلوار کی دوبدو جنگ ہوئی۔

سوال: بنو قریظہ کے اس دھوکے کا کیا جواب دیا گیا؟

جواب: جنگ احزاب سے فراغت کے بعد اُن پر حملہ کیا گیا۔ حملہ کی وجہ یہ بھی تھی کہ بنو نضیر کا سردار ''حیّی بن اخطب''، جس نے ان کو غداری پر آمادہ کیا تھا ان ہی کے پاس مقیم تھا۔ مگر یہ لوگ قلعہ میں گھس گئے، پچیس روز برابر محاصرہ جاری رہا۔ آخر کار مجبور ہو کر حضور ﷺ سے درخواست کی کہ قبیلۂ اوس کے سردار حضرت سعد بن

[1] ان میں ایک ''عمرو بن عَبدِ وُدّ'' تھا جو عرب کا بہت بڑا بہادر تھا جس کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے قتل کر دیا۔

معاذ رضی اللہ عنہ کو پنچ قرار دیا جائے۔ جو وہ فیصلہ کریں گے وہ منظور ہوگا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے یہودیوں کی شریعت کے مطابق ہی فیصلہ صادر فرمایا تھا جس کا حاصل یہ تھا: (۱) لڑ سکنے والے مرد قتل کیے جائیں۔ (۲) عورتیں اور بچے غلام بنا لیے جائیں۔ (۳) مال تقسیم کیا جائے۔

بہرحال اس فیصلہ پر ایک حد تک عمل کیا گیا۔

سوال: اس موقع پر اسلامی جھنڈا کس کے پاس تھا اور مدینہ کا خلیفہ کون ہوا؟

جواب: جھنڈا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دیا گیا تھا[۱] اور مدینہ کے خلیفہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ۔

سوال: بنو قریظہ اور خندق کی جنگ میں کتنے مسلمان شہید ہوئے؟

جواب: تقریباً دس۔[۲]

سوال: کیا جنگِ خندق اور بنو قریظہ کے علاوہ کوئی اور جنگ بھی اس سال ہوئی؟

جواب: تین غزوے ہوئے: (۱) ذات الرقاع (۲) دومۃ الجندل (۳) بنی مصطلق۔ مگر مقابلہ صرف جنگِ بنی مصطلق میں ہوا اور فتح ہوئی۔

سوال: کیا اس سال کچھ دستے بھی روانہ کیے گئے؟

جواب: نہیں۔

سوال: اس سال کے اور بڑے بڑے واقعات کیا ہیں؟

جواب: (۱) ماہِ جمادی الاولیٰ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حضرت عبداللہ نے وفات پائی۔ جو حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا مرحومہ کے بطن سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے۔ (۲) بعض علماء کے قول کے مطابق شوّال میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

[۱]، [۲] زاد المعاد: ۳/۱۱۱

کی والدہ نے وفات پائی۔ (۳) ۸ر جمادی الثانیہ کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ذی قعدہ میں حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا۔ (۴) مدینہ میں زلزلہ آیا۔ (۵) چاند گرہن ہوا۔ (۶) عموماً علماء کا خیال ہے کہ حج بھی اسی سال فرض ہوا۔[1]

خلاصہ

۵ھ ہجری میں یہودیوں اور قریش نے مل کر مسلمانوں کو تباہ کر دینے کے لیے آخری کوشش کی۔ تمام عرب کے بڑے بڑے قبیلوں کو متحد کر کے اسلام پر حملہ کیا۔ مدینہ کے باقی ماندہ یہودیوں (بنو قریظہ) نے بھی مسلمانوں سے غداری کر کے کفار کا ساتھ دیا۔ دس ہزار کا لشکرِ جرّار مدینہ طیّبہ پر حملہ آور ہوا۔ موجودہ حالات کا لحاظ رکھتے ہوئے باہر نکل کر مقابلہ کرنا مناسب نہ سمجھا گیا۔ لہٰذا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی رائے کے بموجب خطرناک ناکوں پر خندق کھود دی گئی۔ یہ تدبیر کامیاب ہوئی، کفار اس کو پھاند نہ سکے، مسلمان محفوظ رہے۔ ۱۵ روز تک برابر محاصرہ کیے رکھا۔ آخر کو کچھ غیبی امداد، کچھ باہمی پھوٹ، کچھ رسد کے ختم ہونے نے ان کو بھاگ جانے پر مجبور کیا۔ بنو قریظہ نے اوّل تو دھوکا دیا تھا۔ دوسرے ان کو بھڑکانے والا اسلام کا باغی حییّ بن اخطب بنو نضیر کا سرداران کے پاس ہی چھپا ہوا تھا۔

لہٰذا غزوۂ خندق سے فراغت کے بعد فوراً ہی بنو قریظہ پر حملہ کیا گیا، مگر وہ لوگ قلعہ میں گھس گئے۔ مجبور ہو کر قبیلۂ اوس کے مسلمانوں کو بیچ میں ڈالا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو پنچ قرار دیا جائے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان کی شریعت کے مطابق فیصلہ صادر کیا، جس کا حاصل یہ تھا: لڑ سکنے والے نوجوانوں کو قتل کیا جائے۔ عورتوں، بچوں کو غلام بنایا جائے۔ تمام مال تقسیم کر لیا جائے۔

---

[1] لیکن حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے سختی سے تردید کرتے ہوئے ۹ھ قرار دیا ہے۔ (زاد المعاد: ۱/۱۸۲)

۶ھ

امن وامان کا دور، ظلم وغرور کا خاتمہ، کفر کی شکست اور اسلام کی فتح، حُدَیبِیَہ کی صلح، بیعتِ رضوان، مسلمان ہونے کے لیے بادشاہوں کے پاس خطوط

سوال: ۶ ہجری کا سب سے بڑا واقعہ کیا ہے؟

جواب: حُدَیبِیَہ کی صلح۔

سوال: حُدَیبِیَہ کس چیز کا نام ہے؟

جواب: ایک کنوئیں کا نام ہے اور اسی کے نام سے اس کے قریب ایک گاؤں آباد ہے۔

سوال: یہ کنواں کہاں ہے؟

جواب: مکّہ معظّمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں کیوں تشریف لے گئے؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وطنِ مبارک یعنی مکّہ معظّمہ چھوڑے ہوئے قریب قریب چھ سال ہو گئے تھے۔ مکّہ معظّمہ وہ شہر تھا جو علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وطن ہونے کے، اللہ کے گھر کو بھی اپنے اندر لیے ہوئے تھا، اوّل تو وطن کا شوق، پھر خانۂ کعبہ یعنی خداوندِ عالم کی تجلّی گاہ جس کی طرف مسلمان دن میں پانچ مرتبہ نماز پڑھتے تھے اور جس کے گردا گرد طواف کرنا حج میں ان پر فرض ہوا تھا۔ اس کی زیارت کی تمنّا تمام مسلمانوں کے دل میں آگ لگائے ہوئے تھی۔

اس شوق وتمنّا کو پورا کرنا کے لیے ذی قعدہ ۶ہجری میں صحابہ کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّہ معظّمہ کی زیارت کا ارادہ فرمایا اور اس مقام تک پہنچے جس کا نام ''حُدَیبِیَہ'' ہے۔

سوال: مکّہ کے کافر حضور ﷺ اور تمام مسلمانوں کے جانی دشمن تھے، حضور ﷺ نے وہاں پہنچ کر مکّہ میں داخل ہونے کی کیا صورت نکالی؟

جواب: حضور ﷺ نے حُدَیبِیَہ پہنچ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکّہ بھیجا کہ قریش کو خبر کر دیں کہ حضور ﷺ کا مقصد اس سفر سے صرف خانۂ کعبہ کی زیارت ہے۔

سوال: کیا قریش نے اجازت دے دی؟

جواب: اجازت تو نہ دی، ہاں! سہل بن عمرو کو صلح کے لیے بھیجا۔ چنانچہ حضور ﷺ اور کفارِ قریش میں صلح ہوگئی۔

سوال: اس صلح میں کیا کیا باتیں طے ہوئیں؟

جواب: (۱) مسلمان اس وقت واپس ہوجائیں۔ (۲) آئندہ سال کعبہ مکرمہ کی زیارت کریں، مگر صرف تین دن قیام کر کے واپس ہوجائیں۔ (۳) ہتھیار لگا کر نہ آئیں۔ تلوار ساتھ میں ہو تو میان میں چھپی ہوئی۔ (۴) اگر کوئی شخص آپ کے پاس چلا جائے اس کو آپ واپس کر دیں اگرچہ مسلمان ہو کر جائے اور جو شخص آپ کے پاس سے واپس ہو کر ہمارے پاس آجائے گا اس کو ہم واپس نہ کریں گے۔[1] (۵) اس صلح کی مدت دس سال ہوگی۔ (۶) اس عرصہ میں کوئی جنگ نہ ہوگی، نہ بدعہدی اور دھوکا ہوگا۔

سوال: کیا اور قبیلے بھی اس معاہدے میں شریک ہوئے تھے؟

جواب: بنی خزاعہ حضور ﷺ کے ساتھ ہوگئے تھے اور بنی بکر قریش کے ساتھ اور یہ دونوں قبیلے بھی اس صلح میں داخل تھے۔[2]

سوال: یہ تمام شرطیں جو بظاہر مسلمانوں کیلئے بہت دبی ہوئی تھیں، کیوں منظور کی گئیں؟

جواب: خدا کا حکم یہی تھا۔

---

[1] زاد المعاد: ۳/۲۱۳　[2] مبسوط، زاد المعاد: ۳/۲۱۱

سوال: کیا مسلمانوں کو ان دبی ہوئی شرطوں سے ناگواری نہ ہوئی؟

جواب: بہت کچھ ناگواری ہوئی، یہاں تک کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''جب ہم حق پر ہیں تو کیوں دبیں۔'' مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تھا: ''خدا کا یہی حکم ہے۔'' اس پر سب نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔

سوال: قرآن پاک میں اس صلح کو فتحِ مبین کیوں کہا گیا؟

جواب: (۱) حقیقت میں یہ صلح بہت بڑی فتح ہے۔[۱] گزشتہ کے خیال سے تو اس لیے کہ مسلمانوں کی وہ مٹھی بھر جماعت جس کو تباہ کرنا کفار بائیں ہاتھ کا کھیل سمجھتے تھے اور جس کو معاذ اللہ فقیروں اور بھوکوں کی ایک بھیڑ کہا کرتے تھے، جس سے منہ لگا کر بات کرنا بھی ان کے غرور کے مخالف تھا۔ مکّہ والوں بلکہ تمام عرب کی کوشش کے باوجود اس کا فنا نہ ہونا اور اس قوی جماعت کا مجبور ہو کر صلح کی طرف ہاتھ بڑھانا حقیقت میں مسلمانوں کے لیے بہت بڑی فتح ہے۔ کیونکہ قوی کا مجبور ہو کر کمزور سے صلح کرنا کمزور کی فتح ہوا کرتی ہے۔

---

[۱] تھوڑے تامل سے معلوم ہوسکتا ہے کہ کفارِ مکّہ بھی اب اس صلح کے لیے مجبور تھے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت اگر چہ چھوٹی تھی۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی تدبیروں اور اس جماعت کی سرفروشی اور فداکاری نے اس بڑی جماعت کو ناک چنے چبوا دیئے تھے۔ ایک طرف جن قبیلوں سے ممکن ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کر لی۔ دوسری طرف کفار مکّہ کی تجارت اور آمدنی کے ذریعے کو نقصان پہنچا کر اسے پریشان کر دیا، اس کے علاوہ مسلمانوں کی فداکاری نے ان کے چھکے چھڑائے ہوئے تھے۔ چنانچہ اسی صلح حُدَیبیہ کے موقع پر سہل بن عمرو سے پہلے عروہ نامی گفتگو کرنے آیا۔ اس نے جا کر اپنی قوم کو ان الفاظ میں صلح کا مشورہ دیا۔ میں نے بڑے بڑے بادشاہوں کے درباروں کو دیکھا ہے۔ مگر یہ جاںنثاری، یہ قربانی خدا کی قسم کہیں نہیں دیکھی۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جب تھوکتے ہیں تو واللہ! وہ تھوک زمین پر نہیں گرتا۔ وہ کسی مسلمان کی ہتھیلی پر گرتا ہے، جس کو وہ فوراً ہی اپنے منہ اور اپنے سر پر مل لیتا ہے اور اس میں بھی چھینا جھپٹی شروع ہو جاتی ہے، خدا کی قسم ایسی قربان ہونے والی جماعت سے کامیابی ناممکن ہے۔ بس حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں سے زیادہ نہ سہی تو یقیناً مسلمانوں کے برابر کفارِ مکّہ بھی صلح کے آرزومند تھے۔

(۲) آئندہ کے لحاظ سے اس لیے کہ اس کے فائدے بہت عالیشان تھے۔ مثلاً:
(الف) قریش کے نرغے کے باعث مسلمانوں کو اب تک موقع نہ ملا تھا کہ تمام عرب میں چل پھر کر اسلام کی تبلیغ کر سکیں۔ اور کفار کی طرف سے اسلام کے بدنام کرنے اور اس کے متعلق غلط خیالات پھیلانے کی حالت یہ تھی کہ خود مکّہ کے بہت سے آدمی اب تک اسلام کی حقیقت سے ناواقف تھے۔ اس صلح نے مسلمانوں کو کافروں سے ملنے اور ان کے سامنے اسلام کی حقیقت پیش کرنے کا دروازہ کھول دیا۔ چنانچہ اس کے بعد تھوڑے ہی دنوں میں مسلمانوں کی تعداد میں اس قدر ترقی ہوئی کہ اس سے پہلے عرصہ میں اس قدر ترقی نہ ہوئی تھی۔
اس وقت تک کل مسلمانوں کی تعداد تقریباً دو ڈھائی ہزار تھی، لیکن اس سے دو سال بعد فتحِ مکّہ کے لیے جو فوج گئی، اس میں کمزوروں اور عورتوں بچوں کے علاوہ صرف فوج کی تعداد دس ہزار تھی۔
(ب) حضور ﷺ تمام دنیا کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ مگر اب تک کفارِ مکّہ کے نرغہ کے باعث عرب کے علاوہ دوسرے ملکوں میں تبلیغ کا موقع نہ مل سکا تھا۔ اب صلح و امن کی حالت میں وہ آسان ہو گیا، چنانچہ حضور ﷺ نے دوسرے ملکوں کے بادشاہوں کے نام خطوط لکھے۔

سوال: عمرہ کسے کہتے ہیں اور احرام باندھنے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: حج کی طرح عمرہ بھی ایک عبادت کا نام ہے جس میں مکّہ معظّمہ پہنچ کر خاص خاص عبادتیں ادا کی جاتی ہیں۔ عمرہ اور حج کا فرق ایسا ہی ہے جیسے فرض اور نفل کا۔
حج ایک خاص وقت میں ادا کیا جاتا ہے، عمرہ کے لیے کسی وقت کی قید نہیں اور جس طرح حج سے پہلے خاص خاص کپڑے پہنے جاتے ہیں اسی طرح عمرہ کے لیے بھی خاص خاص کپڑے پہنے جاتے ہیں جس کو احرام باندھنا کہتے ہیں۔

سوال: حُدَیْبِیَہ پہنچ کر حضور ﷺ سے کیا معجزہ ظاہر ہوا؟

جواب: حُدَیْبِیَہ کا کنواں بالکل خشک تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اس میں ایک تیر ڈال دو۔ خدا کے حکم سے اس میں اتنا پانی آ گیا کہ سب کے لیے کافی ہوا اور بچ گیا۔

سوال: بیعتِ رضوان کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جب حضور ﷺ نے مکّہ بھیجا تھا تو کفارِ مکّہ نے آپ کو وہاں ٹھہرالیا تھا۔ دیر ہونے پر فکر ہوئی۔ اور یہ خبر بھی مشہور ہوگئی کہ خدانخواستہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اس وقت حضور ﷺ نے ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہ سے لڑائی کا معاہدہ کیا، یعنی بیعت لی۔ اسی کا نام ''بیعتِ رضوان'' ہے۔

سوال: اس معاہدہ یا بیعت میں کیا بات رکھی گئی تھی؟

جواب: یہ کہ ہم میدان سے نہ ہٹیں گے۔

سوال: اس بیعت پر جو کہ انتہائی بے کسی کی حالت میں ہوئی تھی خدا کی طرف سے کیا انعام نازل ہوا، اور اس کو بیعتِ رضوان کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب: خداوندی خوشنودی کا تمغہ عنایت ہوا۔ چنانچہ قرآن پاک میں ان کے متعلق ارشاد فرمایا گیا: لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ. (الفتح:۱۸) ''خداوندِ عالم خوش ہوگیا مسلمانوں سے جب کہ وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کررہے تھے۔''

اسی وجہ سے اس کو بیعتِ رضوان کہتے ہیں۔ رضوان کے معنی خوشنودی۔

سوال: اس سال اور کتنے غزوے ہوئے اور کتنے دستے روانہ کیے گئے؟

جواب: دو غزوے ہوئے۔ غزوۂ لحیان اور غزوۂ غابہ جس کو جنگ ذی قَرَد بھی کہتے ہیں اور گیارہ دستے روانہ کیے گئے۔

سوال: اس سال کے اور بڑے بڑے واقعات کیا ہیں؟

جواب: (۱) حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کا مسلمان ہونا۔
(۲) دنیا کے بادشاہوں کے پاس اسلام کے خطوط کی روانگی۔

سوال: ان دونوں حضرات کے اسلام لانے کو بڑے بڑے واقعات میں کیوں شمار کیا گیا ہے؟

جواب: اس لیے کہ یہ دونوں بہت بڑے بہادر اور بہت بڑے جرنل تھے، جن سے بہت بڑے بڑے کارنامے حالتِ کفر میں بھی ظاہر ہوئے تھے اور حالتِ اسلام میں بھی۔

خلاصہ

ذی قعدہ ۶ ہجری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکّہ معظّمہ کے ارادہ سے چودہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہمراہ لے کر روانہ ہوگئے، مگر جب مقامِ حُدَیْبِیَہ پر پہنچے تو آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکّہ معظّمہ روانہ کیا کہ ارادہ مبارک کی اطلاع کردیں، مگر کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو داخل ہونے سے منع کردیا۔ ہاں! صلح ہوگئی جس کی رُو سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دیا گیا کہ چند شرطوں کے ساتھ آئندہ سال آکر بیت اللہ کی زیارت کرلیں، چونکہ اس صلح کے فائدے بہت بڑے بڑے تھے اس وجہ سے خداوندی کلام نے اس کو ''فتحِ مبین'' کہا ہے۔

(۲)

دنیا کے بادشاہوں کے پاس دعوتِ اسلام کے خطوط

سوال: کن کن بادشاہوں کے پاس اسلام لانے کے لیے خطوط بھیجے گئے اور کن کن کے ذریعے سے، وہ بادشاہ کہاں کہاں کے تھے اور کیا کیا جواب دیئے؟

جواب: مندرجہ ذیل نقشہ سے ان کے جوابات کو حاصل کرلو:

نمبر	بادشاہ کا نام	کہاں کا بادشاہ	خط کون لے کر گیا	جواب اور نتیجہ
۱	اصحمہ[۱] لقب نجاشی	ملک حبشہ	حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ	نہایت خوشی سے اسلام قبول کیا، نامۂ مبارک کو آنکھوں پر رکھا اور تخت سے اُتر کر نیچے بیٹھ گیا۔
۲	ہِرَقْل	روما یعنی اٹلی	حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ	اسلام لانے کا ارادہ کرلیا۔ مگر رعیت کے بگڑ جانے کے خوف سے رک گیا اور جواب دیا کہ میں سچ جانتا ہوں، مگر مجبور ہوں۔
۳	خسرو پرویز	ایران، افغانستان وغیرہ	حضرت عبداللہ بن حُذَافہ رضی اللہ عنہ	بد بخت نے نامہ مبارک کو چاک کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا اس کے ملک کے اسی طرح ٹکڑے کر دے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔
۴	جریج پسر مینا لقب مقوقس	مصر و اسکندریہ	حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ	دل میں اسلام کی حقانیت پیدا ہوئی۔ چنانچہ نامہ مبارک کو ہاتھی دانت کے ڈبہ میں بند کرا کے مہر لگوا کر خزانہ میں رکھوا دیا، مگر جواب دیا کہ میں اس پر غور کروں گا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چند تحفے بھیجے جن میں حضرت ماریہ قبطیہ بھی تھیں، ایک سفید خچر تھا۔[۲] جسکا نام دُل دُل تھا اور روایت ہے کہ ایک ہزار دینار اور بیس جوڑے ارسال کیے۔

[۱] حبشی لفظ ہے جس کے معنی ہیں عطیّہ اور بخشید ن (سرور المحزون) ۹ھ ہجری میں وفات پائی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھی (سرور المحزون)، مگر محقّقین کا خیال یہ بھی ہے کہ جس پر نماز پڑھی گئی بیشک اس کا نام اصحمہ ہی تھا، مگر اس کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سفارت نہیں بھیجی، بلکہ آپ جب مکّہ میں تھے تب ہی وہ مسلمان ہوگیا تھا اور یہ دوسرا ہے جو اس کی جگہ تخت نشین ہوا۔ اسکے اسلام میں بھی اختلاف ہے۔ واللہ اعلم!

[۲] خچر سفید مائل بسیاہی تھا جو آخر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سواری میں رہا (سرور المحزون)، حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا=

نمبر	بادشاہ کا نام	کہاں کا بادشاہ	خط کون لے کر گیا	جواب اور نتیجہ
۵	جَیْفَر اور عبد اللہ پسران جُلندی رضی اللہ عنہ	عمّان	حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ	مسلمان ہوگئے اور زکوٰۃ جمع کر کے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے سپرد کردی۔
۶	منذر بن ساوی	بحرین	حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ	خود بھی مسلمان ہوگئے اور رعایا کا بھی اکثر حصّہ
۷	حارث بن ابی شَمِر	بادشاہ بلقاء[۱] حاکم دمشق و گورنر شام	شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ	سفیر کو عزت کے ساتھ رخصت کیا، مگر اسلام کے شرف سے محروم رہا۔
۸	ہُوذَہ بن علی	یمامہ	سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ	سفیر کی عزت کی، مگر جواب دیا کہ اگر آدھی حکومت اسلام پر میری تسلیم کرلی جائے تو میں مسلمان ہوجاؤں گا، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہ فرمایا اور ہُوذَہ مسلمان نہ ہوا۔
۹	حارث بن عبد کلال	قبیلۂ حِمیَر	حضرت مہاجر بن ابی امیہ مخزومی رضی اللہ عنہ	جواب دیا: غور کروں گا۔
۱۰		شاہِ یمن	حضرت ابوموسیٰ اشعری وحضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما	بادشاہ بھی مسلمان ہوگئے اور رعیت بھی۔
۱۱	ذی الکلاع وذی عمرو	سرداران حمیر	حضرت جریر بن عبد اللہ بَجَلی رضی اللہ عنہ	مسلمان ہوگئے، مگر حضرت جریر رضی اللہ عنہ ابھی تک وہیں تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی۔

= کے ساتھ ان کی بہن سیرین اور ایک تیسری قیسریٰ نامی بھی تھیں۔ سیرین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا۔ ماریہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہیں جن سے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تھے۔ شہد اور کانچ کا بادیہ اور ایک گھوڑا جس کا نام ''لزاز'' تھا وہ بھی اس ہدیہ میں شامل تھا۔ زاد المعاد میں ایک ہزار مثقال سونا بیان کیا ہے، مگر ایک دینار بھی عموماً ایک مثقال کا ہوتا تھا۔ (زاد المعاد: ۱/ ۹۷) [۱] شام کے ایک شہر کا نام ہے۔ (سرور المحزون)

سوال: کیا ان کے علاوہ اور بادشاہوں کے نام بھی خطوط بھیجے گئے؟
جواب: بھیجے گئے۔[1]

سوال: یہاں ان کو کیوں نہیں ذکر کیا گیا؟
جواب: ان کی تفصیل یا تو عام طور سے روایتوں میں ہے نہیں اور اگر ہے تو اختلاف ہے، اس وجہ سے ذکر ضروری نہ سمجھا۔

سوال: کیا حضور ﷺ نے ان خطوط کے لیے کوئی خاص مہر بھی تیار کی تھی اور کیوں؟
جواب: تیار کی تھی، کیونکہ یہ کہا گیا کہ بادشاہ کسی کے خط کا اس وقت تک اعتبار نہیں کرتے جب تک اس پر مہر نہ ہو۔

سوال: وہ مہر کیا تھی؟
جواب: یہ محمد رسولُ اللہ تین سطر اوپر کی سطر میں محمد، پھر رسول، پھر اللہ۔ (محمد / رسول / اللہ)

سوال: ان سب سفیروں کو ایک ہی ساتھ روانہ کیا گیا تھا یا کچھ کچھ عرصہ کے بعد؟
جواب: نجاشی، ہرقل، کسریٰ، مقوقس، حارث بن ابی شَمَر غسّانی، اور ہُوذہ بن علی کے پاس ایک ہی تاریخ میں روانہ کیے گئے اور باقی کے پاس متفرق تاریخوں میں۔

سوال: وہ تاریخ کیا تھی؟
جواب: یکم محرم الحرام ۷ھ ہجری۔

سوال: اس سے پہلے یا بعد میں کچھ اور حاکم یا نواب مسلمان ہوئے ہوں تو ان کی تفصیل بیان کرو؟
جواب: جو حکمران مسلمان ہوئے ان میں سے چند کی تفصیل ذیل کے نقشہ سے معلوم ہو جائے گی:

[1] سنا گیا ہے کہ چین میں ایک مسجد ہے، اور وہ حضور ﷺ کے زمانہ کی ہے، اس کو حضور ﷺ کے سفیر نے بنوایا تھا جو چین تشریف لائے تھے، مگر بادشاہ مسلمان نہیں ہوا۔

نمبر	نام	علاقہ حکومت	کب مسلمان ہوئے	کیفیت
۱	جبلّہ[۱]	غسان	۷ھ	عرب کی یہ بہت بڑی اور مشہور حکومت تھی۔
۲	حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ	نجد	۶ھ	گرفتار کر کے لائے گئے۔ تین روز مسجد کے کھمبے سے بندھے رہے، جب چھوڑ دیئے گئے تو غسل کیا اور کلمۂ اسلام پڑھا۔
۳	حضرت فروہ بن عمرو خزاعی رضی اللہ عنہ	شام کے کچھ علاقہ کے گورنر از جانب قیصر		
۴	حضرت اکیدر رضی اللہ عنہ	دومۃ الجندل	۹ھ	
۵	ذی الکلاع حمیری رضی اللہ عنہ	یمن اور طائف کے چند ضلع اور قبیلۂ حمیر		اپنے آپ کو خدا کہلایا کرتے تھے۔ (معاذ اللہ) اسلام کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تاج وتخت کو لات مار کر مدینہ منورہ چلے آئے اور فقیرانہ زندگی بسر کی۔ جس روز مسلمان ہوئے ۱۸ ہزار غلام آزاد کیے۔

۷ھ

غزوۂ خیبر، فتحِ فَدَک اور عمرۂ قضا

سوال: ۷ ہجری میں سب سے بڑی لڑائی کونسی ہوئی؟

جواب: خیبر اور فَدَک کی لڑائی۔

سوال: یہ لڑائی کون سے ماہ میں ہوئی؟

جواب: جمادی الاوّل ۷ ہجری۔

---

[۱] جبلّہ اسلام لا کر کچھ دنوں کے بعد اسلام کی دولت سے محروم ہو گئے۔

سوال: اسلامی فوج کی تعداد کتنی تھی؟

جواب: تقریباً سولہ سو یا کچھ کم وبیش۔

سوال: اس لشکر کے سردار کون تھے، جھنڈا کس کے پاس تھا؟

جواب: سردار خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ جھنڈا جنگ کے روز حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دیا گیا۔

سوال: مدینہ طیّبہ کا خلیفہ کس کو بنایا گیا؟

جواب: حضرت سِباع بن ابی عَرفطہ رضی اللہ عنہ کو۔

سوال: یہ لڑائی کیوں ہوئی؟

جواب: یہ معلوم ہو چکا ہے کہ بنونضیر کے یہودی مدینہ سے اُجڑ کر خیبر چلے گئے تھے، اس کے بعد خیبر یہودیوں کا اڈا اور مرکز بن گیا۔ یہاں سے یہ لوگ اسلام کے برخلاف سازش کر کے مسلمانوں کے برخلاف کفار کو اُبھارتے تھے۔ چنانچہ احزاب کے موقع پر جو کچھ کیا گیا وہ پہلے معلوم ہو چکا ہے۔ لہٰذا حفاظتِ اسلام کے لیے ضروری ہوا کہ ان کے رَٹھان کو توڑ دیا جائے تا کہ ان کے شر سے امن ملے۔

سوال: اس لڑائی میں مسلمانوں کو فتح ہوئی یا شکست؟

جواب: فتح ہوئی، تمام قلعے مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے۔

سوال: خیبر کے یہودیوں کو نکال دیا گیا یا ان سے کوئی معاہدہ ہوا؟

جواب: ایک معاہدہ ہو گیا۔

سوال: وہ معاہدہ کیا تھا؟

جواب: (۱) جب تک مسلمان چاہیں گے ان کو خیبر میں رہنے دیں گے اور جب نکالنا چاہیں گے تو خیبر سے یہودیوں کو نکلنا ضروری ہوگا۔

(۲) پیداوار کا ایک حصّہ مسلمانوں کو دیا جائے گا۔

سوال: حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کو فاتحِ خیبر کیوں کہتے ہیں؟

جواب: اس لیے کہ جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا۔ اس جنگ کے کمانڈر وہی تھے۔ اس کے علاوہ خدا نے ان سے ایک خاص بہادری ظاہر کرائی، خیبر کا پھاٹک تنہا اُکھاڑ پھینکا باوجودیکہ وہ ستر آدمیوں سے بھی نہ اُٹھتا تھا۔

سوال: فَدَک پر کب چڑھائی ہوئی؟

جواب: اسی سفر میں خیبر کی فتح کے بعد حضور ﷺ نے فَدَک کی طرف رخ کیا۔

سوال: جنگ ہوئی یا نہیں اور نتیجہ کیا ہوا؟

جواب: فَدَک کے یہودیوں نے صلح کر لی، لہٰذا جنگ نہیں ہوئی۔

سوال: اس سال کتنے دستے بھیجے گئے اور کتنے غزوے ہوئے؟

جواب: غزوہ اس کے علاوہ کوئی نہیں، البتہ پانچ دستے متفرق موقعوں پر بھیجے گئے۔

سوال: اس سال کے اور بڑے بڑے واقعات کیا ہیں؟

جواب: (۱) گزشتہ سال صلح حُدَیْبِیَہ کے موقع پر جو طے ہوا تھا کہ اگلے سال عمرہ کریں گے۔ معاہدہ کی شرطوں کی پوری پابندی کے ساتھ اس سال وہ عمرہ ادا کیا گیا۔
(۲) حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا اسی سفر میں حضور ﷺ کے نکاح میں داخل ہوئیں۔

خلاصہ

چوں کہ بنونضیر کے یہودیوں نے مدینہ سے جا کر خیبر کو اپنی سازشوں کی پناہ گاہ بنالیا تھا، اس پر چڑھائی کی گئی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ میں جھنڈا تھا اور خدا نے فتح کا سہرا انھیں کے سر باندھا، خیبر کے بعد فدَک کی طرف حضور ﷺ متوجہ ہوئے، وہاں کے لوگوں نے صلح کر لی۔ گزشتہ سال والے عمرہ کی معاہدہ کے بموجب قضا کی گئی اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا۔

۸ھ

ایک نئے دشمن سے جنگ، اسلام کا آفتاب نصف النّہار پر، مُوتہ کی جنگ اور فتحِ مکّہ

سوال: ۸ ہجری کے بڑے بڑے واقعات کیا ہیں؟

جواب: موتہ کی طرف فوج کا جانا اور لڑائی اور مکّہ مکرمہ کی فتح۔

سوال: موتہ کہاں ہے؟

جواب: شام کے علاقہ میں دِمشق و بلقاء کے قرب و جوار میں۔[1]

سوال: یہ لڑئی کب ہوئی؟

جواب: جمادی الاوّل ۸ ہجری میں۔

سوال: یہ لڑائی کن لوگوں سے ہوئی؟

جواب: رومیوں سے جو بُصریٰ کے گورنر کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔

سوال: کیا اس سے پہلے بھی کوئی لڑائی رومیوں سے ہوئی تھی اور رومیوں کا مذہب کیا تھا؟

جواب: رومی عیسائی تھے اور تلوار کے ذریعہ سے اسلام اور عیسائیت کی یہ پہلی جنگ تھی جو دجال کے زمانہ تک باقی رہے گی۔

سوال: یہ جنگ کیوں ہوئی؟

جواب: بُصریٰ کے حاکم ''شُرَحْبِیل'' نامی نے حضور ﷺ کے قاصد حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تھا، جب کہ وہ اسلام کا پیغام لے کر اس کے پاس پہنچے تھے، اس کی سزا کے طور پر حضور ﷺ نے یہ فوج روانہ کی۔

[1] دروس التاریخ الاسلامی، ایضاً زاد المعاد: ۳/ ۲۷۷

سوال: جب کہ خود حضور ﷺ تشریف نہیں لے گئے تھے تو اس کو غزوہ کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب: اس لیے کہ اس لشکر کو حضور ﷺ نے نہایت عظیم الشان خاص خاص وصیتیں کی تھیں۔

سوال: وہ وصیتیں کیا تھیں؟

جواب: (۱) تمھیں گرجاؤں اور کُٹیوں میں کچھ لوگ ملیں گے جو دنیا چھوڑ چکے ہیں، ان کی طرف کوئی تعرض نہ ہو۔ (۲) عورت، بچہ، بوڑھا، ہرگز نہ قتل کیا جائے۔ (۳) درخت نہ کاٹے جائیں[۱]

سوال: اسلامی فوج کی تعداد کیا تھی اور شُرَحْبِیل گورنر بُصریٰ نے کتنی فوج تیار کی؟

جواب: اسلامی فوج کی تعداد کل تین ہزار تھی اور شُرَحْبِیل نے تقریباً ڈیڑھ لاکھ فوج فراہم کی تھی[۲]

سوال: اسلامی فوج کے سردار کون تھے؟

جواب: اوّل اس کا سردار حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا تھا، مگر حضور ﷺ نے یہ وصیّت بھی فرمادی تھی کہ اگر وہ شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ[۳] پسرِ ابو طالب جھنڈا لیں گے اور ان کے بعد بھی اگر ضرورت ہو تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ جھنڈا لیں گے۔

سوال: اس جنگ کا کیا نتیجہ ہوا؟

جواب: اس مٹھی بھر جماعت کا خدا نے وہ رُعب بٹھایا کہ ڈیڑھ لاکھ کا ٹڈی دل لشکر پیچھے ہٹے بغیر نہ رہ سکا اور حق تو یہ ہے کہ ڈیڑھ لاکھ کے جبڑوں میں سے تین ہزار کی مٹھی بھر جماعت کا بچ کر نکل آنا ہی بڑی بہادری اور اعلیٰ کامیابی ہے، البتہ یہ

---

[۱] دروس التاریخ الاسلامی [۲] دروس التاریخ الاسلامی، عموماً ڈیڑھ لاکھ۔ زادالمعاد میں ایک لاکھ (زادالمعاد: ۳/ ۲۷۸)

[۳] یعنی حضور ﷺ کے چچازاد اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حقیقی بھائی۔

ضرور ہوا کہ نامزد سردار تینوں ایک دوسرے کے بعد جھنڈے کی حفاظت میں شہید ہو گئے۔[۱]

سوال: ان تینوں کی شہادت کے بعد جھنڈا کس نے سنبھالا؟

جواب: خدا کی ایک تلوار جن کا نام خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھا خود آگے بڑھے، جھنڈا سنبھالا اور میدان جیت لیا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

فتحِ مکّہ

خدا کے گھر پر آسمانی بادشاہت کا جھنڈا نکالے ہوؤں کی کامیاب واپسی

سوال: مکّہ کب فتح ہوا؟

جواب: رمضان المبارک ۸ سنہ ہجری۔

سوال: اسلامی لشکر کی تعداد کس قدر تھی؟

جواب: دس ہزار۔

سوال: اس کے سردار کون تھے؟

جواب: سرورِ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم۔

سوال: مدینہ کا خلیفہ کس کو بنایا گیا؟

جواب: حضرت ابورُہم کلثوم بن حصین غفاری رضی اللہ عنہ یا حضرت ابن امّ مکتوم رضی اللہ عنہ کو۔

سوال: کفار مکّہ کی حرکتیں اگرچہ اس قابل ضرور تھیں کہ جب موقع ملتا اُن پر حملہ کیا جاتا،

---

[۱] صرف حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی لڑائی ہی جس قدر رعب بٹھا دے تھوڑا ہے، خدا کی پناہ! داہنا ہاتھ کٹ گیا تو جھنڈا بائیں ہاتھ میں لیا اور جب وہ بھی کٹ گیا تو بغل میں تھاما، بے شمار زخم بدن پر لگے، مگر لطف یہ ہے کہ سب سامنے تھے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے سینے اور سامنے کے حصّہ پر نوے زخم ہم نے گنے ہیں۔ (زاد المعاد: ۳/۲۷۹)

مگر دس سال کی صلح کے معاہدہ کے بعد تیسرے ہی سال ان پر حملہ کیوں کیا؟

جواب: قریش نے خود اس معاہدہ کو توڑ دیا تھا۔

سوال: اس کی کیا شکل ہوئی؟

جواب: یاد ہوگا کہ صلحِ حُدَیْبِیَہ کے موقع پر بنوبکر قریش کے ساتھ تھے اور بنوخُزاعہ مسلمانوں کے ساتھ اور یہ دونوں قبیلے بھی اس صلح میں داخل ہو گئے تھے، مگر ابھی پورے دو سال بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ بنوبکر نے بنوخُزاعہ پر اچانک حملہ کر دیا، ان کی عورتوں اور بچوں تک کو قتل کر ڈالا۔ قریش نے بنوبکر کی مال اور ہتھیاروں سے امداد کی اور اس قتل و خون میں بھی حصّہ لیا، ان کے چند سرداروں نے نقاب اوڑھ اوڑھ کر حملہ کیا۔

افسوس یہ کہ خدا کا واسطہ دے کر پناہ مانگی گئی تو بنوبکر اور ان کے پشت پناہ قریشی سرداروں نے (معاذ اللہ) جواب دیا: ”آج خدا کوئی چیز نہیں۔“ بنوخزاعہ نے خانۂ کعبہ میں پناہ لی، ان کو وہاں بھی تہ تیغ کیا گیا۔

بنوخزاعہ کے مظلوموں میں سے چالیس آدمی جنھوں نے بھاگ کر اپنی جان بچالی تھی، دادرسی کے لیے حضور ﷺ کی دوہائی دیتے ہوئے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ عمرو بن سالم خزاعی نے پُردرد اشعار کے ذریعہ سے امداد کی اپیل کی۔

رحمت عالم ﷺ کا قلب مبارک بے تاب ہوگیا۔ حمیّت میں جوش پیدا ہوا اور تیاری کا حکم صادر ہوگیا۔

سوال: اس جنگ کے لیے مدینہ منورہ سے کب روانگی ہوئی؟

جواب: ۱۰ر رمضان المبارک بروز چہار شنبہ (بدھ) عصر کے بعد۔

سوال: اس سفر کی آئندہ تفصیلات بیان کرو۔

جواب: یہ فوج فتح موج مدینہ طیّبہ سے روانہ ہوکر مکّہ مکرمہ کے قریب جب اس مقام پر پہنچی

جس کو مَرُّالظہران کہا جاتا ہے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مجھے خیال پیدا ہوا کہ اگر آج مکّہ والوں نے امن نہ حاصل کرلیا تو ان کا خاتمہ ہے، میں فوراً ایک خچری پر سوار ہوکر مکّہ کی طرف روانہ ہوگیا کہ شاید کوئی مل جائے تو کہلا بھیجوں کہ پناہ کے بغیر کوئی صورت نہیں۔ میں قریب کی پہاڑی کے پاس پہنچا تو دو شخص[1] نظر آگئے، بڑھا تو سنا:

ایک: یہ لشکر کس کا ہے جس کے الاؤ اور چراغوں کی روشنی سے جنگل جگمگا رہا ہے؟[2]

دوسرا: شاید بنوخزاعہ کا ہو۔

پہلا: توبہ! ان کے پاس اتنا بڑا لشکر کہاں؟

اتنی دیر میں مَیں اور آگے بڑھ گیا تھا، میں نے غور سے دیکھ کر پہچان لیا کہ ایک ابوسفیان ہیں اور دوسرے حکیم بن حزام، دونوں حیرت سے بولے: آپ یہاں کیسے؟ میں نے واقعہ کا اظہار کیا۔ دونوں نے گھبرا کر کہا: اب پناہ کی کیا صورت؟ میں نے بتایا صرف یہ کہ میرے ساتھ چلو اور پناہ مانگ لو۔

ابوسفیان فوراً میرے خچر پر بیٹھ گئے۔ ہم دونوں دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بولو، ابوسفیان! کیا اب بھی خدا کو ایک نہ مانو گے؟''

ابوسفیان: ''بیشک وہ ایک ہے، ورنہ دوسرا خدا میری آج امداد تو کرتا'' اس کے بعد ابوسفیان اسلام لے آئے۔

سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکّہ میں کس شان سے داخل ہوئے؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کو حکم فرمایا کہ مختلف راستوں سے شہر میں داخل ہوں[3] اور

---

[1] زادالمعاد میں تین کا ذکر ہے۔ تیسرے بدیل پسرورقا۔ (زادالمعاد: ۳/۲۹۱) [2] اوّل تو فوج میں روشنی کی ضرورت ہوتی ہی ہے۔ اس کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بھی تھا کہ روشنی کی جائے۔ ممکن ہے اثر ڈالنا مقصود ہو۔ واللہ اعلم!

[3] تھوڑی سی جماعت سے بڑی جماعت پر رعب ڈالنے کی یہ بہترین صورت ہے۔ دو تین لاکھ آبادی کے شہر میں اگر دس دس بیس بیس کے دستے مختلف راستوں سے نعرے لگاتے ہوئے داخل ہوں تو ظاہر ہے کہ تمام شہر میں =

ایک دستہ کا افسر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بنا کر حکم فرمایا کہ مکّہ معظّمہ کے اوپر کی طرف سے داخل ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفسِ نفیس مکّہ کے نیچے کی طرف سے داخل ہوئے۔

سوال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکّہ میں کس شان سے داخل ہوئے؟

جواب: آج فاتحِ مکّہ سرکارِ دو عالم کی شان یہ ہے کہ ایک اونٹنی سواری میں ہے۔ کالا عمامہ سر مبارک پر، سورۂ فتح زبانِ مقدس پر، اور تواضع اور عاجزی تمام بدن پر، یہاں تک کہ سر مبارک جھکتے جھکتے عمامہ کی کور ہودہ[1] کے قریب آ پہنچی۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اونٹنی پر دوسرا شخص کون سوار تھا؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ شہیدِ موتہ کے فرزندِ ارجمند حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ۔

سوال: فاتحانہ داخلہ کے وقت قتل عام وغیرہ کے احکام صادر کیے جاتے ہیں۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا احکام صادر فرمائے؟

جواب: رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان دنیا کے تمام فاتحین سے نرالی ہے۔ وہی شہر اور وہی لوگ جنہوں نے ہجرت کے وقت اُس شخص کے لیے بڑے بڑے انعام مقرر کیے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ لائے یا آپ کا سر لائے۔

رحمت عالم جب اس شہر میں اُن ہی لوگوں پر غلبہ پا کر داخل ہوتے ہیں تو مشفق دو جہاں کے سرکار کی طرف سے منادی ہوتی ہے:

(۱) جو شخص ہتھیار پھینک دے اُسے قتل نہ کیا جائے۔ (۲) جو شخص خانۂ کعبہ میں داخل ہو جائے اسے قتل نہ کیا جائے۔ (۳) جو اپنے گھر میں بیٹھ جائے اُسے قتل نہ

= سنسنی پھیل جائے گی۔ باقی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و احکام کی پوری حکمت رسول جانیں یا خدا۔ وما أوتينا من العلم إلا قليلا۔ واللہ اعلم بالصواب!

[1] مراد "ہودج"، بمعنی اونٹ کا کجاوہ ہے۔

کیا جائے۔ (۴) زخمی کو قتل نہ کیا جائے۔ (۵) قیدی کو قتل نہ کیا جائے۔ (۶) بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے۔ اور ہاں! وہی ابوسفیان جو کل تک نہ صرف اسلام اور مسلمانوں کا خونی دشمن تھا، بلکہ دشمن گر تھا اور اُحد جیسے تمام قیامت نما ہنگاموں کا ذمہ دار تھا، آج اس پر غلبہ پالینے کے بعد اعلان ہوتا ہے: (۷) جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے اسے قتل نہ کیا جائے۔ (۸) اور اسی طرح جو حکیم بن حزام کے گھر میں گھس جائے اس قتل نہ کیا جائے۔

سوال: مکّہ میں داخل ہونے کے وقت لڑائی ہوئی یا نہیں اور کتنی جانیں ضائع ہوئیں؟

جواب: مذکورہ بالا اعلان کے بعد ظاہر ہے لڑائی کی کوئی گنجائش نہیں رہتی، مگر اس پر بھی کچھ سر پھرے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے مقابلہ پر آہی گئے، مجبوراً جواب دینا پڑا جس میں ۲۷ یا ۲۸ کافر ہلاک ہوئے اور ۲ مسلمان شہید ہوئے اور کوئی جنگ نہیں ہوئی۔

سوال: مکّہ کے داخلہ کے وقت جن ۶ عورتوں اور گیارہ مردوں کو امن سے محروم رکھا گیا، اس کی وجہ کیا تھی؟

جواب: ان میں سے کچھ مرتد تھے[1] کچھ قاتل اور کچھ ایسے تھے جن کی چالاکیاں بہت کچھ نقصان پہنچا چکی تھیں اور آئندہ سخت خطرہ تھا۔

سوال: کیا وہ سب قتل کر دیے گئے؟

جواب: تقریباً سب بھاگ گئے اور پھر ایک ایک کر کے مدینہ طیّبہ حاضر ہو کر مسلمان ہوتے رہے۔ صرف دو چار کے متعلق قتل کی روایت ہے۔

سوال: اس وقت خانۂ خدا یعنی کعبہ مکرمہ کی کیا حالت تھی؟

جواب: ۳۶۰ بت اس کے اندر رکھے تھے۔ ایک بڑا بت جس کا نام ''ہُبَل'' تھا۔ کعبہ کی

[1] یعنی مسلمان ہو کر کافر ہو گئے تھے۔ معاذ اللہ!

چھت پر کھڑا تھا۔

سوال: حضور ﷺ نے کیا کیا؟

جواب: کمان یا چھڑی کی نوک سے اشارہ کرتے جاتے تھے اور بت منہ کے بل گر رہے تھے اور یہ آیتیں زبان مبارک پر تھیں:

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا. (بنی اسرائیل:۸۱)

''حق آیا، باطل کافور ہوگیا۔ یقیناً باطل مٹنے کے لیے ہے۔''

جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ. (سبا:۴۹)

''حق آ گیا، باطل نہ پیدا ہوگا، نہ لوٹے گا۔''

سوال: خانہ کعبہ کے علاوہ آس پاس جو اور بڑے بڑے بت تھے ان کا کیا کیا گیا؟

جواب: کچھ دستے روانہ فرما دیے گئے، انہوں نے ان کو توڑا۔[1]

سوال: اللہ کے گھر کو بتوں کی ناپاکی سے پاک کر کے اللہ کے رسول نے اس کا طواف کب کیا؟

جواب: ۲۰ رمضان المبارک ۸ھ ہجری کو۔

سوال: فتحِ مکّہ کے دن مکّہ والوں کی کیا حالت تھی اور حضور ﷺ نے کیا سلوک کیا؟

جواب: حرم میں مکّہ کے بڑے بڑے لوگ اور عام آدمی موجود تھے، خوف و ہراس ان پر چھایا ہوا تھا، ہر ایک کو اپنے دن یاد آ رہے تھے۔ کیونکہ کسی نے حضرت رسالتِ پناہ پر اینٹیں پھینکی تھیں اور کسی نے حضور ﷺ پر بارہا دھول ڈالی تھی۔ اور کسی نے صاحبزادی کے نیزہ مارا تھا جس کے اثر سے وہ جانبر نہ ہوسکیں۔ کوئی

---

[1] چنانچہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ''عُزیٰ'' بت کو توڑا، جو قریش کا بہت بڑا بت تھا اور نخلہ مقام پر کھڑا تھا اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ''سُوَاع'' بت کو توڑا جس کو ہذیل قبیلہ والے پوجتے تھے اور مکّہ سے تقریباً تین میل [۴.۸۲۷ کلو میٹر] کے فاصلہ پر تھا اور حضرت سعد بن زید رضی اللہ عنہ نے ''مَنَات'' بت کو توڑا جو مُشَلَّل پہاڑ پر نصب تھا اور کلب اور خزاعہ والے اس کی پوجا کیا کرتے تھے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل تھا تو کوئی اُن کا کلیجہ چبانے والی، کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں قصیدے کہنے والا اور تقریریں کرنے والا تھا تو کوئی گا گا کر آگ بھڑکانے والی۔ غرض ہر ایک کو اس کا جرم آج قتل کے خوف سے لرزا رہا تھا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب بتوں کے معاملہ سے فارغ ہو کر خانۂ کعبہ سے باہر تشریف لائے تو ان کانپنے والوں کو دیکھا اور رحیمانہ شان سے لبوں کے تبسم کے ساتھ ارشاد ہوا:

''جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ آج کوئی شکوہ شکایت نہیں۔ سب قصّے ختم[1] اسی درمیان میں ایک شخص آیا جو خوف سے کانپ رہا تھا۔ ارشاد ہوا: گھبراؤ مت، میں بادشاہوں کی طرح نہیں، میں قریش کی ایک عورت کا لڑکا ہوں جو عام عورتوں کی طرح کھاتی پیتی تھی۔''

سوال: کعبہ کی کنجی کس کے پاس تھی اور اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس کو دی؟

جواب: عثمان بن طلحہ شیبی کے پاس تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند نصیحتیں فرما کر ان ہی کو واپس عطا فرما دی۔[2]

---

[1] اس موقع پر ایک تقریر فرمائی، خدا کی حمد وثنا اور خون بہا کے متعلق کچھ احکام بیان کرنے کے بعد فرمایا: جماعتِ قریش! خدا نے اس تکبّر کو تم سے دور کر دیا جو پہلے تھا۔ دیکھو! ہم سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام کی پیدائش مٹی سے ہوئی۔ پھر قرآن پاک کی آیت تلاوت فرمائی، جس کا ترجمہ یہ ہے: ''اے لوگو! ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور پھر ہم نے تمہارے خاندان اور قبیلے مقرر کر دیئے، جس کا مقصد یہ ہے کہ ایک دوسرے کے پہچاننے میں آسانی ہو۔ یاد رکھو کہ بارگاہِ خداوندی میں وہی مکرّم اور معظّم ہے جس میں تقویٰ زیادہ ہو۔ (زادالمعاد: ۳/ ۲۹۵)

[2] حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ خانۂ کعبہ کی کنجی ہمارے پاس رہا کرتی تھی، ہم صرف دوشنبہ اور جمعرات کو کھولا کرتے تھے۔ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھولنے کی فرمائش کی تو عثمان نے سختی سے انکار کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ناگوار ہوا تو فرمایا: ''عنقریب وہ دن آنے والا ہے کہ کنجیوں کا مالک میں ہوں گا، جس کو چاہوں گا دوں گا۔'' مگر اخلاقِ عالیہ کی انتہا یہ ہے کہ آج قبضہ پا لینے کے بعد اُسی عثمان کو کنجی مرحمت فرما دی جاتی ہے۔
(زادالمعاد: ۳/ ۲۹۷)

سوال: کیا مکّہ کے سب کافر اُسی وقت مسلمان ہو گئے تھے؟

جواب: نہیں، بہت سے ایسے تھے جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے۔ ہاں رفتہ رفتہ سب مسلمان ہو گئے۔

سوال: جو لوگ مسلمان ہوئے ان میں سے خاص خاص آدمیوں کے نام بتاؤ۔

جواب: حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ۔ ان کے صاحبزادے حضرت معاویہ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ماجد حضرت ابو قحافہ، اور ابوسفیان بن حارث، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے چچا کے بیٹے۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین

خلاصہ

صلحِ حُدَیْبِیَہ کی عمر اگرچہ دس سال رکھی گئی تھی، مگر دوسرے ہی سال بنوخزاعہ پر بنوبکر نے حملہ کر دیا اور قریش نے بنوبکر کی امداد کر کے اس تمام معاہدہ کی دھجیاں اُڑا دیں۔ بنوخزاعہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں شکایت پیش کی اور امداد کی درخواست کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درندگی کا بدلہ لینے کے لیے تیاری کا حکم فرمایا۔ دس ہزار کا لشکرِ جرار لے کر مکّہ کے قریب ''مرُّ الظہران'' تک پہنچ گئے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے قریش پر رحم کھا کر ابوسفیان کو مشورہ دیا کہ وہ باز آ جائیں اور توبہ کر لیں۔ ابوسفیان اور پورے مکّہ والوں کے لیے لڑائی کا موقع نہ رہا تھا۔ ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکّہ میں انتہائی خشوع اور عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے مکّہ کے نیچے کی جانب سے داخل ہوئے۔ فوج کو حکم فرمایا کہ مختلف راستوں سے داخل ہو۔ چونکہ چند آدمیوں کے علاوہ عام معافی کا اعلان کر دیا گیا تھا، اس لیے نہ لڑائی ہوئی نہ قتل وخون۔ صرف حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے راستہ میں کچھ مقابلہ ہوا جس میں سے ۲۷ یا ۲۸ کافر مرے اور صرف دو مسلمان شہید ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور بتوں کو گرا دیا۔
۲۰ تاریخ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خانۂ کعبہ کا طواف کیا اور ۱۵ روز مکّہ میں قیام فرمایا۔

(۲)

جنگِ حُنین

سوال: حُنین کیا ہے؟[۱]

جواب: ایک مقام کا نام ہے جو مکّہ معظّمہ سے تین منزل کے فاصلہ پر طائف کے قریب ہے۔

سوال: یہ جنگ کب ہوئی؟

جواب: فتحِ مکّہ کے بعد ماہِ شوال ۸ ھ ہجری کو۔

سوال: اس جنگ میں کن لوگوں سے مقابلہ ہوا؟

جواب: ہوازن اور بنی ثقیف سے۔

سوال: اس لڑائی کا سبب کیا تھا؟

جواب: چونکہ یہ دونوں قبیلے بہت بڑے اور بہت زیادہ مشہور تھے، مکّہ کی فتح پر اُن کو غیرت پیدا ہوئی اور اسلامی لشکر پر چڑھائی کر دی۔[۲]

سوال: اس مقابلہ کے لیے حضور ﷺ نے جو اسلامی لشکر تیار کیا اس کی مقدار کیا تھی اور کس تفصیل سے؟

جواب: کل مقدار ۱۲۰۸۰ (بارہ ہزار اسّی) تھی[۳] جس میں دو ہزار مکّہ کے نومسلم تھے اور

---

[۱] اس کو جنگِ اَوطَاس بھی کہا جاتا ہے۔ اوطاس بھی ایک مقام کا نام ہے مکّہ اور طائف کے بیچ میں، اور چوں کہ ہوازن قبیلہ کے آدمی لڑنے کے لیے آئے تھے اس لیے جنگ ہوازن بھی کہہ دیتے ہیں۔

[۲] مکّہ مکرمہ پر چڑھائی اور اس کا فتح ہونا تمام عرب کے لیے بہت بڑی غیرت کی بات تھی اور یقیناً تمام عرب مقابلہ کے لیے اُٹھ کھڑا ہوتا، مگر حقیقت یہ ہے کہ عرب کے بہت سے قبیلے اسلام کی حقانیت کو پوری طرح پہچان گئے تھے۔ مگر کچھ قریش کا خوف کچھ اُن کی پرانی عظمت کا خیال ان کو اسلام کی جراَت نہ دیتا تھا اور یہ بھی خیال تھا کہ اگر اس آواز میں سچّائی ہے تو یقیناً قریش پر غلبہ ہوگا۔ چنانچہ فتحِ مکّہ کے بعد جوق در جوق قبائل کا اسلام میں داخلہ شروع ہوگیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں ہزاروں سے لاکھوں تک نوبت پہنچ گئی۔ (ماخوذ از صحاح) [۳] دروس التاریخ الاسلامی

۸۰ کافر اور باقی مدینہ والی فوج۔

سوال: یہ خدا کی فوج مکّہ سے کب روانہ ہوئی؟

جواب: ۶ رشوال کو۔

سوال: مکّہ کا خلیفہ کس کو بنایا؟

جواب: حضرت عتاب رضی اللہ عنہ پسرِ اُسید کو۔

سوال: ان کی عمر اس وقت کیا تھی؟

جواب: کل اٹھارہ سال۔[1]

سوال: جنگ کی تفصیلات بیان کرو۔

جواب: اس لشکر کی خبر پاتے ہی زیادہ تر دشمن پہاڑوں میں چھپ گئے۔ اسلامی لشکر جب حنین کے میدان میں پہنچا تو پہاڑوں سے نکل کر اس پر ٹوٹ پڑے اور تیر برسانے شروع کر دیے، اس اچانک حملہ کے باعث اوّل اوّل اسلامی فوج میں کچھ پسپائی ہوئی، مگر آقائے دو جہاں تلوار کھینچ کر میدان میں اُتر آئے اور ترانہ پڑھنا اور تلوار گھمانی شروع کر دی[2] اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے بموجب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دستوں کے سرداروں کو دلیرانہ آواز دی۔ فوراً فوج کو توجہ ہوئی اور میدان کی طرف اس طرح جھپٹی جیسے شیرنی بچہ کی طرف، آن کے آن میں میدان کا رنگ پلٹا ہوا تھا۔

سوال: نتیجہ کیا ہوا؟

جواب: مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ سارا مال ہاتھ آیا اور چھ ہزار سے زائد آدمی قید ہوئے۔

سوال: مال کس قدر تھا اور اس کو کیا کیا؟

جواب: چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار سے زائد بکریاں، چار ہزار اوقیہ چاندی جو

---

[1] دروس التاریخ الاسلامی　[2] بڑے بڑے صحابہ بھی وہیں رہے۔

تقریباً چالیس ہزار روپیہ کے برابر ہوگی، اس کو مسلمانوں پر تقسیم کیا گیا۔ مگر مکّہ کے نومسلموں کو زیادہ دیا گیا۔

سوال: جنگِ حنین میں کفار نے کس طرح تیاری کی تھی؟

جواب: اپنے تمام جانور، مال، عورتیں، بچے سب ساتھ لائے تھے تاکہ اگر شکست ہو تو بال بچوں اور مال کی وجہ سے بھاگیں نہیں، لڑلڑ کر وہیں جان دے دیں۔

سوال: اس لڑائی میں مسلمانوں کی پسپائی کا سبب کچھ اور بھی ہے؟

جواب: حقیقت میں ایک اور سبب بھی ہے اور وہ یہ کہ کچھ مسلمانوں کو اپنی زیادتی کا گھمنڈ بھی ہو گیا تھا۔

سوال: اس غیبی تنبیہ سے کیا معلوم ہوا؟

جواب: یہ کہ مسلمانوں کو اپنی کمی یا زیادتی پر ہرگز خیال نہ کرنا چاہیے، ان کا بھروسہ صرف خدا پر رہنا چاہیے۔

سوال: کیا ظاہری سامان کا کچھ بھی خیال نہ کیا جائے؟

جواب: تدبیر کے مرتبہ میں ظاہری سامان بھی ضروری ہے۔ خداوندی ارشاد ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ. (الانفال:۶۰)

''طاقت اور عمدہ عمدہ گھوڑے جس قدر بھی کر سکو دشمنانِ اسلام کے مقابلہ کے لیے تیار کرلو، تاکہ خدا کے اور اپنے دشمنوں کو ڈراتے رہو، مگر اس پر گھمنڈ ہرگز نہ ہو۔ زیادتی پر زعم نہ ہو، کمی سے بزدلی نہ ہو، ہر حال میں اللہ پر بھروسہ رہے۔''

سوال: اس موقع پر کوئی خاص غیبی امداد ہوئی ہو تو اس کو بیان کرو۔

جواب: جب حضور ﷺ مقابلہ کر رہے تھے اس وقت حضور ﷺ نے مٹی کی ایک مٹھی اُٹھا کر دشمنوں کی طرف پھینکی جس کو خدا کی قدرت نے ہر ایک مقابل کی آنکھ میں

پہنچادیا۔اس کی آنکھیں بند ہوگئیں، پھر ساری فوج کے پیر اُکھڑ گئے۔

سوال: اس موقعہ پر اس غیبی امداد کی کیا حکمت ہے؟

جواب: پورا پورا علم تو خدا کو ہے، لیکن بظاہر مسلمانوں کے لیے ایک سبق ہے کہ ان کی کثرت کارآمد نہیں۔خدا کی امداد ان کی کارساز ہے۔

سوال: اس جنگ میں کتنے مسلمان شہید ہوئے اور کتنے کافر مارے گئے؟

جواب: مسلمان کل چار یا چھ شہید ہوئے اور اکہتر (۷۱) کافر قتل ہوئے۔

خلاصہ

مکّہ کی فتح عام عرب کے لیے بڑی غیرت کی بات تھی، مگر چونکہ اسلام کی حقانیت اور سچّائی کا سب کو اندازہ ہو چکا تھا، اس لیے اس فتح سے کوئی غیرت نہیں پیدا ہوئی۔البتہ ہوازن اور ثقیف کے قبیلے جو خود کو بہت بڑا اور بہت بہادر سمجھتے تھے لڑنے کے لیے تیار ہو گئے اور بیوی بچوں اور تمام جانوروں سمیت پوری طاقت کے ساتھ اسلامی لشکر پر چڑھائی کے لیے روانہ ہو گئے۔اس کی خبر پا کر ۶ر شوال کو حضور ﷺ مکّہ سے روانہ ہوئے۔ حضرت عتاب رضی اللہ عنہ پسرِ اُسید کو مکّہ کا خلیفہ بنایا، دشمن حنین کے اُس طرف پہاڑوں میں چھپ گئے اور جب اسلامی لشکر بیچ میں پہنچا تو ایک دم اس پر ٹوٹ پڑے جس سے اوّل اوّل مسلمانوں کے کچھ پیر اُکھڑے، مگر حضور ﷺ اور بڑے بڑے صحابی جمے رہے۔حضور ﷺ مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے، خچر سے اُتر آئے اور تلوار گھمانی شروع کر دی۔حضور ﷺ کے حکم سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آواز دی، سارے مسلمان اکٹھے ہو گئے، تھوڑی دیر ہی میں میدان کا رنگ پلٹ گیا۔مسلمانوں کو فتح ہوئی۔صرف چار یا چھ آدمی شہید ہوئے، کافر اے کام آئے اور بہت کچھ سامان ہاتھ لگا۔

طائف کا محاصرہ
اسلام میں پہلی مرتبہ منجنیق کا استعمال

سوال: اس کے بعد حضور ﷺ طائف کیوں تشریف لے گئے اور وہاں جا کر کیا کیا؟

جواب: چونکہ طائف ہوازن اور بنی ثقیف کی رٹھان اور پناہ گاہ تھا اور وہ لوگ حنین سے بھاگ کر طائف میں قلعہ بند ہو گئے تھے۔ اس لیے حضور ﷺ وہاں تشریف لے گئے اور تقریباً اٹھارہ روز اس کا محاصرہ کیا، طائف والوں نے مسلمانوں پر بے انتہا تیر برسائے، چنانچہ بہت سے مسلمان زخمی ہوئے اور بارہ شہید بھی ہو گئے تو اس کے جواب میں اسلامی فوج نے منجنیق کا استعمال بھی کیا جو اس زمانہ کی گویا توپ تھی۔ جس سے پتھر پھینکے جاتے تھے، یہ اسلام میں منجنیق کا استعمال پہلی مرتبہ تھا۔[1]

سوال: منجنیق کی رائے کس نے دی تھی؟

جواب: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے۔[2]

سوال: اس محاصرہ کا کیا نتیجہ ہوا؟

جواب: ہوازن اور بنو ثقیف کے غرور کا تو پورا پورا بدلہ مل گیا، مگر باقاعدہ فتح نہیں ہوئی۔

سوال: اہلِ طائف کب مسلمان ہوئے اور کس طرح؟

جواب: جب حضور ﷺ واپس مدینہ طیّبہ تشریف لے آئے تب طائف والوں کا ایک وفد حاضر ہوا اور خود درخواست کر کے اسلام سے مشرّف ہوا۔

سوال: اس وفد کو حضور ﷺ نے کہاں ٹھیرایا؟

جواب: مسجد میں۔

---

[1] [2] دروس التاریخ الاسلامی

سوال: حنین کے قیدیوں کا کیا کیا گیا؟

جواب: جب حضور ﷺ طائف سے واپس ہو رہے تھے تو جِعرّانہ مقام پر ان کا ایک وفد حاضر ہوا[1] اور قیدیوں کی رہائی کی درخواست کی۔ حضور ﷺ نے چوں کہ قیدیوں کو بھی تقسیم کر دیا تھا اس وجہ سے مسلمانوں کے سامنے ان کی درخواست پیش کی جس کو فوراً قبول کر لیا گیا اور تمام قیدی واپس کر دیے گئے۔

سوال: کیا اس سفر میں حضور ﷺ نے کوئی اور عمرہ بھی کیا اور کہاں سے اور کس وقت؟

جواب: جعرانہ مقام پر جب حضور ﷺ قیام فرما تھے تو وہیں سے عمرہ کا احرام باندھا اور رات کو مکّہ معظّمہ جا کر عمرہ ادا فرمایا اور صبح سے پہلے واپس ہو گئے۔

سوال: اس سفر سے واپس ہو کر حضور ﷺ مدینہ طیّبہ کب پہنچے؟

جواب: ۶/ذی قعدہ ۸ ہجری کو۔

سوال: ۸ ہجری میں غزوے کتنے ہوئے اور سریّے کتنے بھیجے گئے؟

جواب: مذکورہ بالا ۴ جنگوں کے علاوہ دس دستے روانہ ہوئے غزوہ کوئی اور نہیں ہوا۔

خلاصہ

ہوازن اور ثقیف کے لوگ حنین سے بھاگ کر طائف کے قلعوں میں آچھپے۔ حضور ﷺ نے ان کا محاصرہ کیا، تقریباً اٹھارہ روز محاصرہ رہا۔ مسلمانوں پر ان لوگوں نے بے انتہا تیر برسائے، چنانچہ بارہ مسلمان شہید ہوئے اور بہت سے زخمی بھی ہوئے جس کے جواب میں منجنیق کا استعمال کیا گیا۔ اٹھارہ روز کے بعد محاصرہ اُٹھالیا گیا۔ ان کے غرور کا پورا پورا جواب مل گیا، مگر باقاعدہ فتح نہیں ہوئی۔ اس کے بعد ان لوگوں کا ایک وفد مدینہ منورہ حاضر ہوا جس کو حضور ﷺ نے مسجد میں ٹھہرایا، تاکہ قرآن شریف اور حضور ﷺ کی تقریریں سنیں اور اثر ہو۔ چنانچہ وہ چند دن میں مسلمان ہو کر واپس ہوئے۔

طائف سے جب واپس ہو کر حضور ﷺ جعرانہ مقام پر پہنچے تو اُن لوگوں کا ایک وفد آیا اور حنین کے قیدیوں کی

---

[1] اس کی مقدار حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے چند نفر بتائی ہے۔ سردار زہیر بن صرد تھے اور ان ہی لوگوں میں حضور ﷺ کے رضاعی چچا بھی تھے جن کا نام ابو برقان تھا۔ (زاد المعاد: ۳/۳۴۳)

رہائی کی درخواست کی۔ حضور ﷺ نے منظور فرما کر سب کو مفت رہا کر دیا جن کی تعداد چھ ہزار تھی۔ جعرانہ مقام سے ایک عمرہ بھی رات کے وقت حضور ﷺ نے کیا۔ ۶/ذی قعدہ کو حضور ﷺ مدینہ طیّبہ واپس پہنچے۔

۹ھ

غزوۂ تبوک، وفود کی آمد، اللہ کے دین میں فوج در فوج داخلہ

سوال: حضور ﷺ کا آخری غزوہ کونسا ہے؟

جواب: غزوۂ تبوک۔

سوال: مقامِ تبوک مدینہ سے کتنے فاصلہ پر ہے اور کس طرف ہے؟

جواب: تقریباً ۱۴ منزل ہے شام کے علاقہ میں۔

سوال: یہ غزوہ کن لوگوں سے ہوا؟

جواب: رومیوں سے جن میں اکثر عیسائی تھے۔

سوال: اس کی وجہ کیا تھی؟

جواب: حضور ﷺ کو یہ معلوم ہوا تھا کہ ہرقل شاہ اٹلی اور موتہ کے ہارے ہوئے عیسائی مدینہ پر چڑھائی کے ارادہ سے تیاریاں کر رہے ہیں۔

سوال: اس وقت عام مسلمانوں کی اور موسم کی کیا حالت تھی؟

جواب: سخت گرمیوں کا زمانہ تھا، قحط ہو رہا تھا، مسلمان بہت زیادہ تنگ دست تھے۔

سوال: اس جنگ کا سامان کس طرح تیار کیا گیا؟

جواب: چندہ سے، جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی اپنی حیثیت سے بڑھ کر دیا۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مکان کا سارا سامان لا کر رکھ دیا، جس کی قیمت چار ہزار درہم[1] یعنی تقریباً ایک ہزار روپیہ تھی۔

[1] چار ہزار درہم کا وزن ۱۳ کلو ۴۰۰ گرام چاندی بنتا ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مکان کا آدھا سامان پیش کر دیا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دس ہزار دینار، تین سو اونٹ اور بہت کچھ سامان پیش کیا۔ اسی طرح دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی اپنی حیثیتوں سے بڑھ کر چندے پیش کیے۔ عورتوں نے اپنے زیور اُتار اُتار کر پیش کیے۔

سوال: اسلامی فوج کی تعداد کتنی تھی اور سامان جنگ کیا تھا؟

جواب: تیس ہزار سپاہی تھے اور دس ہزار گھوڑے۔

سوال: لشکر کے سردار کون تھے اور مدینہ کا خلیفہ کون ہوا؟

جواب: لشکر کے سردار خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور مدینہ کا خلیفہ حضرت محمد بن مَسلمہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا گیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خانگی نگرانی کے لیے چھوڑا گیا۔

سوال: مدینہ طیبہ سے کس تاریخ کو روانگی ہوئی؟

جواب: ۵/رجب، روز پنج شنبہ (جمعرات) ۹ھ کو، مطابق ۱۸/اکتوبر ۶۳۰ء۔

سوال: جنگ ہوئی یا نہیں اور نتیجہ کیا رہا؟

جواب: جنگ نہیں ہوئی۔ کیونکہ وہاں کوئی نہ تھا۔ ہرقل بادشاہ حمص چلا گیا تھا۔ اس سفر سے رومیوں پر بے حد رعب ہو گیا، چنانچہ یوحنۃ پسر رؤبۃ[1] والیٔ ایلہ حاضرِ خدمت ہوا۔ اس کے ساتھ جربا، اَذرُح، سیناء وغیرہ کے والی بھی تھے۔ ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کر لی۔ خراج ادا کرنے کا عہد کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو امان دے دی۔

سوال: یہ شہر کس ملک میں ہیں؟

جواب: ملکِ شام میں۔

---

[1] زادالمعاد:۲/۳۵۲،فتوح البلدان:۴۳

سوال: اس موقع پر حضور ﷺ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو کہاں بھیجا تھا اور جو پیشین گوئی فرمائی تھی وہ کیا تھی اور کیسی رہی؟

جواب: حضرت خالد کو ''اکیدر'' نصرانی کی طرف بھیجا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ تم رات کے وقت اس سے مل سکو گے جب کہ وہ شکار کھیل رہا ہوگا۔ چنانچہ ہو بہو ایسا ہی ہوا اور اس کو گرفتار کر کے بارگاہِ رسالت میں حاضر کر دیا۔

سوال: حضور ﷺ نے وہاں کتنے عرصہ قیام فرمایا اور مدینہ کب تشریف لائے؟

جواب: پندرہ یا بیس روز، اور پھر رمضان المبارک میں حضور ﷺ مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

سوال: مسجدِ ضرار کی کیا حقیقت تھی اور اس کو حضور ﷺ نے کیوں جلوایا اور کب؟

جواب: منافقوں[1] نے مسلمانوں کے برخلاف مشورہ کرنے کے لیے مسجد کے نام سے قبا میں ایک مکان بنایا تھا، اس کو مسجدِ ضرار کہا گیا۔ حضور ﷺ نے اس سفر سے واپسی پر اس کو جلانے کا حکم فرما دیا۔

سوال: اس سال اور غزوے کتنے ہوئے اور دستے کتنے روانہ کیے گئے؟

جواب: غزوہ کوئی نہیں، البتہ تین دستے روانہ کیے گئے۔

خلاصہ

معلوم ہوا کہ ہرقل بادشاہ موتہ کی جنگ کا بدلہ لینے کے لیے مسلمانوں پر حملہ کی تیاریاں کر رہا ہے تو حضور ﷺ پہلے ہی سے اس کی بندش کے واسطے تیس ہزار مسلمانوں کی فوج لے کر رجب ۹ھ میں مدینہ طیّبہ سے روانہ

---

[1] وہی ابو عامر فاسق جس نے جنگ اُحد میں گڑھے کھود کر چھپا دیے تھے کہ مسلمان اس میں گریں، اسی کی رائے تھی کہ ایک مسجد بنائی جائے تا کہ اس قسم کی سازش آسانی سے کر سکیں اور یہ بھی کہا تھا کہ میں روم کے بادشاہ کے پاس فوج لینے جا رہا ہوں، ایسے موقع پر یہ مسجد بہت کچھ کام دے گی۔ ڈھٹائی کی حد ہوگئی کہ اس تمام فریب کے ساتھ حضور ﷺ سے اس میں نماز پڑھنے کی بھی درخواست کی جو منظور بھی ہوگئی، مگر خدا نے اس سے پہلے ہی ان کے فریب پر مطلع کر دیا۔ اس طرف عیاری کی حد ہے تو اس جانب سادگی کی انتہا۔

ہو گئے۔ گرمی کا زمانہ تھا، قحط تھا، مسلمان بے حد تنگ دست تھے، چندہ سے فوج کی ضروریات کا انتظام کیا گیا۔ صحابۂ کرام مرد اور عورتوں نے حیثیت سے بڑھ بڑھ کر چندے دیے۔ جب یہ لشکر تبوک مقام پر پہنچا تو وہاں کوئی نہ رہا تھا۔ ہرقل بادشاہ حمص چلا گیا تھا، پندرہ روز حضور ﷺ نے وہاں قیام فرمایا، پھر واپس تشریف لے آئے۔ رمضان شریف میں مدینہ پہنچے۔ اس قیام کے زمانہ میں اکیدر نواب کو گرفتار کر کے لایا گیا اور دوسرے نوابوں سے معاہدے ہوئے، واپسی پر حضور ﷺ نے مسجد ضرار کو جلوانے کا حکم دیا جو منافقوں نے مسلمانوں کے برخلاف مشورہ کرنے کے لیے بنائی تھی۔

انتظاماتِ حج اور اعلانِ برأت

سوال: اس سال کے اور بڑے بڑے واقعات کیا ہیں؟

جواب: (الف) حج ادا کیا گیا، جو علماء کے ایک قول کے بموجب اسی سال فرض بھی ہوا تھا۔ اس کا انتظام کرنے کے لیے تین سو مسلمانوں کے دستہ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سردار یعنی ''امیر'' بنا کر بھیجا گیا (۱) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ مشہور خداوندی اعلان سنایا: جس کی ہدایت قرآن پاک میں سورۂ براءت میں کی گئی تھی۔[۱] (۲) اور اعلان کیا کہ آئندہ کوئی مشرک اللہ کے گھر میں داخل نہ ہو سکے گا۔ (۳) کوئی شخص ننگا ہو کر خانۂ کعبہ کا طواف نہ کر سکے گا۔ (۴) کافر جنّت میں نہ داخل ہوں گے۔

(ب) بڑے بڑے قبیلوں کے وفد آئے جو اسلام سے مشرّف ہو کر گئے۔

---

[۱] جس کا حاصل یہ ہے: (ا) جن لوگوں نے معاہدوں کی پوری پابندی کی ان کے معاہدے اپنی اپنی مدت تک باقی رہیں گے۔ (ب) جن لوگوں نے معاہدوں سے خلاف ورزی کی یا اب تک کوئی معاہدہ نہیں کیا ان کو چار ماہ کی مہلت دی جاتی ہے، پھر ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کا اعلان ہے، کیونکہ وہ غداری، مکاری اور مسلمانوں کی ایذا رسانی میں انتہا کو پہنچ چکے ہیں۔ (ج) ان کو اختیار ہے کہ کوئی ایسا چارہ تجویز کر لیں جو اسلامی طریق کے لیے بھی قابلِ تسلیم ہو۔ (سورۂ توبہ)

سوال: وفد کس کو کہتے ہیں؟

جواب: وفد اس جماعت کا نام ہے جو کوئی مقصد لے کر کسی کے پاس جائے۔

سوال: زیادہ وفود حضور ﷺ کی خدمت میں کب آئے؟

جواب: اسی سال یعنی ۹ھ ہجری میں۔

سوال: اس کی وجہ کیا تھی؟

جواب: معلوم ہو چکا ہے کہ صلح حُدَیْبِیَہ سے پہلے تو دنیا کی زمین مسلمانوں پر تنگ تھی۔ اس کے راستے ان کے لیے بند تھے، قدم قدم پر خطرہ تھا۔ صلح نے ان وقتوں کو ختم کر دیا۔ اسلامی خیالات کو پھیلایا گیا، غلط بہتانوں کو اُٹھایا گیا، مگر کفار مکّہ کا غلبہ، ان کا رعب داب اور ان کی پرانی عزت دوسرے قبیلوں کو مسلمان ہونے سے اب بھی روکے ہوئے تھی۔ ۸ھ ہجری میں فتح مکّہ کے باعث جب یہ ظالم طاقت ٹوٹ گئی تو اسلامی[1] جہاد کا مقصد سامنے آ گیا، یعنی کمزوروں کو اپنی مرضی سے اپنی بھلائی کا دین اختیار کرنا آسان ہو گیا۔ چنانچہ وفود آئے۔

خلاصہ

اس سال کے دوسرے بڑے واقعات میں سے یہ ہے کہ اسلامی حج ادا کیا گیا جس کے انتظام کے لیے تین سو مسلمانوں کے دستہ کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حج کا امیر بنا کر بھیجا گیا۔

---

[1] یہ بات ہمیشہ یاد رہنی چاہیے کہ اسلامی جہاد کا مقصد فتنہ فساد کا دنیا سے اُٹھا دینا ہے، نہ کہ زبردستی تلوار کے زور سے مسلمان بنانا، ورنہ مفتوحہ ممالک میں کوئی ایک بھی کافر نہ رہتا اور کم از کم فتح مکّہ کے موقع پر لوگوں کو امن نہ دیا جاتا، بلکہ یہ اعلان ہوتا کہ جو مسلمان نہ ہو وہ تلوار کے گھاٹ اتار دیا جائے، یہ ایک عجیب لطیفہ ہے کہ بڑی بڑی طاقتوں والے مقابلہ کے وقت مسلمان نہیں ہوئے، فتح مکّہ کی نظیر سامنے ہے۔ بنو ثقیف اور ہوازن کے کفار بھی اس وقت مقابلہ پر ڈٹے رہے، پھر آ کر مسلمان ہوئے۔ قبیلہ بنو حُنیف کا سردار ثمامہ بن اثال گرفتار کیا گیا، مگر مسلمان جب ہوا کہ اس کو بالکل رہا کر دیا گیا۔ اسی طرح حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے داماد، حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے چچا گرفتار کر کے لائے گئے، اس وقت مسلمان نہیں ہوئے، پھر خود بخود مسلمان ہوئے اور اس قسم کے سینکڑوں واقعات اس بات کی کھلی دلیل ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا۔ واللہ علی مانقول وکیل.

اسی حج میں وہ مشہور خداوندی اعلان حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سنایا جس کی ہدایت قرآن پاک میں سورۂ توبہ میں کی گئی تھی اور کفارِ قریش کی طاقت ٹوٹ گئی تھی اور مسلمان ہونے والے قبیلوں کے لیے راستہ صاف ہوگیا تھا، لہٰذا قبیلوں کے وفود حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

سنہ ۱۰ھ

مشرق میں دوبارہ آفتاب کا طلوع، حضور ﷺ کا حج

سوال: سنہ ۱۰ ہجری میں کتنے غزوے ہوئے اور کتنے دستے روانہ کیے گئے؟

جواب: غزوہ کوئی نہیں ہوا، ہاں دو دستے روانہ ہوئے۔

سوال: حج کب فرض ہوا تھا اور حضور ﷺ نے کب ادا کیا؟

جواب: سنہ ۵ ہجری میں[1] یا سنہ ۹ ہجری میں یا سنہ ۱۰ ہجری میں علماء کا اختلاف ہے، بہر حال حضور ﷺ نے سنہ ۱۰ ہجری میں ادا کیا۔

سوال: حضور ﷺ کے اس حج کا نام کیا ہے اور اس نام کی وجہ کیا ہے؟

جواب: حجۃ الوداع یعنی رخصتی حج، کیونکہ حضور ﷺ نے اس سے تین ماہ بعد رحلت فرمائی۔

سوال: حضور ﷺ مدینہ طیّبہ سے کب روانہ ہوئے؟

جواب: پچیس یا چھبیس ذی قعدہ کو بروز سنیچر (ہفتہ) بعد ظہر۔[2]

سوال: حضور ﷺ مکّہ معظّمہ کب پہنچے؟

جواب: ۴/ ذی الحجہ کو بروز اتوار۔[3]

سوال: حضور ﷺ کے ساتھ اس سال کتنے مسلمانوں نے حج ادا کیا؟

جواب: ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں نے۔

---

[1] زاد المعاد: ۱/۱۸۲، ۴۸۲ [2] زاد المعاد: ۱/۱۸۲ [3] زاد المعاد: ۱/۱۸۴

سوال: حضور ﷺ نے حج کے موقع پر کتنی تقریریں فرمائیں اور کہاں کہاں؟

جواب: تین: (۱) ۹/ذی الحجہ کو عرفہ مقام پر میدان کے بیچ میں، جب کہ آپ اپنی اونٹنی پر سوار تھے جس کا قصواء نام تھا۔ (۲) ۱۰/ذی الحجہ کو منیٰ مقام پر۔ (۳) ۱۱/ذی الحجہ کو منیٰ مقام پر۔

سوال: ان تقریروں کا حاصل کیا تھا؟

جواب: (۱) مسائل[1] کو پوری طرح سمجھ لو۔ ممکن ہے اس سال کے بعد میں اور آپ اکٹھے نہ ہوسکیں۔

(۲) یاد رکھو! تمہارے خون، تمہارے مال، تمہاری عزت آبرو، ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہے جیسے آج کے دن کی، اس شہر اور اس مہینہ کی حرمت سمجھتے ہو۔

(۳) لوگو! تمھیں عنقریب خدا کے دربار میں حاضر ہونا ہے۔ یاد رکھو! وہاں تم سے تمہارے اعمال کی بابت سوال کیا جائے گا۔

(۴) زمانۂ جاہلیت کے تمام طریقے پیروں میں مسل دیے گئے۔

(۵) اس زمانہ کے خونوں کا آئندہ مطالبہ نہ کیا جائے۔

(۶) جتنے سود تھے وہ سب معاف۔ آئندہ قطعاً خاتمہ۔

(۷) میرے بعد ایک دوسرے کی گردن مت دبانا، کافروں کی طرح ایک دوسرے کے خون کے پیاسے مت ہوجانا۔[2]

---

[1] زاد المعاد: ۱/۲۳۵

[2] اسلامی فرائض اور سلسلۂ رحم و کرم، رابطہ اتحاد و اتفاق اور ہمہ گیر امن و امان حضور ﷺ رحمۃ للعالمین تھے۔ اتحادِ عالم، امنِ عام کے مبلّغ اور اسلام ان کی تعلیم، جب کہ حیات پاک کے آخری دور کے ساتھ اسلام کے آخری فرض ''حج'' کا بیان ختم ہو رہا ہے اور حضور ﷺ کے مقدس خطبہ کی وہ دفعہ بھی سامنے ہے کہ میرے بعد کافر مت بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردن دباؤ، ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوجاؤ، تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اتحاد و اتفاق، رحم و محبت اور امن و امان کے دوسرے رابطہ پر بھی تنبیہ کی جائے جو اسلامی تعلیم کا گویا تار پود ہے اور گوشت پوست اور امنِ عالم کا اصلی جوہر، مثلاً اسلام کا سب سے عام فرض نماز ہے، ہر مسلمان واقف ہے کہ جماعت کو اس کے لیے=

(۸) خداوندی کتاب خداوندی احکام کے مطابق، جو تم پر حکومت کرے اس کی پوری پوری اطاعت کرنا۔

=ضروری قرار دیا گیا ہے حتیٰ کہ بعض علماء نے جماعت کے بغیر مرد کی نماز ہی جائز نہیں مانی۔
جماعت اور اتحاد ظاہر ہے کہ (۱) جماعت کے ذریعہ سے اہلِ محلّہ کا روزانہ پانچ مرتبہ اجتماع ہوگا۔ (۲) اس میں سلام و کلام بھی ہوگا۔ (۳) ایک دوسرے کی خیریت بھی معلوم کی جائے گی۔ (۴) کوئی بیمار ہوگا تو اسکی مزاج پرسی بھی ہوگی۔ (۵) کوئی پریشان ہوگا تو اس سے ہمدردی بھی ہوگی، یہ سب باتیں اتحاد کے لیے اصل اصول ہیں۔ رحم و محبّت کی جڑیں ہیں اور امن عالم کی بنیادیں۔ خصوصاً جب کہ یہ بھی یاد رہے کہ: (۱) چغل خور یا غیبت کرنے والا جنّت میں داخل نہ ہوگا (لایدخل الجنة قتات و لانمام) (۲) گالی گلوچ فسق ہے، لڑنا کفر (سباب المؤمن فسق وقتاله كفر) (۳) ایک دوسرے پر پھبتی حرام ہے (لَایَسْخَرُ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ) (الحجرات: ۱۱) (۴) جو کسی کی مصیبت دور کرتا ہے خدا اس کی مصیبت قیامت کے روز دور کرے گا (من فرج عن مومن كربة ...... الخ) (۵) تکبّر خدا کی برابری کا دعویٰ ہے، متکبّر خدا کی چادر چھینتا ہے، کیونکہ عظمت صرف اُسی کا حُلّہ ہے (الكبر ياء ردائي ...... الخ) (۶) ذرّہ برابر غرور بھی جنّت کی راہ میں بھاری چٹان ہے (لايدخل الجنة من كان في قلبه مثقال ذرة او خردل من ...... الخ) (۷) مسلمان وہی ہے جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے تمام مسلمان محفوظ رہیں۔ (المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده) (۸) مومن وہی ہے جس کے شر سے خدا کی ساری مخلوق امن میں رہے (المؤمن من أمن الناس بوائقه) (۹) افضل وہی ہے جس کے منافع عام ہوں، جس کی خیر خواہی ساری مخلوق کو شامل ہو۔ (شمائل ترمذی) (۱۰) وہ شخص جماعت اسلام سے خارج ہے جو بڑوں کا احترام، علماء کی تعظیم، چھوٹوں پر شفقت نہ کرے (ليس منا من لم يرحم صغيرنا ولم يوقر كبيرنا...... الخ).
وحدت قبلہ: اسی مقصد اتحاد کی بنا پر اگر ایک طرف حکم ہوتا ہے کہ نماز کی صفیں بالکل سیدھی رہیں، ایک ٹخنا دوسرے ٹخنے کے برابر رہے۔ اور غلام ہو یا آقا، غریب ہو یا امیر، مفلس قلاش ہو یا شہنشاہِ تاجدار، جب نماز میں کھڑے ہوں تو ایک دوسرے کے مونڈھے سے مونڈھا ملا کر۔ تو اسی طرح دوسری طرف ایک خاص رخ پر ایک مرکز مقرر کر دیا گیا کہ سب کے سجدے اس طرف ہونے چاہئیں تا کہ مشرق، مغرب، شمال، جنوب، یورپ، ایشیا غرض اختلاف بلاد، اختلافِ ممالک، اختلافِ اقوام کی تفریق اُٹھ کر یکجہتی کے ایک خوب صورت رشتہ سے سب منسلک ہو جائیں، اس صورت کا شائبہ بھی نہ آئے کہ کوئی ''لات'' کو پوجتا تھا، کوئی ''عزیٰ'' کو۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ خدا ہر جگہ ہے اور ہر طرف اسی کا سجدہ ہے، اُسی کی نماز، نہ سجدہ خانہ کعبہ کا ہے نہ بوسہ حجرِ اسود کا، خانہ کعبہ ایک کوٹھری کا نام ہے اور حجرِ اسود ایک پتھر۔
نماز کے بعد اسلام کا دوسرا فرض روزہ ہے تا کہ بادشاہوں اور ناز پرور دہ خوش اقبال لوگوں کو نوع انسان کے=

(۹) اپنے پروردگار کی عبادت، نماز، روزہ، مسلم حکام کی اطاعت، پوری پابندی سے کرتے رہو۔ جنّت تمہاری ہے۔

= غریب مسکین، بھوکے اور فاقہ مست افراد کے دردِ جگر کا احساس ہو اور قدرتی طور پر اُن کی ہمدردی کا ایک تخم امیر دلوں میں بویا جائے۔ لیکن اس بیج کو خاک میں ملا دینے کے لیے نہیں بویا جاتا، بلکہ اس پر عمل کرنا مقصود ہوتا ہے، چنانچہ رمضان ختم ہوتے ہی غم خواری نوعِ انسان کی شاہراہ پر قدم اُٹھوایا جاتا ہے اور وہ صدقۂ فطر کی ادائیگی ہے۔ یعنی یہ کہ جب تک ۲۷ چھٹانک گیہوں یا ۵۴ چھٹانک جو غریبوں کو نہ دیئے جائیں گے اُس وقت تک روزے گویا معلّق ہیں۔ اِدھر ہیں نہ اُدھر، قبولیت کا درجہ بعد صدقۂ فطر ہی کے ہے۔ لیکن ایک فوری عمل ہے جو روزہ والی تعلیم کا گویا وقتی امتحان ہے۔ اس کے علاوہ مستقل طور سے ان کے پاس یا ان کے شہر میں رہنے والے غرباء کا وظیفہ مقرر کر دیا گیا جس کی مقدار ڈھائی فیصدی ہے جس کو زکوٰۃ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے، لیکن اوّل خویش بعدہٗ درویش کے اصول کے بموجب اس کا دائرہ مقاصد صرف مسلمانوں تک محدود رہا، لیکن مسلم کی شان یہ بتائی گئی کہ اس کے دستِ کرم سے انسان تو انسان، جانور بھی محروم نہ رہیں۔

ساتھ میں یہ تاکید بھی ہوگئی کہ ڈھائی فیصدی کے علاوہ کچھ اور بھی فقراء کا حصّہ اپنے مال میں سمجھنا ضروری ہے، جس قدر صرف کر دوگے ثواب پاؤ گے۔

اس ڈھائی فیصدی کے وظیفہ نے ایک طرف امراء کو غرباء کا عملی ہمدرد بنا دیا تو دوسری طرف غرباء کو اپنے محسن امراء کا جاں نثار۔

بھوکوں کا پیٹ بھرا اور ان کی فدایانہ محبّت نے امراء کے مال کو چوروں اور ڈاکوؤں سے محفوظ کر دیا، وہ سوئے، اس کے محلّہ کے غریب اس کی حفاظت کریں گے کہ ہمارا محسن ہے، اس کے مال میں ہمارا بھی حصّہ ہے، سرمایہ داری کا کوئی سوال اُٹھانے والا ہی نہ رہا تو سوال کیسا۔ یہ ہے: "یَمۡحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَیُرۡبِی الصَّدَقٰتِ" (البقرۃ:۲۷۶) خدا سود کو گھٹاتا اور صدقوں کو بڑھاتا ہے۔

نماز کے سلسلہ میں جماعت کی شکل سے جو محلّہ بہ محلّہ اتحادی انجمنیں اور کمیٹیاں بنائی گئی تھیں اس کی ترقی کا دوسرا درجہ جمعہ کی نماز ہے، یعنی پورے شہر کا اتحادی جلسہ جس میں دیہات کے نمائندے بھی آسکتے ہیں اور برابر کا حصّہ پاسکتے ہیں۔ تیسرے قدم پر عیدین کی نمازیں رکھی گئیں جو جمعہ سے زیادہ وسیع ہیں۔ قرب وجوار کے دیہات پر اسکی شمولیت لازم تو نہیں قرار دی گئی، کیونکہ اسلام انسان کو زیادہ تکلیف نہیں دیتا، لیکن ہاں! ان کی شان اور سالانہ تقریب کی اُمنگ نے دیہات والوں کو کَشاں کَشاں یہاں پہنچا کر عملی شمولیت پیدا کر دی اور اصولاً نہ سہی تو عملاً شہر اور قرب وجوار کی متّحدہ کانفرنس ہوگئی، مگر ابھی کالے اور گوروں کا اجتماع باقی تھا۔ مشرق اور مغرب کو ایک جگہ نہیں کیا گیا تھا۔ جنس انسان =

(۱۰) عورتوں کے متعلق خدا کا خوف رکھنا۔ ان کے حقوق کا پورا پورا لحاظ رکھنا۔ تم ایک خاص ذمہ داری کے ساتھ ان کے سردار بنائے گئے ہو، عورتیں بھی مردوں کی پوری پوری اطاعت کریں۔ ان کے مرضی کے خلاف کسی کو گھر میں بھی نہ آنے دیں۔

(۱۱) تم میں دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں۔ جب تک انھیں پکڑے رہو گے ہرگز ہرگز گمراہ نہ ہوگے: ایک اللہ کی کتاب، دوسرے میرا طریقہ اور تعلیم۔

= کے لباسی امتیازات کو بھی نہیں اُٹھایا گیا تھا۔ لہٰذا اسی خانۂ کعبہ پر جو مسلمانوں کے ان تمام فطری اور جغرافیائی اصناف واقسام کا متّحدہ مرکز تھا اور قدرتی طور پر بھی ربعِ مسکون کے وسط پر واقع ہوا تھا، نیز اس کا بانی بھی وہ تھا جو اکثر اقوام انسانی کا نہیں اس سے بھی اوپر، تمام اولادِ آدم کا باپ تھا (کیونکہ ابراہیم علیہ السلام بھی خانۂ کعبہ کے بانی کہے جاتے ہیں، مگر درحقیقت بنیادیں وہی تھیں جن پر حضرت آدم علیہ السلام پہلے اس مکان کو تعمیر کر چکے تھے، مگر امتدادِ زمانہ نے اس کو مٹادیا تھا) حج کے نام سے ایک سالانہ کانفرنس کی بنیاد رکھی گئی۔ نمائندگی کے لیے اسلام کے ساتھ صرف آزادانہ بلوغ کی شرط رکھی گئی۔ یہاں مرد اور عورت کی تفریق بھی نہ تھی۔ البتہ خرچہ آنے والے کے ذمہ پر ڈال دیا گیا۔ اس موقع پر ان قربانیوں کی یاددہانی کی گئی جوان کے باپ ابراہیم اور پھر حضرت اسماعیل علیہما السلام نے خدا کے نام پر پیش کی تھیں۔ صرف فرق یہ رہا کہ بیٹے کی جگہ جانور کو خلیفہ بنادیا گیا، تاکہ اس ذبح کے ساتھ اُس قائم مقام کی جنس پر شفقت بھی پوری پوری ہو۔ اس موقع پر کم از کم تین تقریریں رکھی گئیں جن میں تمام ضروری مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہو۔ باقی وہ تمام مقاصد جو کسی ہفت اِقلیم کے شہنشاہ کو مختلفُ الممالک، مختلفُ اللّسان، مختلفُ النسل رعایا کے اتحادی کونسل سے، کسی کمانڈر کو اپنی تمام فوج کے اجتماع سے، کسی عالمگیر قوم کو متّحدہ کانفرنس سے، کسی وسیع الدائرہ تجارت کو عالمگیر نمائش سے حاصل ہو سکتے ہیں، وہ اس حج سے حاصل ہو گئے۔

لباس کے اختلاف کو اُٹھا کر امیر وغریب کی امتیازی شان بھی اس موقع پر ختم کر دی گئی۔ تمدن اور تہذیب کی چمک دمک کو بھی الگ کر کے صرف وہ لباس رکھا گیا جو بَاوا آدم کے زمانہ میں ہوگا۔ یعنی بے سلا تہبند اور چادر، یہ ہے فلسفۂ اتحاد جو فرائض سے ٹپکتا ہے۔

پانچواں فرض جہاد ہے جس کے متعلق ممکن ہے اس کتاب میں کسی جگہ کوئی اور مضمون آپ کو مل جائے، ورنہ یار زندہ صحت باقی۔ إن شاء الله. والله أعلم بالصواب ولله الحمد.

سوال یہ ہے کہ کیا چودھویں صدی کے مسلمان اسی واسطے پیدا کیے گئے ہیں کہ اس مقدس تعلیم کو (معاذ اللہ) مسلتے رہیں۔ اللهم اهد قومنا وسددهم. آمین

(۱۲) جو لوگ یہاں موجود ہیں میرے تمام پیغام دوسرے لوگوں تک پہنچا دیں، کیونکہ بسا اوقات دوسرا شخص پہلے سننے والے کی نسبت زیادہ یاد رکھنے والا اور زیادہ سمجھ دار ہوتا ہے۔

خاتمہ: لوگو! قیامت کے روز میری بابت بھی تم سے سوال کیا جائے گا۔ بتاؤ! کیا جواب دو گے؟

سب نے کہا: شہادت دیں گے کہ آپ نے اللہ کے احکام ہم تک پہنچا دیئے، تبلیغ اور رسالت کا حق ادا کر دیا۔ ہماری بھلائی خوب طرح سمجھا دی۔ حضور ﷺ (آسمان کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے) اے اللہ! گواہ رہ، خدایا! گواہ رہنا، خداوندا! شاہد رہنا۔

سوال: حضور ﷺ نے کتنے اونٹ قربانی میں ذبح کیے؟

جواب: ۶۳ خود اپنے دست مبارک سے اور ۳۷ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے۔

سوال: آیت جس میں دین اسلام کے مکمّل ہونے کی اور خدا کی نعمت تمام ہونے اور دین اسلام سے خداوند عالم کے خوش ہونے کی بشارت دی گئی ہے، وہ کب نازل ہوئی؟

جواب: ۹/ذی الحجہ ۱۰ھ ہجری کو عرفہ کے روز، جمعہ کے دن۔

خلاصہ

۲۵ یا ۲۶/ذی قعدہ ۱۰ھ ہجری بروز سنیچر (ہفتہ) حضور ﷺ حج فرض ادا کرنے کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ ۴/ذی قعدہ کو مکّہ معظّمہ پہنچے اور حج ادا کیا۔ ایک لاکھ سے زائد مسلمان شریک تھے۔ ۹، ۱۰، ۱۱ کو حضور ﷺ نے تقریریں فرمائیں جن کے جملے گویا کوزے تھے۔ جن میں علوم معارف دنیاوی اور دینی بھلائیوں کے سمندر بھر دیئے گئے تھے۔ قربانی میں سو اونٹ ذبح کیے اور اسی موقع پر ۹/تاریخ کو وہ آیت نازل ہوئی جس میں دین اسلام کے مکمّل ہونے اور مسلمانوں پر نعمتِ خداوندی کے پورے ہونے کی بشارت دی گئی ہے۔

۱۱ھ

شامِ رسالت[1]

سوال: وہ آخری لشکر کون سا تھا جو حضور ﷺ نے حج سے واپس ہو کر تیار کیا؟

جواب: وہ لشکر[2] جس کے سردار حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ تھے۔ جس کو ''جیشِ اسامہ'' بھی کہا جاتا ہے۔

سوال: حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کون تھے اور ان کی عمر اس وقت کیا تھی؟

جواب: حضور ﷺ کے محبوب[3] یعنی حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ کے صاحبزادے، حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کی عمر اُس وقت کل ۱۷ برس تھی۔

سوال: یہ لشکر کہاں روانہ کیا جارہا تھا؟

جواب: شام کی طرف۔

سوال: یہ لشکر شام کب پہنچا اور تاخیر کی وجہ کیا ہوئی؟

جواب: یہ لشکر روانہ ہو کر مدینہ سے کچھ دور ہی گیا تھا کہ حضور ﷺ کو بخار شروع ہو گیا اور پھر وفات ہوگئی۔ لہٰذا یہ لشکر حضور ﷺ کی زندگی مبارک میں روانہ بھی نہ ہوسکا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کو روانہ کیا۔

---

[1] اس سے آفتابِ رسالت کا غروب ہونا مراد ہے۔

[2] حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم اس میں شامل تھے۔

[3] یاد ہوگا غزوۂ موتہ میں ان کے والد ماجد کو سردار بنایا گیا تھا، فتح مکّہ کے دن یہی اُسامہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے برابر حضور ﷺ کی اونٹنی پر سوار تھے۔ آج یہی اُسامہ رضی اللہ عنہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر بزرگوں کا افسر بنا کر روانہ کیا جارہا ہے اور صرف یہی نہیں مخصوص عنایت کی حالت یہ ہے کہ محبوبِ رسولُ اللہ ان کا لقب ہے۔ کیا اسلامی مساوات کی دنیا اب بھی قائل نہ ہوگی؟

فائدہ

علامہ مغلطائی کی تحقیق کے بموجب تمام غزووں اور دستوں کی سنہ وار فہرست

سوال: ان تمام غزووں کی سنہ وار فہرست بیان کرو جن میں حضور ﷺ خود تشریف لے گئے۔

جواب:

سنہ ہجری	کل تعداد	غزوات کے نام
سنہ ۲ ہجری	پانچ	(۱) جنگِ ابواء یا جنگِ وَدَّان (۲) جنگِ بُواط (۳) جنگِ بدر (بڑی) (۴) جنگِ بنی قَینُقاع (۵) جنگِ سویق۔
سنہ ۳ ہجری	تین	(۱) جنگِ غَطفان (۲) جنگِ اُحد (۳) جنگِ حمراءُالاسد۔
سنہ ۴ ہجری	دو	(۱) جنگِ بنی نضیر (۲) جنگِ بدر (چھوٹی)
سنہ ۵ ہجری	چار	(۱) جنگِ ذات الرّقاع (۲) جنگِ دومۃ الجندل (۳) جنگِ مُریسیع یا جنگِ بنی مُصطَلَق (۴) جنگِ خَندق۔
سنہ ۶ ہجری	تین	(۱) جنگِ بنی لِحیان (۲) جنگِ غابہ یا جنگِ ذی قَرَد (۳) سفرِ حُدَیبیہ۔
سنہ ۷ ہجری	ایک	(۱) جنگِ خیبر۔
سنہ ۸ ہجری	تین	(۱) جنگِ فتحِ مکّہ (۲) جنگِ حنین (۳) جنگِ طائف۔
سنہ ۹ ہجری	ایک	(۱) جنگِ تبوک۔

سوال: ان تمام دستوں کی سنہ وار فہرست بیان کرو جن میں حضور ﷺ تشریف نہیں لے گئے۔

جواب:

سنہ ہجری	کل تعداد	سریوں کے نام
سنہ ۱ ہجری	دو	(۱) سریۂ حمزہ (۲) سریۂ عبیدہ رضی اللہ عنہما
سنہ ۲ ہجری	تین	(۱) سریۂ عبداللہ بن جحش (۲) سریۂ عمیر (۳) سریۂ سالم، رضی اللہ عنہم

سن	تعداد	دستے
۳ ہجری	دو	(۱) سریۂ محمد بن مسلمہ (۲) سریۂ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما
۴ ہجری	چار	(۱) سریۂ ابو سلمہ (۲) سریۂ عبداللہ بن انیس (۳) سریۂ منذر (۴) سریۂ مرثد[۱] رضی اللہ عنہم
۵ ہجری		اس میں کوئی سریہ وغیرہ نہیں ہوا۔
۶ ہجری	گیارہ	(۱) سریۂ محمد بن مسلمہ "قرطاء" کی طرف (۲) سریۂ عُکاشہ (۳) سریۂ محمد بن مسلمہ "ذی[۲] القصّہ" کی طرف (۴) سریۂ زید بن حارثہ بنی سُلیم کی طرف (۵) سریۂ عبدالرحمٰن بن عوف (۶) سریۂ علی (۷) سریۂ زید بن حارثہ، "امّ قرفہ" کی طرف (۸) سریۂ عبداللہ بن عتیک (۹) سریۂ عبداللہ بن رواحہ (۱۰) سریۂ کُرز بن جابر (۱۱) سریۂ عمرو الضمری رضی اللہ عنہم
۷ ہجری	پانچ	(۱) سریۂ ابو بکر (۲) سریۂ بشیر بن سعد (۳) سریۂ غالب بن عبداللہ (۴) سریۂ بشیر (۵) سریۂ اخرم، رضی اللہ عنہم
۸ ہجری	دس	(۱) سریۂ غالب، بنی المُلوّح کی طرف (۲) سریۂ غالب فَدَک کی طرف (۳) سریۂ شجاع (۴) سریۂ کعب (۵) سریۂ عمرو بن العاص (۶) سریۂ ابوعبیدہ بن جراح (۷) سریۂ ابوقتادہ (۸) سریۂ خالد یہ یا سریۂ غمیصاء (۹) سریۂ طفیل بن عمرو دوسی (۱۰) سریۂ قطبہ رضی اللہ عنہم
۹ ہجری	تین	(۱) سریۂ علقمہ (۲) سریۂ علی (۳) سریۂ عکاشہ، رضی اللہ عنہم
۱۰ ہجری	دو	(۱) سریۂ خالد بن ولید، بجانب نجران (۲) سریۂ علی، یمن کی جانب رضی اللہ عنہما
۱۱ ہجری		حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کی سپہ سالاری میں ایک دستہ روانہ کیا تھا، مگر یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد روانہ ہوسکا۔

کل غزوہ: ۲۲　　**کل دستے: ۴۴**

---

۱ المنتظم: ۲۹۲/۲　　۲ انساب الاشراف: ۴۸۲/۱

ذکر کیے ہوئے دستوں اور

نمبر شمار	غزوہ یا سریہ کا نام مع تاریخ و ماہ و سنہ	اسلامی لشکر کے سردار اور مدینہ کے خلیفہ اگر غزوہ تھا	اسلامی لشکر کی تعداد سامان جنگ اور جھنڈا کس کے پاس تھا	مقابلین کون تھے اُن کی تعداد اور سردار اور اُن کا سامانِ جنگ
۱	سریۂ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ رمضان شریف ۱ ہجری	حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ	۳۰ مہاجر، حضرت ابو مرثد کنّاز بن حصین غنوی رضی اللہ عنہ علمبردار تھے۔	قریشی قافلہ جو شام سے تجارت کا سامان لے کر آ رہا تھا۔ سردار: ابوجہل تعداد: ۳۰۰
۲	سریۂ حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ شوال ۱ ہجری	حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ	۶۰ مہاجرین۔ عبد مناف کے پڑپوتے حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ علمبردار تھے	کفار قریش سردار: ابوسفیان تعداد: ۲۰۰
۳	غزوۂ ابواء[۱] یا غزوۂ ودّان صفر ۲ ہجری	خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسلامی لشکر کے سردار، مدینہ کے خلیفہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ	حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ علمبردار تھے۔	قریش کا قافلہ
۴	غزوۂ بواط[۲] ربیع الاوّل ۲ ہجری	خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم، اور مدینہ کے خلیفہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ	۲۰۰ صحابی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ علمبردار تھے۔	قریش کا قافلہ ۳۰۰ آدمی،[۳] اونٹ تقریباً ڈیڑھ ہزار، امیہ بن خلف سردار

[۱] ابواء اور ودّان۔ اس مقام کے قریب دو جگہوں کے نام ہیں۔　[۲] بواط جہینہ کی پہاڑیوں میں سے ایک پہاڑی (دو چوٹیوں) کا نام ہے۔ شام کی جانب مدینہ سے تقریباً ۵۰ میل [۸۰.۴۵ کلومیٹر]۔

جنگوں کے متعلق اجمالی نقشہ

جنگ کا نتیجہ، مسلمانوں کا اور مقابلین کا نقصان	جنگ کی وجوہات	کوئی خاص بات
جنگ نہیں ہوئی، بیچ بچاؤ ہو گیا۔	مقصد یہ تھا کہ قریش کی تجارت کو بند کیا جائے تا کہ اُن کے ظلم کا زور ٹوٹے۔	یہ دستہ اسلام میں پہلا دستہ تھا جو تلوار سے لڑنے کی غرض سے نکلا۔
جنگ نہیں ہوئی، البتہ تیر اندازی ہوئی۔	بطن رابغ مقام پر ابوسفیان دوسو آدمی لے کر مدینہ پر حملہ کی غرض سے پہنچنے والا تھا۔	حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے تیر چلایا جو اسلام میں سب سے پہلا تیر تھا۔
جنگ نہیں ہوئی	قریش کے قافلہ پر حملہ کرنا مقصود تھا۔	اس سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنی ضمرہ سے ایک معاہدہ کرلیا۔ بنوضمرہ کا سردار عمرو بن مخشی تھا۔
جنگ نہیں ہوئی، قافلہ نکل گیا۔	قریش کے قافلہ پر حملہ کرنا مقصود تھا۔	

۳؎ زادالمعاد اور دوسری مستند کتب میں یہ تعداد ۱۰۰ ذکر کی گئی ہے۔
انساب الاشراف: ۱/۳۴۲، المنتظم: ۲/۲۰۳، زادالمعاد: ۳/۱۳۱

نمبر شمار	غزوہ یا سریہ کا نام مع تاریخ و ماہ وسنہ	اسلامی لشکر کے سردار اور مدینہ کے خلیفہ اگر غزوہ تھا	اسلامی لشکر کی تعداد سامان جنگ اور جھنڈا کس کے پاس تھا	مقابلین کون تھے اُن کی تعداد اور سردار اور اُن کا سامانِ جنگ
۵	سریۂ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ یا سریۂ نخلہ رجب ۲ ہجری	حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ	۱۲ مہاجری	قریش کا قافلہ جو شام سے آرہا تھا۔ اُسکے اندر عمرو بن حضرمی اور عبداللہ بن مغیرہ کے دو بیٹے عثمان اور نوفل بڑے تھے۔
٦	غزوۂ بدر کبریٰ یعنی بدر کی بڑی لڑائی۔ ۱۷ر رمضان ۲ ہجری بروز جمعہ	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں چھوڑ دیا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجہ سخت بیمار تھیں۔	مسلمان کل ۳۱۳، انصار اور مہاجرین، کل دو گھوڑے، ستر اونٹ، چند تلواریں، بڑا جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے پاس، انصار کا جھنڈا حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے پاس، ایک چھوٹا جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس۔	قریش کی ہتھیار بند فوج کی تعداد ۹۵۰ یا ایک ہزار پورے، ہتھیار: سات سو اونٹ، سو گھوڑے۔ ابوجہل سردار۔
۷	غزوہ بنوقَینُقاع شوال ۲ ہجری	خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ مدینہ کے خلیفہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ		بنوقَینُقاع کا قبیلہ جس میں سات سو آدمی لڑ سکنے والے تھے۔

جنگ کا نتیجہ مسلمانوں کا اور مقابلین کا نقصان	جنگ کی وجوہات	کوئی خاص بات
مسلمانوں کو فتح ہوئی، کفار میں سے ایک قتل، دو قید، اور مالِ غنیمت ہاتھ لگا۔	درحقیقت قریش کے قافلہ کی خبر لانے کیلئے نخلہ مقام پر بھیجا گیا تھا، وہاں اتفاقیہ جنگ کی شکل پیش آ گئی۔	یہ قتل اور یہ قیدی نیز اس قافلہ سے جو مال حاصل ہوا یہ اسلام میں پہلی مرتبہ تھا۔
مسلمانوں کو فتح، ۸ انصاری، ۶ مہاجرین، کل ۱۴ مسلمان شہید اور کافر ستر قتل ہوئے اور ستر ہی قید ہوئے۔	ابوسفیان کا قافلہ جو شام سے آ رہا تھا اس کے روکنے کے لیے یہ فوج نکلی تھی مگر ابوسفیان نکل گیا، اور اس کے اشارہ کے بموجب مکّہ سے ایک بڑی فوج مسلمانوں کو کچلنے کی غرض سے بدر مقام پر پہنچ گئی۔	حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اگرچہ شریک نہیں ہو سکے، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ خدا کے رسول کے کام میں ہیں۔ شریک ہونے کا ثواب ملے گا، اس شکست پر کفار کو بہت صدمہ ہوا۔ اُنکے سردار مارے گئے۔ جن میں ابوجہل بھی تھا۔ آئندہ بدلہ لینے کیلئے فوراً تیاریاں شروع کر دیں۔ ابوسفیان نے قسم کھالی کہ جب تک بدلہ نہ لے لوں سر نہ دھوؤں گا، اس فتح کی خبر مدینہ میں اُس وقت پہنچی کہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا زوجہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کو دفن کر کے لوگ مٹی سے ہاتھ جھاڑ رہے تھے۔
پندرہ روز محاصرہ رہا، آخرکار مدینہ سے جلا وطن ہو جانے کی شرط پر محاصرہ اُٹھا لیا گیا۔	جب مسلمان بدر گئے تھے تو ان لوگوں نے مدینہ میں بغاوت کی تھی اور زیادہ فتنہ کا خطرہ تھا۔	یہ لوگ عموماً تجارت پیشہ سنہار تھے۔

نمبر شمار	غزوہ یا سریہ کا نام مع تاریخ و ماہ وسنہ	اسلامی لشکر کے سردار اور مدینہ کے خلیفہ اگر غزوہ تھا	اسلامی لشکر کی تعداد سامان جنگ اور جھنڈا کس کے پاس تھا	مقابلین کون تھے اُن کی تعداد اور سردار اور اُن کا سامانِ جنگ
۸	غزوۂ غطفان یا غزوۂ اَغَار یا غزوۂ ذی امر ربیع الاول ۳ ہجری	خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ مدینہ کے خلیفہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ		بنو ثعلبہ اور بنو محارب کے ۴۵۰ سوار مع ہتھیار سردار دعثور بن حارث محاربی
۹	غزوۂ اُحد ۶ رشوال ۳ سنہ ہجری	خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ مدینہ کے خلیفہ حضرت ابن اُمّ مکتوم رضی اللہ عنہ	ایک ہزار مگر ان میں سے ۳۰۰ منافق نکل گئے، ۷۰۰ باقی رہے۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ علمبردار تھے اور گھوڑے کل پچاس۔	کفار قریش۔ سردار ابوسفیان، تعداد تین ہزار، سات سوزرہیں، گھوڑے دوسو، اونٹ تین ہزار
۱۰	سریۂ بیرِ معونہ صفر ۴ سنہ ہجری	حضرت منذر پسرِ عمرو انصاری رضی اللہ عنہ	ستّر، سامان کچھ نہیں۔	جنگ کی خاطر نہیں گئے تھے، بلکہ نجد میں تبلیغ کرنے کیلئے جارہے تھے راستہ میں عامر، رِعْل، ذکوان =
۱۱	غزوۂ بنو نضیر ربیع الاوّل ۴ سنہ ہجری	حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ مدینہ کے خلیفہ حضرت ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ	جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔	بنو نضیر کا قبیلہ سردار حیی بن اخطب

جنگ کا نتیجہ، مسلمانوں کا اور مقابلین کا نقصان	جنگ کی وجوہات	کوئی خاص بات
دشمن مرعوب ہوکر پہاڑوں میں چھپ گئے۔	دعثور نے اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے مدینہ پر حملہ کیا تھا۔ یہ حملہ قریش کی سازش کا نتیجہ تھا۔	دعثور عجیب طرح سے مسلمان ہوکر واپس ہوا، تفصیل کتاب میں گزری۔
مسلمانوں کو شکست ہوئی، ستر شہید ہوئے، کافر کل ۲۲ یا ۲۳ قتل ہوئے، مگر ان پر رعب ضرور چھا گیا۔ چنانچہ فوراً ہی دوبارہ حملہ کی ہمت نہ ہوئی۔	بدر کا بدلہ لینے اور اپنی قسم پوری کرنے کے لیے مکّہ والوں نے حملہ کیا تھا۔	حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی شہادت پر جھنڈا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے سنبھالا۔
= اور عصیہ کے قبیلہ والوں نے حملہ کر کے سب حضرات کو شہید کر دیا، صرف ایک صاحب بچ گئے جو زخمیوں میں پڑے ہوئے تھے، ان کو مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا گیا تھا۔ مگر اتفاق سے زندہ تھے، اچھے ہو گئے۔ تب مدینہ آکر خبر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت صدمہ ہوا۔ مگر پھر یہ قبیلے مسلمان ہو گئے۔		
محاصرہ کیا گیا جو چھ روز رہا، آخر کار وہ مدینہ سے نکلنے پر راضی ہو گئے مع اس سامان کے جو اونٹوں پر لے جاسکیں باقی ضبط کر لیا گیا۔	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش۔	ان کی زمین ضبط کر لی گئی، ہتھیار لے لیے گئے، تلواریں: ۳۴، زرہیں: ۵۰، خود: ۵۰۔

شمار	غزوہ یا سریہ کا نام مع تاریخ و ماہ وسنہ	اسلامی لشکر کے سردار اور مدینہ کے خلیفہ اگر غزوہ تھا	اسلامی لشکر کی تعداد سامان جنگ اور جھنڈا کس کے پاس تھا	مقابلین کون تھے اُن کی تعداد اور سردار اور اُن کا سامانِ جنگ
۱۲	غزوۂ خندق یا غزوۂ احزاب ذی قعدہ ۵ سنہ ہجری	مدینہ میں رہ کر مقابلہ کیا گیا۔	تین ہزار	تمام عرب کے مشرکوں اور یہودیوں کی بڑی جماعتیں اور بنوقریظہ کے یہودی کل تقریباً پندرہ ہزار، ابوسفیان وغیرہ سردار
۱۳	غزوۂ بنوقریظہ ذی الحجہ ۵ سنہ ہجری	حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ مدینہ کے خلیفہ حضرت ابن اُمّ مکتوم رضی اللہ عنہ	جھنڈا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سپرد کیا گیا۔	بنوقریظہ کا قبیلہ، سردار کعب بن اسد
۱۴	غزوۂ حُدَیبِیَہ ذی قعدہ ۶ سنہ ہجری	حضور صلی اللہ علیہ وسلم	مسلمان ۱۴۰۰ اگرچوں کہ جنگ کا ارادہ نہ تھا، اس وجہ سے سامان جنگ بھی نہ تھا۔	
۱۵	غزوۂ خیبر محرم ۷ سنہ ہجری مارچ	حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور مدینہ کے خلیفہ حضرت سباعؓ[1] بن ابی عرفطہ (الکنانی) رضی اللہ عنہ	۱۴۰۰ یا ۱۶۰۰، حضرت علی کرم اللہ وجہہ علم بردار تھے۔	خیبر کے یہودی کِنانہ بن ابی حُقیق وغیرہ سردار۔

[1] انساب الاشراف: ۳۴۳/۱

جنگ کا نتیجہ، مسلمانوں کا اور مقابلین کا نقصان	جنگ کی وجوہات	کوئی خاص بات
معمولی تیراندازی اور معمولی تلوار بازی، مسلمان ۶ شہید، کافر ۱۰ قتل اور ۱۵ روز کے بعد ناکام واپس ہوئے۔	پورے عرب کے یہودیوں اور مشرکوں نے متفقہ حملہ کیا تھا کہ اسلام کو جڑ سے اُکھاڑ ڈالیں۔	حضرت سلمانِ فارسی رضی اللہ عنہ کی رائے کے بموجب مدینہ کے گرد خندق کھودی گئی۔
۲۵ روز محاصرہ رہا، یہودی ۴۰۰ قتل، ۲۰۰ قید۔	غزوۂ خندق کے موقع پر بدعہدی کر کے کفارِ مکّہ کا ساتھ دیا۔	بنوقریظہ کے یہودیوں نے اپنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہود کے مذہبی احکام کے بموجب یہ فیصلہ کیا کہ لڑ سکنے والے قتل، عورتیں بچے قید، جائیدادیں ضبط۔
	حضور صلی اللہ علیہ وسلم خانۂ کعبہ کی زیارت کے لیے گئے تھے، کفار نے اجازت نہ دی البتہ باہمی صلح کا ایک معاہدہ ہو گیا جس کی میعاد دس سال رکھی گئی۔	
مسلمانوں کو فتح ہوئی، تمام قلعوں وغیرہ پر قبضہ ہو گیا۔ ۹۲ یہودی قتل، ۱۸ مسلمان شہید ۵۰ زخمی۔	یہودیوں نے مدینہ سے اُجڑ کر خیبر کو اپنی سازش کا مرکز بنالیا تھا۔	حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خیبر کے اس پھاٹک کو تنِ تنہا اُکھاڑ پھینکا جو ستر آدمیوں سے بھی نہ اُٹھتا تھا، یہودِ خیبر کو خیبر میں رہنے دیا گیا، مگر اس شرط پر جب مسلمان چاہیں گے خالی کرا لیں گے اور پیداوار کا ایک حصّہ مسلمانوں کو دیا جائے گا۔

نمبر شمار	غزوہ یا سریہ کا نام مع تاریخ و ماہ وسنہ	اسلامی لشکر کے سردار اور مدینہ کے خلیفہ اگر غزوہ تھا	اسلامی لشکر کی تعداد سامان جنگ اور جھنڈا کس کے پاس تھا	مقابلین کون تھے اُن کی تعداد اور سردار اور اُن کا سامانِ جنگ
۱۶	غزوۂ موتہ جمادی الأولیٰ ۸ سنہ ہجری	حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ	۳۰۰۰ مسلمان۔ جھنڈا حضرت زید بن حارثہ کے پاس تھا، پھر حضرت جعفر، پھر حضرت عبداللہ بن رواحہ نامزد ہوئے تھے، پھر جھنڈا حضرت خالد نے سنبھالا۔ رضی اللہ عنہم	غسّانی عیسائی اور کافر، شُرَحبِیل غسّانی سردار، ایک لاکھ یا ڈیڑھ لاکھ فوج۔
۱۷	فتحِ مکّہ رمضان ۸ سنہ ہجری	حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مدینہ کے خلیفہ ابورُہم کلثوم بن حصین غفاری یا حضرت عبداللہ بن امّ مکتوم رضی اللہ عنہما	دس ہزار مسلمان تھے۔ جھنڈے متعدد تھے۔	مکّہ کے کفار
۱۸	غزوۂ حنین یا اوطاس یا ہوازن شوال ۸ سنہ ہجری	حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مدینہ کے خلیفہ حضرت ابورُہم یا عبداللہ بن امّ مکتوم رضی اللہ عنہما	بارہ ہزار	ہوازن اور ثقیف وغیرہ قبیلوں کے تمام آدمی، سردار مالک بن عوف نضری۔

جنگ کا نتیجہ، مسلمانوں کا اور مقابلین کا نقصان	جنگ کی وجوہات	کوئی خاص بات
مسلمانوں کو فتح ہوئی، کل بارہ مسلمان شہید ہوئے باقی بچ کر نکل آئے، مقابل پر رعب پڑ گیا۔	حضور ﷺ کے سفیر حارث بن عمر وازدی رضی اللہ عنہ کو شُرَحْبِیْل نے قتل کر دیا تھا۔	اس دستہ کے تین علمبرداروں کا نام حضور ﷺ نے فرما دیا تھا کہ ضرورت ہو تو یکے بعد دیگرے وہ جھنڈا سنبھالتے رہیں، وہ تینوں شہید ہو گئے اور پھر جھنڈا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے سنبھالا۔
جنگ نہیں ہوئی، صرف ایک دستہ کا معمولی سا مقابلہ ہوا جس میں دو مسلمان شہید ہوئے اور ۲۷ یا ۲۸ کافر قتل۔	کفارِ مکّہ نے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی جو حُدَیْبِیَہ کے موقع پر ۶ ہجری میں ہوا تھا۔	
جنگ میں مسلمانوں کو فتح ہوئی، چھ ہزار سے زائد گرفتار اور بہت سامال حاصل ہوا، مسلمان کل چھ شہید ہوئے، کافر اے مقتول۔	فتح مکّہ پر ان لوگوں کو غیرت آئی اور اسی جوش میں مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔	مقابلہ کے لیے اس قدر آمادہ ہوئے تھے کہ عورتوں، بچوں اور تمام مال کو ساتھ لائے تھے جو مسلمانوں کے قبضہ میں آیا جس میں اونٹ چالیس ہزار، بکریاں چالیس ہزار، چاندی تقریباً چالیس ہزار روپیہ کی۔

نمبر شمار	غزوہ یا سریہ کا نام مع تاریخ و ماہ وسنہ	اسلامی لشکر کے سردار اور مدینہ کے خلیفہ اگر غزوہ تھا	اسلامی لشکر کی تعداد سامان جنگ اور جھنڈا کس کے پاس تھا	مقابلین کون تھے اُن کی تعداد اور سردار اور اُن کا سامانِ جنگ
۱۹	غزوۂ طائف شوال ۸ سنہ ہجری	حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مدینہ کے خلیفہ حضرت ابورُہم یا عبداللہ بن امّ مکتوم رضی اللہ عنہما	بارہ ہزار	بنوثقیف وغیرہ۔ سردار عروہ بن مسعود وغیرہ۔
۲۰	غزوۂ تبوک رجب ۹ سنہ ہجری	حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ مدینہ کے خلیفہ حضرت محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ اور بال بچوں کے نگران حضرت علی رضی اللہ عنہ	تیس ہزار مسلمان، دس ہزار گھوڑے۔	ہرقل قیصرِ روم

جنگ کا نتیجہ، مسلمانوں کا اور مقابلین کا نقصان	جنگ کی وجوہات	کوئی خاص بات
قلعہ بند ہو گئے، ایک ماہ محاصرہ رہا پھر حضور واپس تشریف لے آئے۔	حنین کے بھاگے ہوئے اپنی قوت جمع کر کے یہاں پہنچ گئے تھے۔	منجنیق کا استعمال کیا گیا جو گویا اس زمانہ کی توپ تھی۔
جنگ نہیں ہوئی، مقابل کی فوج واپس ہو گئی تھی مگر رعب خوب پڑ گیا۔	سنا گیا تھا کہ جنگِ موتہ کا بدلہ لینے کے لیے ہرقل تیاریاں کر رہا ہے۔	مسلمانوں پر بہت تنگ دستی تھی، اسی وجہ سے اس کو ''غزوۂ عسرت'' بھی کہتے ہیں چندہ سے سامان کیا گیا مسلمانوں نے بے نظیر جوش کا اظہار کیا۔

اہم اور بڑے بڑے واقعات کی سنہ وار فہرست

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک کے بڑے بڑے واقعات سنہ وار بیان کرو؟

جواب: **نبوّت کے پہلے سال:** حضرت ابوبکر صدیق، حضرت خدیجہ، حضرت علی، حضرت زید بن حارثہ، حضرت ام ایمن، حضرت عثمان، حضرت زبیر بن عوام، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم مسلمان ہوئے۔

نبوّت کے پانچویں سال: حضرت عمر فاروق اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما مسلمان ہوئے اور صحابہ کی ایک جماعت ہجرت کر کے حبشہ گئی جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گوشۂ جگر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

نبوّت کے ساتویں سال: دوبارہ ہجرت ہوئی اور ماہِ محرم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مع آپ کے تمام ساتھیوں کے شعبِ ابی طالب میں محصور کر دیا گیا۔

نبوّت کے دسویں سال: شعبِ ابی طالب کا محاصرہ ختم ہوا، جس سے چھ ماہ[1] بعد جناب ابوطالب صاحب نے وفات پائی۔ اور پھر تین روز بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے۔ مدینہ میں اسلام کا آغاز ہوا اور قبیلۂ اوس کے دو بزرگ حضرت اسعد بن زرارہ اور حضرت ذکوان بن عبد قیس رضی اللہ عنہما مسلمان ہوئے اور اسی سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم طائف تشریف لے گئے۔

نبوّت کے گیارہویں سال: اکثر علماء[2] کے خیال کے بموجب معراج ہوئی اور پانچوں نمازیں فرض ہوئیں اور مدینہ طیّبہ کے چھ یا آٹھ نفوس مسلمان ہو گئے۔

نبوّت کے بارھویں سال: عقبہ کی پہلی بیعت ہوئی۔

نبوّت کے تیرھویں سال: مدینہ کی طرف ہجرت ہوئی اور عقبہ کی دوسری بیعت ہوئی۔

---

[1] زادالمعاد: ۲۲/۳ [2] هكذا يستفاد من زاد المعاد: ۲۵/۳

ہجرت کے بعد

سنہ ۱ ہجری: مسجد نبوی (علی صاحبہ الصلوۃ والسلام) کی تعمیر ہوئی اور اذان کی تعلیم اور مشہور لوگوں میں سے حضرت عبداللہ بن زبیر[1] اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہما مشرف باسلام ہوئے۔

سنہ ۲ ہجری: بیت المقدّس کے بجائے خانۂ کعبہ کو قبلہ قرار دیا گیا۔ روزے، زکوٰۃ فرض ہوئے، صدقۂ فطر، نمازِ عید، قربانی کی تعلیم دی گئی، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا۔

سنہ ۳ ہجری: شراب حرام ہوئی۔

سنہ ۴ ہجری: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ارشادِ نبوی کے بموجب یہودیوں کی لکھائی سیکھی تاکہ ان سے خط وکتابت ہو سکے۔

سنہ ۵ ہجری: حج فرض ہوا۔ متبنّٰی یعنی لے پالک بنانے کا قاعدہ منسوخ ہوا جو عرب میں بہت رائج تھا، جس کی رو سے منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے جیسے حقوق ملتے تھے، وہی وارث ہوتا تھا اور اس کی بیوی بیٹے کی بیوی کی طرح حرام مانی جاتی تھی۔

سنہ ۷ ہجری: حضرت خالد بن ولید، حضرت عمرو بن العاص، حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم اسلام لائے۔

سنہ ۸ ہجری: حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ، ان کے صاحبزادے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ والد ماجد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت ابو سفیان بن حارث[2] رضی اللہ عنہ پسر عبدالمطّلب یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تائے زاد بھائی مسلمان ہوئے۔

سنہ ۹ ہجری: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حج کا امیر بنا کر مکّہ معظّمہ روانہ کیا گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جا کر وہ مشہور اعلان کیا جسکی ہدایت قرآن پاک میں سورۂ برأت میں نازل ہوئی تھی۔

اور سنہ ۹ ہجری یا سنہ ۱۰ ہجری میں بعض علما کے خیال کے بموجب حج فرض ہوا۔

---

[1] صحیح یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سنہ ۱ھ میں پیدا ہوئے۔ از مصحح

[2] حارث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے تائے تھے۔ (زادالمعاد: ۱/۶۶ و سرورالمحزون)

وفات النّبی صلی اللہ علیہ وسلم

آفتابِ نبوت کا نظروں سے اوجھل ہونا

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کب بیمار ہوئے؟

جواب: ۲۸ رصفر سنہ ۱۱ ہجری بروز منگل۔

سوال: کیا بیمار ہوئے؟

جواب: سر میں درد شروع ہوا، پھر تیز بخار آخر تک رہا، بخار اس قدر تیز تھا کہ کبھی کسی پر نہیں دیکھا گیا۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کتنے دنوں بیمار رہے؟

جواب: چودہ دن۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کتنی نمازیں مسجد میں نہیں پڑھ سکے؟

جواب: سترہ۔

سوال: ان نمازوں کو کس نے پڑھایا؟

جواب: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عرصہ میں پہلی تقریر کیوں فرمائی؟

جواب: انصار کے دلاسے اور تسلّی کے لیے۔

سوال: اسکی صورت کیا ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکان سے مسجد میں کس طرح تشریف لائے؟

جواب: حضرت صدیق اکبر اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے دیکھا کہ انصار بیٹھے ہوئے رو رہے ہیں۔ سبب دریافت کیا تو انصار نے کہا: مجلس کی وہ شمع یاد آ رہی ہے جس کے ہم پروانے ہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور میں حاضر ہوئے اور انصار کے رنج و غم کی اطلاع دی۔ امت مرحومہ کے روحانی باپ کو اپنے نورِ چشم روحانی

فرزندوں کا رنج کب گوارا ہوسکتا تھا۔ اگر چہ چلنا مشکل تھا، مگر حضرت فضل رضی اللہ عنہ پسرِ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مونڈھوں پر ہاتھ رکھ کر مسجد میں تشریف لائے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ آگے آگے تھے۔ مسجد میں تشریف لا کر حضور ﷺ منبر کی پہلی سیڑھی پر ہی تشریف فرما ہوگئے اور ایک مختصر سی تقریر فرمائی۔ افسوس یہ آخری نشست تھی۔

سوال: اس تقریر میں حضور ﷺ نے کیا فرمایا؟

جواب: خلاصہ یہ تھا: ''مجھے معلوم ہوا کہ میری وفات کا تصوّر آپ حضرات کو گھبرائے ہوئے ہے، کیا دنیا کا کوئی نبی، کوئی رسول بھی مجھ سے پہلے اپنی امت میں ہمیشہ ہمیشہ رہا ہے؟

یقیناً یہ وقت آنے والا ہے اور آپ لوگ بھی اسی طرح دنیا کو چھوڑ دینگے اور پھر جلد ہی مجھ سے ملیں گے۔ ہم سب کے ملنے کی جگہ حوضِ کوثر ہوگی جو شخص اس سے سیراب ہونا چاہے اس پر لازم ہے کہ اپنے ہاتھ اور زبان کو بیکار کام اور بے فائدہ بات سے روکے۔ انصار کی طرف خطاب کرکے کہا: آپ مہاجرین سے اچھا سلوک کرتے رہیں اور مہاجرین پر لازم ہے کہ وہ بھی محبّت اور سلوک رکھیں۔

دیکھو! اگر آدمی اچھے ہوتے ہیں تو ان کے بادشاہ اور حاکم بھی اچھے ہوتے ہیں اور برے طریقے اختیار کرلینے پر خداوند عالم برے بادشاہ اور ظالم حاکم ان پر مسلّط کردیتا ہے۔

سوال: کیا حضور ﷺ اس کے بعد دوبارہ بھی تشریف لائے اور اُس مرتبہ کیا کیا؟

جواب: ایک مرتبہ اور زیارت سے مشرف فرمایا، بیٹھ کر نماز پڑھائی، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ کے برابر کچھ پیچھے کو ہٹے ہوئے کھڑے تھے۔ حضور ﷺ تکبیر فرماتے تھے، ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کو بلند آواز سے پہنچارہے تھے۔ نماز کے بعد بیٹھے بیٹھے کچھ نصیحتیں بھی فرمائیں، پھر تشریف لے گئے۔ افسوس یہ آخری نکلنا تھا۔

نصیحتوں کے سلسلہ میں ارشاد ہوا:

ابوبکر سب سے زیادہ میرے محسن ہیں۔ خدا کے سوا کسی کو خلیل[۱] بناتا تو وہ ابوبکر ہوتے، مگر اب وہ میرے بھائی اور دوست ہیں۔ اور ارشاد ہوا ابوبکر کے دروازہ کے سوا مسجد میں جتنے دروازے ہیں وہ سب بند کردیئے جائیں۔[۲]

سوال: کیا حضور ﷺ نے کوئی علاج بھی فرمایا اور وہ کیا تھا؟

جواب: کئی مرتبہ بخار کی تیزی میں غسل فرمایا، گویا پانی سے حضور ﷺ نے علاج کیا اور کچھ دوائیں بھی استعمال کرائی گئیں۔

سوال: حضور ﷺ نے عالم فانی سے کس روز اور کس وقت کوچ فرمایا؟

جواب: ۱۲ /ربیع الاوّل بروز دوشنبہ (پیر) بوقت دوپہر۔

سوال: نزع کے وقت حضور ﷺ کا کیا شغل تھا؟

جواب: ایک پانی کا پیالہ حضور ﷺ کے پاس تھا جس میں حضور ﷺ دستِ مبارک ڈالتے تھے اور چہرۂ مبارک پر پھیرتے تھے اور زبان مبارک پر یہ دعا تھی: اللّٰھم أعنّی علیٰ سکرات الموت۔[۳]

اور پھر حضور ﷺ نے وفات سے کچھ پہلے مسواک فرمائی اور اللّٰھم الرّفیق الاعلیٰ[۴] خداوندا! میں رفیقِ اعلیٰ کو پسند کرتا ہوں، فرماتے ہوئے دنیا کی نظروں سے اوجھل ہوگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون!

یَـــارَبِّ صَـــلِّ وَسَـــلِّـــمْ دَائِـــمـــاً اَبَـــداً
عَـــلـــیٰ حَبِیْبِكَ خَیْـــرِ الْـــخَـــلْـــقِ کُـــلِّـــهِـــمِ

---

[۱] خلیل ایسے محبوب کو کہا جاتا ہے کہ اس کی محبّت میں کسی دوسرے کا تصور بھی نہ آسکے۔ (زادالمعاد: ص ۱۶)

[۲] حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دروازے کی اجازتِ ان کی خلافت کی طرف اشارہ ہے۔ واللہ اعلم!

[۳] اے اللہ موت کی سختیوں میں میری مدد فرما۔

[۴] رفیق: ساتھی، اعلیٰ: بلند مراد خدائے عز وجل۔

سوال: وفات کے وقت حضور ﷺ کی چارپائی پر کون بیٹھا تھا؟

جواب: صدیقہ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔

سوال: وفات کے بعد حضور ﷺ کے بدن مبارک پر کیا ڈھانپا گیا؟

جواب: حِبرہ یعنی یمنی چادر حاضرین نے ڈال دی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ چادر فرشتوں نے ڈالی تھی۔

سوال: وفات کی خبر نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر کیا اثر کیا؟

جواب: بے خودی اور بدحواسی عام تھی، یہاں تک کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو وفات کا یقین ہی نہ آیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ گونگے ہو گئے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسے ششدر رہ گئے گویا سکتہ ہو گیا۔

سوال: سب سے زیادہ کون کون بزرگ ضبط کیے ہوئے تھے؟

جواب: حضرت عباس رضی اللہ عنہ (حضور ﷺ کے چچا) اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

سوال: حضور ﷺ کی عمر کتنی ہوئی؟

جواب: ۶۳ سال۔

سوال: حضور ﷺ کی وفات کیسے کپڑوں میں ہوئی اور وہ کیا کیا تھے؟

جواب: دو چادروں میں جن میں سے ایک تہبند تھا، ایک چادر۔ یہ دونوں بہت موٹے کپڑے کے بنے ہوئے تھے، جا بہ جا پیوند لگے ہوئے تھے۔

سوال: حضور ﷺ کو کس طرح غسل دیا گیا؟

جواب: کپڑے اتارے بغیر حضور ﷺ کے بدنِ مبارک پر پانی بہایا گیا اور کپڑوں کے اوپر سے ہی ہاتھ پھیر دیا گیا۔

سوال: حضور ﷺ کو غسل دینے والے کون کون لوگ تھے؟

جواب: حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے دو صاحبزادے فضل اور قثم، حضرت علی و اُسامہ

اور حضرت کے آزاد کردہ غلام حضرت شقران رضی اللہ عنہم۔

سوال: حضور ﷺ کے کفن میں کیا کیا کپڑے تھے اور کس رنگ کے؟

جواب: سفید رنگ کے تین کپڑے: تہبند، قمیص، چادر۔

سوال: یہ کہاں کے بُنے ہوئے تھے؟

جواب: شہر سحون کے جو یمن کے علاقہ میں ہے۔

سوال: سلے ہوئے تھے یا بغیر سلے ہوئے؟

جواب: بغیر سلے، ویسے ہی لپیٹ دیئے گئے تھے۔

سوال: حضور ﷺ کی نماز کس نے پڑھائی؟

جواب: کسی نے نہیں، بلکہ تنہا تنہا پڑھی گئی، امام کوئی نہیں بنا۔

سوال: حضور ﷺ کی قبر کہاں بنی؟

جواب: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں جہاں وفات ہوئی تھی۔

سوال: وہاں کیوں بنائی گئی تھی؟

جواب: انبیاء علیہم السلام کے متعلق یہی قاعدہ ہے کہ جہاں وفات پاتے ہیں وہیں دفن ہوتے ہیں۔

سوال: حضور ﷺ کی قبر بغلی ہے یا لحدی[1]؟

جواب: بغلی۔

سوال: حضور ﷺ کی قبر میں کڑا کس چیز کا لگایا گیا؟

جواب: کچی اینٹوں کا۔

---

[1] دستیاب نسخوں میں سوال اسی طرح ہے۔ لیکن حقیقت میں بغلی اور لحدی ایک ہی ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں، عربی زبان میں اسے لحد کہتے ہیں اور اردو زبان میں اس کا نام بغلی ہے، البتہ بغلی کے مقابلے میں ایک صندوقی قبر ہوتی ہے، بغیر کسی مجبوری کے صندوقی قبر نہیں بنانی چاہیے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: "اللحد لنا والشق لغیرنا" (طبقات: ۱/۵۵۳) لحد ہمارے لیے ہے اور صندوقی غیر مسلموں کے لیے۔ (از مصحح)

سوال: کتنی اینٹوں کا؟

جواب: نو (۹)

سوال: حضور ﷺ دفن کب ہوئے؟

جواب: وفات سے ڈیڑھ دن بعد منگل اور بدھ کی درمیانی شب۔

سوال: قبر مبارک زمین سے ملی ہوئی ہے یا اونچی اُٹھی ہوئی اور کوہان نما ہے یا کسی اور شکل کی؟

جواب: ایک بالشت اوپر اُٹھی ہوئی، کوہان نما۔

سوال: پختہ ہے یا خام؟

جواب: خام۔

سوال: حضور ﷺ کے ساتھ اس حجرے میں اور کون کون دفن ہیں؟

جواب: صدیقین یعنی صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما۔

سوال: کچھ اور جگہ بھی باقی ہے یا نہیں؟

جواب: ایک قبر کی جگہ باقی ہے۔

سوال: اس میں کون دفن ہوں گے؟

جواب: حضرت عیسیٰ علیہ السلام جواب زندہ ہیں، خدا کے حکم سے آسمان پر اُٹھا لیے گئے ہیں اور خداوندِ عالم کے حکم سے دجّال کے زمانہ میں زمین پر آئیں گے اور پھر وفات پا کر اس خالی جگہ میں دفن ہوں گے۔

تمت بالخیر

حصّہ سوم

ہمارے پیارے آقا کا حلیہ شریف

سوال: سرکارِ دوعالم کا حلیہ شریف کیا تھا؟

جواب: ہماری روحوں کے بادشاہ کا:

قد مبارک: دیکھنے میں درمیانی تھا، نہایت مناسب، مگر یہ معجزہ تھا کہ جب چند آدمیوں کے ساتھ چلتے تو سب سے اونچے معلوم ہوتے تھے۔

سر مبارک: کلاں و بزرگ، سرداری کا تاج، عقل وتدبر کا پیکر۔

بدن مبارک: گٹھا ہوا، خوب صورت، سجاوٹ کے ساتھ بھرا ہوا، خوب صورتی گُھسی ہوئی، جتنا کوئی غور کرتا خوب صورتی زیادہ معلوم ہوتی تھی، بدن مبارک پر بال بہت کم، چمک زیادہ، سر مبارک کے بال سیاہ چمک دار کسی قدر گھونگریالے، بالوں میں تیل یا مشک جیسی چیزوں کا بھی استعمال فرماتے تھے، کچھ عمر کی رسیدگی، کچھ خوشبو وغیرہ کے استعمال سے بالوں میں کسی قدر ہموار پن سا آ گیا تھا۔

ریش مبارک: گھنی اور خوب صورتی کے ساتھ بھر پور، ریش اور سر مبارک میں گنتی کے کچھ بال سفید بھی ہو گئے تھے۔ بعضوں نے تعداد بھی بتائی ہے کہ ریش مبارک اور سر میں ۲۰ بال سفید تھے۔

مقدّس پیشانی: کشادہ اور روشن گویا آفتاب کا کنارہ بلکہ حسن و جمال کا سجدہ گاہ۔

بھوئیں: گنجان دراز اور باریک، ان کی نازک خمیدگی قوسِ قزح کے لیے باعثِ صد رشک جن کے بیچ میں کشادگی یعنی اقبال اور برکتوں کی کھلی دلیل، ان دونوں کے بیچ میں ایک رگ تھی جو غصّہ کے وقت اُبھر جاتی اور پھڑکتی تھی۔

مبارک آنکھیں: بڑی بڑی تھیں، موتی چُور، جن کے سرخ ڈورے جمال کے ساتھ جلال کی شان بھی دوبالا کرتے تھے، پتلی سیاہ، اُبھرا گویا نور کے آبگینے پر سیاہ مخمل کی بُندکی یا موتی کی آب دار سطح پر رُخِ حُور کا کالا تِل، پلکیں گنجان اور سیاہ اور تلوار جیسے خم کے ساتھ دراز۔

رنگ: سفید، سرخی گھلی ہوئی، جس میں رونق اور چمک حسن کو دوبالا کر دینے والی۔

رخسارے مبارک: نرم سرخی مائل، گویا چاند پر گلاب کی سرخی، ہموار اور ہلکے، نہ گوشت لٹکے ہوئے۔

مقدّس ناک: بلندی مائل مگر زیادہ اونچی نہ تھی کہ بدنما معلوم ہوتی، اس پر چمک اور نور کی عجیب بلندی تھی کہ پہلے پہل دیکھنے والا اونچی سمجھتا مگر غور سے معلوم ہوتا کہ نور اور چمک کے باعث بلند معلوم ہوتی ہے۔ بانسا خوب صورتی کے ساتھ اوپر اُٹھا ہوا۔

دہنِ مبارک: مناسب طور پر کشادہ، پاکیزگی اور فصاحت کا دیباچہ۔

دندان مبارک: باریک، آب دار اور روشن چمک دار، سامنے کے دانت ایک دوسرے سے کسی قدر چھیدرے۔ مسکراہٹ کے وقت ایسا معلوم ہوتا کہ اولوں کی لڑی سے نازک نقاب ہٹ گیا، گفتگو کے وقت معلوم ہوتا کہ تاروں کی کرنیں دندانِ مبارک سے پھوٹ پھوٹ کر شوخیاں کر رہی ہیں۔

شان دار چہرۂ انور: چودھویں رات کا چاند نہیں، چاند بھی اس سے شرمندہ۔ خدا کی قسم! چاند سے بہت پیارا کتابی تھا،[1] مگر کسی قدر گولائی لیے ہوئے وجاہت سے بھرا ہوا۔ خاموشی کے وقت ہیبت اور عظمت ٹپکتی، دیکھنے والا مرعوب ہو جاتا۔ گفتگو کے وقت موتی برستے، پیاری بول چال دل میں جگہ کر لیتی، محبّت کا بیج بو دیتی، خیال ہوتا موتیوں کی بارش ہو رہی ہے۔

---

[1] یعنی چہرۂ انور نہ بالکل گول تھا نہ بالکل لانبا بلکہ دونوں کے درمیان تھا۔

پاکیزہ گردن: سانچے میں ڈھلی ہوئی ایسی صاف کہ مرمر کی صفائی اس کے سامنے ہیچ، ایسی سپید کہ چاندی کی خوب صورت سفیدی اس سے شرمندہ۔

دونوں شانوں کے بیچ میں خاتم نبوت یعنی نبوّت کی مہر۔

خزانہ معرفت یعنی سینہ مبارک: چوڑا اور بھرا ہوا۔

شکم مبارک: سینہ کے برابر، نہ آگے بڑھا ہوا۔

سینہ مبارک کے بالائی حصّہ پر کسی قدر بال تھے، باقی سینہ اور شکم بالوں سے صاف، صرف سینہ مبارک سے ناف تک بالوں کی باریک سی ایک دھاری تھی۔

شانے: بھاری پُر گوشت اور ایک دوسرے سے فاصلہ پر۔

کلائی: دراز اور چوڑی جیسے شیر کی بلکہ اس سے بھی قوی اور مضبوط۔

ہتھیلیاں: گُداز پُر گوشت، چوڑی، ایسی نرم کہ ریشم اور حریر بھی ان کے سامنے مات، ایسی خوشبو کہ عطر شرمندہ۔

اعضاء کے جوڑ اور ان کی ہڈیاں: بڑی چوڑی مضبوط۔

پائے مبارک: پُر گوشت زیبائش کے ساتھ، ہموار، ایسے صاف کہ پانی کے قطرے ان پر ٹھہرنے سے لرزاں، ایسے ستھرے کہ بِلّور اُن پر سو جان سے قربان، جو وقت اور تیزی سے اُٹھتے اور کشادگی، پھرتی و متانت کے ساتھ رکھے جاتے تھے۔

ایڑی مبارک: ایڑی مبارک پر گوشت کم۔

انگلیاں: مناسبت کے ساتھ درازی کی خوب صورتی سے آراستہ، پسندیدگی کا مظہر۔

پسینہ اور لعاب: پسینہ اور لعاب کی خوشبو مشک و عنبر کی خوشبو کو بھی مات کرتی تھی۔ لعاب مبارک عاشقانِ محمدی اپنی ہتھیلیوں پر لیتے اور پھر گویا مشک کی لوٹ ہوتی جس کو جھپٹ جھپٹ کر

لوگ چہرے اور سر پر ملتے۔ پسینہ مبارک کا کوئی قطرہ مل جاتا تو عطر کی طرح رکھتے۔

بول و براز: بول و براز کو زمین نگل جاتی تھی۔ غلطی سے ایک شخص نے حضور ﷺ کا بول پی لیا تھا جو شب کے وقت پیالہ میں کیا گیا تھا اور ابھی زمین پر نہ پڑا تھا، ہمیشہ اس شخص کے بدن سے خوشبو آتی رہی۔

رفتار مبارک: تیز ہوتی، قدم مبارک کسی قدر کشادہ، زمین پر آہستہ پڑتا مگر اس کا اُٹھنا قوت کے ساتھ ہوتا، نہ متکبّروں کی سی اکڑ نہ پوستیوں جیسی بے جان چال۔ نگاہ نیچی رہتی، ایسا معلوم ہوتا گویا ڈھال میں اُتر رہے ہیں، یعنی کسی قدر آگے کو جھکے ہوئے۔

مہرِ نبوّت

سوال: مہرِ نبوّت کہاں تھی؟

جواب: دونوں شانوں کے بیچ میں بائیں طرف کو سخت ہڈی کے قریب۔

سوال: اس کی شکل کیا تھی؟

جواب: مسّہ کی طرح خوب صورتی کے ساتھ گوشت مبارک اُبھرا ہوا تھا۔ جو بدن کی عام رنگت سے کسی قدر زیادہ سرخی لیے ہوئے تھا، اس کی شکل کچھ بندھی مٹھی کے مشابہ تھی۔ چاروں طرف بڑے بڑے تِل تھے، جو بڑائی کی وجہ سے مسوں کے برابر معلوم ہوتے تھے اور گرداگرد بال تھے۔

سوال: مہرِ نبوّت کس قدر بڑی تھی؟

جواب: کبوتر کے بیضہ یا بیج بند کی گُھنڈی کے برابر۔

حضور ﷺ کے پیدائشی اوصاف

سوال: حضور ﷺ کے پیدائشی اور فطری اوصاف بیان کرو؟

جواب: خداوندِ عالم نے حضور ﷺ کو تمام اوّلین اور آخرین کا علم عطا فرمایا تھا۔ ذکاوت، ذہانت، تدبّر، عقل، سیاست، ملکی اور خانگی انتظام حضور ﷺ کی تعلیمات سے اور آپ کے واقعاتِ زندگی سے ظاہر ہیں۔ حق یہ ہے کہ ہر ایک وصف کی انتہا نہ تھی، کیوں نہ ہو حضور ﷺ کا ہر ایک وصف معجزہ تھا۔ بہادری اور دلیری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ صحابہ کا بیان ہے کہ جب لڑائی سختی پر ہوتی تو ہم حضور ﷺ کی پناہ لیا کرتے تھے۔ حضور ﷺ دشمن کے بہت زیادہ قریب رہتے تھے۔ ہم میں سے کوئی بھی اتنا قریب نہ رہتا، غور سے دیکھا جائے تو حنین کی جنگ میں تن تنہا حضور ﷺ نے فتح حاصل کی تھی، باوجودیکہ ہزاروں سے مقابلہ تھا۔

ایک رات مدینہ والوں کو حملہ کا خطرہ تھا، لوگ فکر مند تھے۔ حضور ﷺ تنِ تنہا گھوڑے پر سوار ہو کر اطمینان سے تمام مدینہ کا چکر کاٹ آئے اور فرمایا کہ آرام کرو، کوئی خطرہ نہیں۔ تم پہلے پڑھ چکے ہو کہ اُحد اور حنین جیسے موقعوں پر حضور ﷺ کے قدمِ مبارک میں کوئی حرکت تو کیا پیدا ہوتی، اور استقلال پیدا ہو گیا تھا۔

خیالات بلند، ارادہ مضبوط، ہمّت عالی، تمام کاموں میں استقلال، تمام معمولوں میں پائیداری، اوقات کی پوری پابندی، کسی چیز کی محبّت یا دنیا کا کوئی نقصان حضور ﷺ کے ارادہ میں فرق نہ پیدا کر سکتا تھا۔

سچّائی اور امانت داری: کافروں میں بھی اس قدر مشہور تھی کہ صادق اور امین لقب رکھ رکھا تھا۔ ہجرت کے وقت قتل کے منصوبے ہو رہے تھے، مگر اس خونی دشمنی کے باوجود امانتیں حضور ﷺ کے پاس ہی رکھی تھیں۔

بہادر شخص: رحم دل اور سنجیدہ نہیں ہوا کرتا۔ ایک کے لیے دل کی سختی درکار ہے، دوسرے کے لیے نرمی لازمی، ایک گرمی کو چاہتا ہے دوسرا ٹھنڈک کو۔ مگر یہ معجزہ تھا کہ دونوں وصف برابر کے تھے۔ یہاں آگ اور پانی دونوں اکٹھے ہو رہے تھے۔

سخاوت: گویا رگ اور پٹھوں میں بھری ہوئی تھی، کسی چیز کے ہوتے ہوئے محال تھا کہ زبان مبارک سے ''نا'' نکل جائے۔ کیا مجال کہ بال بچوں کی بھوک[1] پیاس سخاوت میں رکاوٹ پیدا کر دے۔ اس دریائے رحم وسخا سے مسلم، کافر بلکہ انسان، حیوان، برابر کی سیرابی حاصل کرتے تھے۔ ایسا بھی ہوا کہ جب تک درہم یا دینار مکان میں رہا اور کوئی مستحق نہ ملا جس کو دیا جائے تو حضور ﷺ دولت خانہ میں تشریف نہ لے گئے۔

تواضع اور عاجزی کے حضور ﷺ پیکر تھے، حاتم طائی کے بیٹے عَدِی صرف تواضع ہی کو دیکھ کر سچّائی کے قائل ہو گئے تھے۔

یہود کے بہت بڑے عالم حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بے تکلفی اور سادگی ہی دیکھ کر حلقہ بگوش ہوئے تھے اور کہہ دیا تھا کہ یہ چہرہ جھوٹا نہیں ہے۔ تمام عظمت اور بزرگی کے باوجود حیا اور شرم کنواری لڑکیوں سے بھی زیادہ تھی۔ عفّت اور پاک دامنی، زندگی کا جز تھا۔ یاد ہو گا لڑکپن میں جب ایک مرتبہ ستر کھل گیا تھا تو حضور ﷺ بے ہوش ہو گئے تھے۔

---

[1] حضور ﷺ کی اکلوتی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا چکی خود پیستی تھیں، پانی خود لاتیں، جھاڑو خود دیتی تھیں؛ ہاتھوں میں چکی سے گٹے پڑ گئے، مبارک اور نازک مونڈھے مشکیزہ سے چھل گئے، نورانی لباس گرد سے بھر گیا۔ غلام کی درخواست کی، فرمایا: فلاں شہید کے یتیم بچوں سے اس مرتبہ وعدہ کر چکا ہوں اس دفعہ تو وہ پورا ہو گا۔ آئندہ تمھیں دے دوں گا۔ مگر بہترین غلام وہ ہے جو آخرت میں خدمت کرے۔ تم ہر نماز کے بعد سُبْحَانَ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ تینتیس تینتیس بار پڑھ لیا کرو، یہ آخرت کے خادم ہیں۔ اس قسم کے واقعات بہت سے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک کا ذکر کیا۔

حضور ﷺ کے اخلاق اور عادتیں

سوال: حضور ﷺ کی عام عادتیں اور اخلاق کیا تھے؟

جواب: سچ تو یہ ہے کہ بیان کرنا ناممکن۔ حد ہوگئی کہ زوجہ محترمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یعنی پاک زندگی کی سمجھ دار، راز دار بھی اس سوال کے جواب میں اس کے سوا کچھ جواب نہ دے سکیں: ''حضور ﷺ کا خُلقِ مبارک قرآن پاک تھا۔''

مطلب یہ ہے کہ آپ کے اخلاق قرآن پاک یعنی خدا کے احکام اور اس کی رضا کے عملی نمونہ تھے۔

لڑائی، صلح، دشمنی، دوستی، آرام، عبادت، خوراک، پوشاک، اُٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا، غرض تمام موقعوں پر حضور ﷺ کا وہی طرز ہوتا جو خدا کی مرضی ہوتی۔

جو لوگ برسوں اور مدتوں حضور ﷺ کی خدمت میں رہے اُن کا بیان ہے کہ حضور ﷺ اپنی وجہ سے کبھی کسی پر خفا نہ ہوتے، اپنے نقصان کا کبھی کسی سے بدلہ نہ لیتے۔ ہاں! اگر شریعت کا کوئی حق ضائع ہوتا تو پھر غصّہ کی کوئی انتہا نہ تھی، اس وقت آپ کی سزا سے نہ کوئی سفارش بچا سکتی نہ کسی کی محبّت۔[1]

وسعت اور عمدگیٔ اخلاق ہی تھی جس کو نبوت کے ثبوت میں پیش کیا جاتا اور بڑے بڑے کٹّر کافر اور جانی دشمن گردن جھکا دیتے اور حضور ﷺ کی محبّت کے متوالے بن جاتے۔

گستاخی، بے ادبی، تکلیف وایذاء کا بدلہ محال تھا کہ معافی کے علاوہ کوئی اور ہوتا۔ یادِ خدا سے کوئی وقت خالی نہ تھا۔ سونے کے وقت آنکھیں سوتیں مگر دل یادِ خدا میں جاگتا رہتا، ایک ایک مجلس میں ستر اور سو مرتبہ استغفار تو صحابہ سن لیتے۔

---

[1] یہاں تک ارشاد ہوا: اگر میری بیٹی فاطمہ (خدانخواستہ) چوری کرے تو اس کے بھی ہاتھ کاٹوں گا۔

خدمتِ خلق: پاکیزہ زندگی کا سب سے بڑا مقصد تھا۔

ہمدردیٔ خلق: ایک دوسرا سانس تھا جس پر زندگی کا گویا مدار تھا۔ زندگی انتہائی خطرہ میں ہوتی تب بھی ہمدردیٔ مخلوق کا ولولہ تمام خطروں سے آزاد رہتا بلکہ پورے جوش پر ہوتا[1] اُحد کی لڑائی میں چہرۂ مبارک میں دو کڑیاں چُبھی ہوئی ہیں۔ خون کے چشمے چہرۂ مبارک کی رگوں سے ابل رہے ہیں، مگر مخلوقات کا سب سے بڑا ہمدرد ایک ایک قطرہ کی حفاظت کر رہا ہے کہ اگر زمین پر گر گیا تو قہرِ الٰہی جوش میں آجائے گا۔ اس کا افسوس نہیں کہ اتنی بڑی گستاخی، اتنی بڑی درندگی اور بے دردی کیوں کی گئی۔ افسوس اس کا ہے کہ اس قوم کی فلاح و ترقی میں کوئی رکاوٹ نہ پیدا ہو جائے۔ بار بار یہ ارشاد زبانِ مبارک پر ہے: ہائے! وہ قوم فلاح کیوں کر پائے گی، جس نے اپنے سب سے بڑے خیر خواہ کے ساتھ یہ برتاؤ کیا؟

تواضع اور انکساری: حد درجہ کی تھی، غریب سے غریب بھی اگر دعوت کرتا تو بلا تکلّف منظور فرمالی جاتی۔ اور پھر شاہِ دو جہاں کو ایک غریب کے جھونپڑے پر جانے میں کوئی عذر نہ ہوتا، معمولی سے معمولی شخص جہاں چاہتا حضور ﷺ سے گفتگو کر سکتا تھا، نہ دروازہ پر کوئی دربان تھا نہ راستہ میں کوچوان کی ہٹو بچو، نہ ساتھیوں کے ساتھ چلنے میں کوئی نرالی شان ہوتی، نہ بیٹھنے میں کوئی امتیازی شان، راحت اور آرام میں سب سے کم حصّہ ہوتا، مگر مشقت اور جفاکشی میں سب کے برابر بلکہ زیادہ، جوتے یا پھٹے ہوئے کپڑے خود سی لیتے۔ دراز گوش پر سوار ہونے میں بھی کوئی تکبّر نہ ہوتا۔ ارشاد ہوا: تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم کی اصل مٹی ہے۔ جب کبھی دو چیزوں میں اختیار دیا جاتا تو حضور ﷺ آسان کو پسند فرماتے، ہاں! اگر اس میں بدسلوکی یا ناانصافی ہوتی تو آپ اس سے کوسوں دور رہتے۔

---

[1] طائف میں جب جسدِ اطہر کو اینٹوں اور پتھروں کے حملوں سے خون سے رنگ دیا گیا، ملکُ الجبال کہتا ہے: بددعا کیجیے۔ مگر ہمدردیٔ خلق کا ولولہ پکارتا ہے: نہیں، ممکن ہے ان کی نسل میں کوئی بچہ پیدا ہو جو صداقت کو تسلیم کرلے۔ اُحد میں سب کچھ ہوتا ہے، پے در پے حملے ہو رہے ہیں کہ مخلوق کے سب سے بڑے ہمدرد کو مخلوق سے جدا کر دیا جائے، مگر زبان پر یہی ہے: ''اے اللہ! میری قوم کو معاف فرما، وہ مجھے جانتی نہیں۔''

کم گوئی: حضور ﷺ کی طبیعت تھی، اگر فرماتے تو مفید بات۔ دوسروں کو بھی تعلیم ہوتی کہ جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کو لازم ہے وہ خاموش رہے اور بولے تو اچھی بات۔ ارشاد ہوا: مسلمان کی خوبی اس میں ہے کہ بیکار بات اس سے سرزد نہ ہو۔

رنج اور خوشی: ہر حالت میں خدا کی طرف توجہ ہوتی۔ اگر کوئی ناگوار بات پیش آتی تو فرماتے: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ یا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ خوشی کے موقع پر فرمایا جاتا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

حضور ﷺ کا غصّہ اور خوشی دونوں چہرۂ مبارک سے ظاہر ہو جاتے۔ جب خفا ہوتے تو منہ پھیر لیتے اور خوشی کے وقت آنکھ نیچی ہو جاتی۔ اِترانے کی بجائے عاجزی ظاہر ہوتی، حضور ﷺ کے دامنِ رحمت میں جانور بھی اسی طرح پناہ لیتے جیسے انسان، اور کافر بھی اس سایہ میں ویسے ہی آرام پاتے جیسے مسلمان۔

ارشاد ہوا: ''مومن وہ ہے جس سے آدم کی کسی بھی اولاد کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔''

جانور پر مہربانی: بلی آتی تو اس کے پانی کا برتن اس وقت تک جھکائے رکھا جاتا جب تک وہ سیراب نہ ہو جائے۔ فرمایا: ایک بدکار عورت کی اسی میں نجات ہوگئی کہ پیاس سے سسکتے ہوئے کتے کو پانی پلا دیا تھا جس سے وہ زندہ ہو گیا۔ ایک عورت اسی باعث دوزخ میں جل رہی ہے کہ بلی کو باندھ لیا تھا مگر کچھ کھانے کو نہ دیا یہاں تک کہ بلی مر گئی۔

سوار ہونے والوں کو وصیّت ہوتی کہ سواریوں پر سختی نہ کریں۔ ذبح کرنے والوں کو حکم ہوتا کہ ذبح میں تکلیف دہ طریقہ اختیار نہ کریں۔ گھوڑے والوں کو نصیحت ہوتی اپنے گھوڑوں کے منہ کو چادر یا آستین سے صاف کر لیا کریں۔ اسی عام رحم و کرم کا بھروسہ تھا کہ جانور بھی اپنی شکایتیں حضور ﷺ کے دربار میں پیش کرتے تھے۔

سوال: عبادت میں حضور ﷺ کا طرز کیا تھا؟

جواب: حضور ﷺ کو تمام کاموں میں درمیانی رفتار پسند تھی جو ہمیشہ نبھائی جا سکے۔ فرضوں اور سنتوں کے علاوہ مندرجہ ذیل رکعتوں کے پڑھنے کا عموماً تذکرہ احادیث میں ہے: (۱) اشراق دو، چار یا آٹھ رکعت (۲) چاشت کے وقت (نصف النّہار سے کچھ پہلے) دو یا چار یا آٹھ رکعت (۳) عصر سے پہلے چار رکعت (۴) مغرب کے بعد صلوٰۃ الاوابین چھ رکعت سے ۲۰ رکعت تک (۵) مسجد میں داخلہ کے وقت ۲ رکعت تحیۃ المسجد (۶) وضو کے بعد ۲ رکعت تحیۃ الوضو (۷) تہجّد ۱۲ رکعت تک۔

سفر میں چار رکعت فرض کی بجائے دو رکعت پڑھتے تھے۔ نوافل عموماً فرضوں کی شان سے نہ پڑھتے تھے۔ ایسا بھی ہوا کہ سواری پر ہی نفلیں پڑھ لیں۔

نماز حضور ﷺ کی طویل ہوتی تھی، خصوصاً جب کہ تنہا پڑھتے تھے۔ قیام اتنا طویل ہوتا کہ پیروں میں ورم آ جاتا تھا۔ سجدہ میں اتنی دیر پڑے رہتے کہ خیال کرنے والے کو وہم ہونے لگتا۔ قراءت میں ایک ایک حرف کر کے صحیح صحیح طرز سے جدا جدا پڑھتے، نفلیں بیٹھ کر بھی پڑھ لیتے تھے۔ رات کے تین حصّے فرما لیتے: (۱) پہلا حصّہ مغرب اور عشاء وغیرہ کی نماز کا۔ (۲) دوسرا حصّہ سونے کا۔ (۳) تیسرا حصّہ تہجّد کی نماز کا۔

فرض روزوں کے علاوہ عموماً پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے تھے۔ نیز مہینے کے پہلے یا بیچ کے یا آخر کے تین دنوں میں روزہ رکھتے، ان کے علاوہ ۹/ذی الحجہ، ۱۰/محرم، ۱۵/شعبان کا روزہ بھی رکھتے اور بلا کسی قید کے بھی روزہ رکھ لیتے۔ نیز ایسا بھی ہوا کہ جب معلوم ہوا گھر میں کچھ نہیں تو روزہ رکھ لیا۔ حضور ﷺ دو دو تین تین دن کا روزہ بھی رکھ لیتے۔ جس کو ''صومِ وصال'' کہا جاتا ہے، جو صرف حضور ﷺ کے

لیے خاص طور پر جائز تھا اور کسی کے لیے نہیں۔

سوال: ملنے جلنے کے متعلق حضور ﷺ کے کیا اخلاق تھے؟

جواب: ملنے جلنے کا کچھ ایسا طریقہ تھا کہ ہر شخص یہی خیال کرتا کہ رسولُ اللہ ﷺ کی سب سے زیادہ عنایت میرے ساتھ ہے۔ جس سے ملتے خندہ پیشانی کے ساتھ تبسم اور تازہ روئی حضورِ اکرم ﷺ کی عام عادت تھی جس کی نظیر نہ ملتی تھی۔

اپنے ساتھیوں کی بہت عزت فرماتے، ان کے لیے تکلیفیں برداشت کرتے تھے۔ شرعی وجہ کے بدون (بغیر) محال تھا کہ کوئی ایسی بات زبان مبارک سے ادا ہو جس سے کسی کو تکلیف پہنچے۔ جب تک ملنے والا خود نہ اُٹھتا حضور ﷺ نہ اُٹھتے مگر بہ مجبوری، جس کی معذرت فرما لیتے۔ مجلس میں کبھی پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھتے، لوگوں کے لیے جگہ چھوڑ دیا کرتے۔ اُٹھنے بیٹھنے میں کوئی جدا شان نہ ہوتی۔ زانو مبارک ہم نشینوں کے برابر رہتے، نہ آگے جدا۔ مجلس میں جہاں جگہ ملتی وہی بیٹھ جاتے، صدرِ مقام کی کبھی خواہش نہ کرتے۔

خاص موقعوں پر ملاقات کے لیے عمدہ لباس بھی زیب تن فرما لیتے تھے، بال وغیرہ بھی درست فرما لیتے، اگر کوئی حضور ﷺ کو دفعۃً دیکھتا تو بے شک اس پر رعب چھا جاتا۔ مگر جوں جوں ملتا بات چیت ہوتی حضور ﷺ کا دیوانہ ہو جاتا۔

حضور ﷺ خوش طبعی بھی فرماتے تھے، مگر جھوٹ بات کبھی زبان پر نہ آتی۔ حضور ﷺ کے ساتھی آپس میں پہلے زمانہ کی باتیں کرتے۔ آپ خاموش بیٹھے سنا کرتے۔ وہ کسی بات پر ہنستے تو آپ بھی مسکرا دیتے اور جب حضور ﷺ کوئی بات فرماتے تو سب خاموش ہو کر سننے لگتے۔ جب حضور ﷺ کسی سے ملتے پہلے ہی سلام کر لیتے۔ اپنے ساتھیوں کی ہمیشہ خیریت دریافت فرماتے۔ اگر کوئی بیمار ہو جاتا اس کی مزاج پرسی کے لیے مکان پر تشریف لے جاتے۔ اگر کوئی سفر میں

جاتا تو اس کے لیے دعا فرماتے رہتے، اگر معلوم ہوتا کوئی رنجیدہ ہے تو اس کی دل داری فرماتے۔ اگر کسی سے کوئی خطا ہو جاتی تو اس کا عذر قبول فرماتے۔ حضور ﷺ کے دربار میں امیر و غریب کمزور و قوی سب برابر تھے۔

سوال: حضور ﷺ اپنے اوقات کی کس طرح تقسیم فرماتے تھے یعنی روزانہ کا عام پروگرام کیا تھا؟

جواب: مجلس مبارک کی دو صورتیں تھیں جن پر حضور ﷺ کا وقت تقسیم ہوتا تھا:

(۱) مکان کے اندر (۲) مکان کے باہر

پھر مکان کے اندر کے وقت کو تین حصوں پر تقسیم فرماتے:

(۱) عبادت کے لیے (۲) گھر والوں کے کام کاج، بات چیت، ہنسنے بولنے کے لیے (۳) آرام کے لیے۔

پھر آرام کے وقت میں سے بھی ایک حصّہ اُمت کے کاموں کے لیے وقف کر دیتے، جس کی صورت یہ تھی کہ حضور ﷺ خواص کو باریابی کا موقع دیتے اور پھر خواص کے ذریعہ سے عوام تک فیوض اور تعلیمات پہنچاتے۔ یہ خواص وہ ہوتے جن سے دینی یا دنیاوی ضرورتوں میں سے کسی چیز کو مخفی نہ رکھا جاتا۔

سوال: حضور ﷺ کی بارگاہ میں خصوصیّت کا مدار کیا تھا؟

جواب: دینی فضیلت، مخلوق کی خدمت اور غم گساری۔

اندرونِ خانہ

سوال: گھر والوں کے لیے جو وقت مخصوص ہوتا اس میں حضور ﷺ کس شان سے رہتے تھے؟

جواب: جیسے عام گھر والے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ رہتے ہیں، پہلے زمانہ کے قصّے بھی

بیان فرماتے، دلچسپی کی باتیں بھی ہوتیں، ہنسی مذاق اور کبھی کبھی شکر رنجی وغیرہ بھی ہوتی، گھر کے کام میں بھی حصّہ لیتے، بکری کا دودھ بھی دوھ لیتے۔ اپنا کام خود ہی کرتے۔

حضور ﷺ اپنی بیویوں میں سے روزانہ رات کو نمبر وار ایک ایک کے یہاں رہتے۔ باقی دن میں ایک مرتبہ عموماً عصر کے بعد ہر ایک کے مکان پر جاتے اور مغرب کے بعد سب اس مکان میں آتیں جن کے یہاں اُس رات کو رہنے کا نمبر ہوتا۔

دربارِ خاص

سوال: آرام کے وقت میں سے جو حصّہ اُمت کے لیے نکالا جاتا تھا اس کی کیا خصوصیات تھیں؟

جواب: (۱) اہلِ فضل یعنی زیادہ علم و عمل والوں کو حاضری کی اجازت میں اوّل رکھا جاتا۔ (۲) اُس وقت کو ان کی دینی فضیلت کے لحاظ سے اُن پر تقسیم فرمایا جاتا۔ (۳) ایک یا دو یا تین، غرض جتنی بھی ضرورتیں کوئی لے کر آتا حضور ﷺ ان کو پوری فرماتے۔[1] (۴) اُن خواص کو ایسے کاموں میں مشغول فرماتے جو خود اُن کے اور تمام اُمت کی اصلاح کے لیے مفید ہوں۔ (۵) ان کو یہ ہدایت ہوتی کہ وہ ان باتوں کو غائب لوگوں تک پہنچا دیں۔ (۶) نیز ہدایت ہوتی کہ جو لوگ کسی وجہ سے مثلاً دوری یا شرم یا رعب یا کسی عذر کے باعث اپنی ضرورتوں کا اظہار مجھ پر نہیں کر سکتے تم لوگ ان کی ضرورتیں مجھ تک پہنچا دیا کرو۔ (۷) صرف ضروری باتیں ہوتیں۔ (۸) اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ وہی صحابہ جو طالب بن کر آتے علومِ نبوت کے موتیوں سے دامن بھر کر واپس ہوتے اور ہدایت کے

[1] یعنی دینی مثلاً احکام یا مسائل کی تحقیق۔

راہبر بن کر مجلس سے باہر نکلتے۔

دربارِ عام

سوال: دوسرا حصّہ یعنی باہر کی نشست اور عام مجلس کی کیا کیا خصوصیتیں اور کیا شان تھی؟

جواب: (۱) صبر، امانت، حلم، حیا اس نورانی مجلس کے روشن تارے ہوتے تھے۔ (۲) صرف اہل ضرورت کا تذکرہ ہوتا۔ ضروری باتیں ہی خوشی سے سنی جاتیں۔ (۳) وہ باتیں ہوتیں جن میں ثواب کی توقع ہو، سنجیدگی اور متانت مجلسِ پاک کی روشنی ہوتی، سکون اس کا فرش اور تہذیب سائبان۔ نہ شور ہوتا، نہ غوغا، نہ جھگڑا، نہ بیہودہ مذاق، نہ کسی کی آبروریزی، نہ توہین۔ تہذیب کے لحاظ سے خود حضور ﷺ بھی پیر تک نہ پھیلاتے۔ (۴) وقت کی پوری قدر کی جاتی۔ (۵) آنے والے دینی باتوں ہی کے طالب بن کر آتے اور ہدایت اور خیر کے راستوں کے روشن چراغ بن کر جاتے۔ (۶) ذاتِ رسالت کی طرف سے آنے والوں کی دلداری ہوتی، ان کو مانوس کیا جاتا۔ (۷) ہر قوم کے شریف سر برآوردہ اور معزّز لوگوں کی تعظیم کی جاتی۔ (۸) اگر موقع ہوتا تو دربارِ رسالت سے بھی اسی معزز شخص کو اس کی قوم کا سردار بنایا جاتا۔ (۹) لوگوں کو خدا کے عذاب سے ڈرایا جاتا، نقصان دہ باتوں سے بچنے کی تعلیم فرمائی جاتی۔ (۱۰) کوئی بات ایسی نہ کی جاتی جس سے کسی کو تکلیف پہنچے۔ (۱۱) خندہ پیشانی، خوش خلقی، دلجوئی سے کوئی شخص بھی محروم نہ رکھا جاتا۔ (۱۲) دوستوں کی خبر گیری ہوتی۔ (۱۳) آپس کے معاملات کی تحقیق فرما کر اصلاح ہوتی۔ (۱۴) اچھی بات کی تعریف فرما کر تقویت کی جاتی۔ (۱۵) بری بات کی برائی بتا کر اس سے بچنے کی ہدایت کی جاتی۔ (۱۶) ہر بات اور ہر عمل میں درمیانی رفتار سے کام لیا جاتا۔ (۱۷) لوگوں کی اصلاح کا پورا خیال

رکھا جاتا، کسی قسم کی کوئی غفلت نہ ہوتی۔ (۱۸) ہر کام کیلئے مناسب انتظام ہوتا۔ (۱۹) حق بات میں نہ کوتاہی ہوتی نہ حد سے زیادتی۔ (۲۰) جو باتیں چھپانے کی ہوتی وہ امانت سمجھی جاتیں۔ (۲۱) حاجت والوں اور مسافروں کی پوری خبر گیری کی جاتی۔ (۲۲) محبّت کی چاندنی پھیلی ہوئی ہوتی۔ ہر شخص حضور ﷺ کو اپنا باپ سمجھتا اور تمام مخلوق اولاد ہوتی جو حقوق میں مساوی ہوتی۔ (۲۳) ہر شخص کی طرف برابر توجہ کی جاتی۔ سب کے سب آپس میں برابر شمار کیے جاتے۔[۱] (۲۴) حضور ﷺ کے بیٹھنے کا طرز بھی ایسا ہوتا کہ اجنبی شخص نہیں پہچان سکتا تھا کہ حضور ﷺ کون سے ہیں۔ (۲۵) حضور ﷺ کو یہ پسند نہ تھا کہ استقبال کے لیے اُٹھا جائے یا حضور ﷺ بیٹھے ہوں اور لوگ کھڑے رہیں۔ (۲۶) البتہ بڑوں کی تعظیم ہوتی، چھوٹوں پر مہربانی۔ (۲۷) افضل وہی مانا جاتا جس کی خیر خواہی عام ہو، بڑا وہی ہوتا جو مخلوق کی غمگساری اور مدد میں زیادہ حصّہ لے۔ (۲۸) کسی کی بات نہ کاٹی جاتی۔ (۲۹) پہلے بولنے والے کی جب تک بات پوری نہ ہو کسی کو بولنے کا حق نہ ملتا، سب خاموشی سے سنتے۔ (۳۰) جب حضور ﷺ کچھ ارشاد فرماتے تو حاضرین پر ایسی خاموشی چھا جاتی گویا بے جان قالب ہیں۔ (۳۱) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

---

[۱] ساتھیوں کے ساتھ مساوات کے سلسلہ میں یہ دو واقعے ضرور محفوظ رہنے چاہئیں جو ''سرور المحزون'' سے مختصر طور پر یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔ پہلا واقعہ: ایک مرتبہ حضور ﷺ سفر میں تھے، بکری ذبح کرنے کی رائے ہوئی، کسی نے کہا: میں ذبح کروں گا، کسی نے کہا: میں کھال کھینچوں گا، غرض اسی طرح علیحدہ علیحدہ کام تقسیم کر لیے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: میں لکڑیاں چن کر لاؤں گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم خادم کس لیے ہیں؟ مساواتِ اسلام کے معلّم نے فرمایا: میں نہیں چاہتا کسی سے بڑھ کر رہوں۔ اللہ تعالیٰ ایسے بندے سے ناراض رہتا ہے جو اپنے ساتھیوں پر بڑائی جتلائے۔ پھر سب اُٹھے، ہر ایک نے اپنا اپنا کام کیا اور حضور ﷺ نے لکڑیاں چنیں۔ ایک دوسرے سفر کا واقعہ ہے کہ نماز کے لیے قافلہ ٹھہرا۔ لوگ اونٹوں سے اُترے نماز کی تیاری ہونے لگی۔ ایک دم حضور ﷺ نے اپنے اونٹ کی طرف چلے، عرض کیا گیا: ''حضرت کہاں؟'' فرمایا: اپنے اونٹ کو باندھ آؤں۔ عرض کیا: یارسول اللہ! ہم حاضر ہیں، باندھ دیتے ہیں۔ فرمایا: نہیں کسی کو دوسرے سے مدد مانگنا جائز نہیں۔ مسواک کی لکڑی بھی دوسرے سے نہ مانگے۔

فرماتی ہیں: حضور ﷺ تین چیزوں سے ہمیشہ محفوظ اور معصوم رہے: (۱) جھگڑا (۲) تکبّر (۳) غیر مفید باتیں۔ اور تین چیزوں سے ہمیشہ عام لوگوں کو محفوظ رکھا: (۱) مذمّت (۲) عیب شماری (۳) مخفی باتوں کا اظہار۔ (۳۲) اُٹھنا بیٹھنا۔ غرض تمام باتیں اللہ کے ذکر کے ساتھ ہوتیں۔

حضور ﷺ کا کلام اور طرزِ گفتگو

سوال: کلام اور گفتگو کرنے میں حضور ﷺ کی کیا کیا خصوصیتیں اور کیا عادتیں تھیں؟ طرزِ گفتگو کیا تھا؟

جواب: حضور ﷺ کے زمانے میں عرب کی زبان فصاحت، بلاغت، خوبی اور عمدگی کی سب سے اونچی سیڑھی پر تھی۔ اعلیٰ شاعروں اور جادو بیان مقرّروں کی کمی نہ تھی۔ عوام کی قدر دانی کی یہ حالت تھی کہ عمدہ شعروں اور قصیدوں کو سجدہ کرتے، یہ شاعروں کے متعلق عقیدہ ہو گیا تھا کہ اُن کے جنّ تابع ہوتے ہیں، وہی ان کو شعر سکھاتے ہیں۔ شاعروں کی بہت قدر کرتے۔ مگر اس تمام عروج اور ترقی کے باوجود حضور ﷺ کی پیاری اور شیریں گفتگو میٹھی بول چال ایسی اونچی اور ایسی عمدہ ہوتی کہ شاعروں نے اس کے سامنے سر جھکائے، حضور ﷺ کے چھوٹے چھوٹے فقرے آج بھی حدیثوں میں موجود ہیں۔ حق یہ ہے کہ علوم و معارف کے دریا کوزوں میں بھر دیئے گئے ہیں۔

حضور ﷺ کا مختصر مگر مکمّل کلام حق و باطل، سچ و جھوٹ کا ایک جچا تُلا فیصلہ ہوتا، بیہودگی یا کسی کی توہین سے پاکیزہ۔ تکلّفات سے بلند، بلاضرورت ایک حرف بھی زبان پر نہ آتا۔ حضور ﷺ کی گفتگو سہولت کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر ہوتی تھی[1] ہر ہر

[1] مناسب طور پر جو ناگوار نہ ہو۔

حرف ایک ایک کلمہ جدا کہ سننے والا سن کر یاد بھی کر سکے۔ بات کا چبانا، جلدی یا تیزی اس میں قطعاً نہ ہوتی۔ آپ ایک جملہ کو دو تین مرتبہ دہرا بھی دیتے تاکہ خوب سمجھ لیا جائے۔ اوّل سے آخر تک پوری صفائی کے ساتھ گفتگو فرماتے۔

سوال: حضور ﷺ گھر کے آدمیوں کے ساتھ کس طرح رہتے تھے؟

جواب: جیسے باہر ہنسی خوشی رہتے اسی طرح گھر میں بھی ہنسی خوشی سے رہتے اور اسی کو ثواب فرماتے۔ سفر کے وقت قرعہ ڈالتے، جس بیوی کا نام نکلتا اس کو ہمراہ لے جاتے۔ آپ کا قول ہے: اچھے آدمی وہ ہیں جو گھر کے آدمیوں سے اچھی طرح رہیں۔ وفات کے وقت حضور ﷺ کی نو بیویاں تھیں۔ مگر کوئی ایسی نہ تھی جو حضور ﷺ کی فدائی نہ ہو، کسی کو آپ سے شکایت نہ تھی۔ حضور ﷺ کسی کی جائز دلداری میں کبھی کمی نہ کرتے، جائز فرمائشوں کو پورا فرماتے۔ بیویوں کی سہیلیوں کی بھی عزت فرمایا کرتے۔ ان کے پاس ہدیہ بھجوایا کرتے۔ مردوں کے لیے حکم تھا کہ عورتوں کا پورا لحاظ رکھو۔ وہ تمہاری ماتحت ہیں، اچھے برتاؤ میں کمی نہ کرو۔ عورتوں کو حکم تھا کہ شوہروں کی پوری پوری اطاعت کرو، اسی میں تمہاری نجات ہے۔ اگر خدا کے علاوہ کسی کو سجدہ جائز ہوتا تو وہ شوہر تھا۔

سوال: غلام باندیوں کے ساتھ حضور ﷺ کا کیا برتاؤ تھا؟

جواب: حضور ﷺ کی عام مہربانیوں میں باندی غلام اور آزاد سب کا برابر حصّہ تھا۔ غلاموں کو اولاد کے برابر رکھا جاتا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو جو حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے، حضور ﷺ کا بیٹا کہا جاتا۔ شہرت یہاں تک ہوئی کہ زید بن محمد مشہور ہو گئے۔ اپنی پھوپھی زاد بہن سے ان کی شادی کر دی۔

تم پڑھ چکے ہو کہ غزوۂ موتہ میں تین ہزار مسلمانوں کی فوج کے یہی سردار تھے، جن کے ماتحت حضور ﷺ کے چچا زاد بھائی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت

زید رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ آج تک محبوبِ رسولِ اللہ کے نام سے مشہور ہیں۔ فتحِ مکّہ کے موقع پر آقائے دو جہاں کے برابر ایک ہی اونٹنی پر یہ بھی سوار تھے اور پھر وفات سے کچھ دنوں پہلے انہی کو اس بڑے لشکر کا افسر بنایا تھا جس میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

عام مسلمانوں کو بھی اسی برتاؤ کی تعلیم دی گئی، ارشاد ہوا: "موالي القوم من انفسهم." کسی قوم کے آزاد کردہ غلاموں کو زکوٰۃ دینا شریعت میں اسی طرح حرام قرار دیا گیا جیسے خود بنو ہاشم کو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دس سال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہا، مگر سفر، حضر، گھر، باہر؛ سب موقعوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم میری خدمت اس سے زیادہ کیا کرتے جس قدر میں آپ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ کبھی مجھے نہیں فرمایا: ایسا کیوں کیا؟ ایسا کیوں نہیں کیا؟

معاملات

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے لوگوں سے کیا کیا معاملات کیے ہیں اور کس شان سے؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خریدا بھی ہے، بیچا بھی ہے مگر نبوت سے پہلے فروخت کی مقدار زیادہ تھی۔ نبوت کے بعد اس سے کم اور ہجرت کے بعد اس سے بھی کم۔ ہاں! ان زمانوں میں خرید کی مقدار زیادہ ہوتی رہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نقد بھی خریدا اور بیچا ہے اور اُدھار بھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدوری بھی کی ہے، بکریاں بھی اُجرت پر چرائی ہیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے منیجر بن کر شام بھی تشریف لے گئے ہیں اور دوسروں کو مزدور یا نوکر بھی رکھا ہے۔ منیجر و وکیل خود بھی بنے اور دوسروں کو بھی اپنا وکیل بنایا۔ ہدیہ لینا، ہدیہ دینا، ہبہ لینا، ہبہ دینا؛ یہ تمام معاملات

پائے گئے، مگر ہدیہ یا ہبہ دینے سے جس قدر خوش ہوتے تھے لینے سے اتنا نہیں۔ اگر کسی سے قرض لیا ہے تو اس سے بہتر ادا کیا ہے اور ساتھ میں جان اور مال کی برکت کی دعا بھی فرمائی ہے، لیکن سود لینا، سود دینا، سود کا معاملہ لکھنا، اس کے متعلق دلالی، وغیرہ وغیرہ سب حرام قرار دی اور فرمایا کہ سود کے گناہ کا چھتیسواں حصّہ (معاذ اللہ) ماں کے ساتھ زنا کے برابر ہے۔ ایک مرتبہ کوئی چیز اُدھار خریدی، قیمت ادا کرنے سے پہلے اس کو فروخت کر دیا۔ اتفاقاً اس میں نفع رہا۔ حضور ﷺ نے اس نفع کو بیواؤں اور یتیموں پر تقسیم فرما دیا۔

ایک مرتبہ ایک شخص سے ایک اونٹ قرض لیا، وہ تقاضا کرنے آیا اور سخت گفتگو کی۔ صحابہ کو غصّہ آیا، آپ نے سب کو خاموش فرما دیا اور ارشاد ہوا: حق دار کو کہنے کا حق ہے۔

دوسری مرتبہ دوسرے شخص سے ایسا ہی معاملہ پیش آیا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ موجود تھے، ان کو بہت غصّہ آیا، آپ نے ان کو ٹھنڈا کر دیا اور فرمایا: ''تم کو مجھے کہنا چاہیے تھا، نہ اس کو۔''

ایک یہودی سے ایک مرتبہ ایسی ہی صورت پیش آئی، وہ وقت سے پہلے ہی مانگنے کے لیے کھڑا ہوا اور بہت سخت گفتگو کی۔ یہاں تک کہا کہ آپ لوگوں کا یہی طرز ہے، ہمیشہ ٹالتے ہیں۔ صحابہ نے جواب دینا چاہا، مگر حضور ﷺ نے خاموش کر دیا۔ پھر بھی یہودی کی طرف سے سختی بڑھ رہی تھی، مگر اس کا جواب نرمی کی زیادتی سے اور حلم و برد باری کی ترقی سے دیا جا رہا تھا۔ آخر یہودی حضور ﷺ کا مَتْوالا بن گیا اور عرض کرنے لگا: آپ میں تمام علامتیں نبوت کی سچّی پا چکا تھا، صرف سخت کلامی اور غصّہ کے وقت برد باری کا امتحان باقی تھا، آج پورا ہو گیا۔ اب مجھے خادم بنا لیجیے اور اسلام سے مُشَرَّف فرمائیے۔

حضور ﷺ کے اخلاق کھانے پینے کے متعلق

سوال: کھانے پینے کے متعلق حضور ﷺ کے کیا اخلاق تھے؟

جواب: خدا کی معمولی سی نعمت کو بھی بہت بڑی نعمت سمجھتے۔ جو سامنے آتا اُسکو واپس نہ کرتے بڑھیا ہو یا گھٹیا، بشرطیکہ ناجائز نہ ہو۔ اگر نہ ملتا تو صبر کرتے، چنانچہ کئی کئی دن صاف گزر جاتے۔ پیٹ پر پتھر باندھتے، مگر صبر میں فرق نہ آتا، رضا میں کمی نہ ہوتی۔ ایسا بھی ہوا مہینے گزر گئے اور دولت خانہ میں چولہا ٹھنڈا پڑا رہا۔ جب کھانے کیلئے بیٹھتے اوّل ہاتھ دھو لیتے اور بسم اللہ پڑھتے۔ ہاتھ پر یا کسی چیز پر تکیہ لگا کر سینی یا میز پر کھانا نہ کھاتے، نہ پُرتکلّف چھوٹے چھوٹے برتنوں میں۔ ایک ہی طشت یا قاب میں بہت سے آدمی کھا لیتے۔ زمین پر دستر خوان بچھایا جاتا، اسی پر کھاتے۔ خدا کی نعمت کی برائی نہ کرتے، کھانا پسند آتا تو کھاتے ورنہ ہاتھ کھینچ لیتے، عیب ہرگز نہ نکالتے، فارغ ہونے کے بعد جب کھانا اُٹھایا جاتا تو فرماتے:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَاَرْوَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ."

''اس خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں کھانا کھلایا، سیراب اور شاداب کیا اور ہمیں مسلمان بنایا۔''

آپ کا کھانا تکلّفات سے بالکل سادہ ہوتا، ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ حضرت سلمٰی رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور فرمایا:

حضور ﷺ کو جو کھانا پسند تھا وہ ہمیں پکا کر کھلاؤ۔

سلمٰی رضی اللہ عنہا: پیارے بچو! آج تمھیں وہ کھانا پسند نہیں آسکتا۔

امام حسن رضی اللہ عنہ: نہیں اچھی سلمٰی! ضرور پسند آئے گا۔

حضرت سلمی رضی اللہ عنہا اُٹھیں، تھوڑے جَو دَل کر ہانڈی میں ڈالے، ذرا سا زیتون کا تیل اُن کے اُوپر ڈالا اور کچھ مرچیں کچھ زیرہ وغیرہ ملا کر فرمایا: یہ کھانا حضور ﷺ کو پسند تھا۔

چھلنی اس زمانہ میں نہ تھی۔ جو کا آٹا پیسا جاتا اور پھونکوں سے اس کا پھوکٹ اُڑا دیا جاتا۔ چپاتی حضور ﷺ کے لیے کبھی نہیں پکائی گئی۔ لیکن اس کے باوجود بھی دو دن متواتر جو کی روٹی حضور ﷺ کو پیٹ بھرائی عمر بھر میسّر نہ آئی۔ کئی کئی راتیں فاقہ سے گزر جاتی تھیں۔ کمر سیدھی کرنے اور سہارا دینے کے لیے پیٹ پر پتھر باندھتے، مگر نہ اس وجہ سے کہ آمدنی کم تھی، بلکہ اس لیے کہ دنیا کے یتیم اور فقراء حضور ﷺ کے مال میں برابر کے حصّہ دار تھے، جو کچھ آتا فوراً خرچ ہو جاتا۔

ارشاد ہوا: ''سرکہ بہترین سالن ہے۔'' نمک کی بھی تعریف کی گئی کہ غریب کی روٹی کو لذت کے ساتھ حلق سے نیچے اُتار دیتا ہے۔ سیر شکم کبھی نہ تناول فرماتے، کچھ بھوک چھوڑ دیتے۔

تر چیزوں کو تین انگلیوں سے کھاتے اور فراغت کے بعد اُن کو چاٹ لیتے۔ بیچ میں سے اور چھانٹ چھانٹ کر کھانے سے منع فرماتے۔ جب تک ہڈی میں گوشت رہتا پھینکنے کی اجازت نہ دیتے، گری ہوئی چیز کو صاف کر کے کھانے کی ترغیب دیتے اور دستر خوان پر گرے ہوئے ریزوں کے کھانے کو برکت کا باعث قرار دیتے۔ پیالہ یا ہنڈیا کی تلچھٹ خاص طور سے کھاتے تھے۔ صدقہ کی چیز حضور ﷺ ہرگز نہ کھاتے۔ ہاں! ہدیہ شوق سے کھا لیتے۔

پینے کے متعلق حضور ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ بیٹھ کر اطمینان کے ساتھ تین سانس میں پانی نوش جان فرماتے، ہر مرتبہ برتن کو منہ سے الگ کر کے سانس لیتے اور اسی طرح پینے کی ہدایت فرماتے۔

سوال: صدقہ اور ہدیہ میں کیا فرق ہے؟

جواب: صدقہ تو یہ ہے کہ ثواب کے خیال سے کسی ضرورت مند کو کوئی چیز دی جائے اور کسی خاص شخص کی خصوصیّت منظور نہ ہو اور ہدیہ یہ ہے کہ اس شخص کا اکرام اور تعظیم منظور ہو۔

سوال: اگر کوئی ہدیہ بھیجتا تو آپ کا طرز کیا ہوتا؟

جواب: آپ قبول فرما لیتے، دعا فرماتے اور اس سے بہتر چیز دینے کی کوشش فرماتے۔

سوال: حضور ﷺ کی عام غذا کیا تھی؟

جواب: چند چھوارے، جو کی روٹی، ستو، دودھ، گوشت۔

سوال: حضور ﷺ کو کون کون سی چیزیں مرغوب تھیں؟

جواب: کدّو، شہد، دودھ، گوشت اور خصوصیّت کے ساتھ ران کا گوشت۔[1]

سوال: کون کون سی چیزیں حضور ﷺ کو ناپسند تھیں؟

جواب: (کچی) لہسن، پیاز، اور بدبو کی چیزیں۔

راحت وآرام

سوال: حضور ﷺ کے سونے اور لیٹنے کا کیا طرز تھا؟

جواب: حضور ﷺ عموماً باوضو سوتے، جب بستر پر جاتے تو اوّل اس کو جھاڑ لیتے۔ اس کے بعد پہلے داہنا پیر رکھتے، پھر دائیں ہاتھ پر داہنا رخسار رکھ کر دائیں کروٹ پر اس طرح لیٹتے کہ قبلہ کی طرف رخ رہتا، یعنی قبلہ داہنی جانب ہوتا اور یہ دعا فرماتے:

رَبِّ قِنِیُ عَذَابَكَ يَوُمَ تَبُعَثُ عِبَادَكَ.

''اے پروردگار! جس دن تو اپنے بندوں کو اُٹھائے مجھے عذاب سے بچانا۔''

سونے سے پہلے تینتیس مرتبہ سبحان اللّٰہ اسی طرح تینتیس تینتیس مرتبہ الحمد للّٰہ اور اللّٰہ اکبر اور ایک مرتبہ آیت الکرسی اور چاروں قُلُ خود بھی

[1] لیکن اس کی وجہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ بیان کی کہ گوشت کبھی کبھی پکتا اور حضور ﷺ کو فرصت کم ہوتی تھی، یہ چوں کہ گل جاتا اس لیے اسی کو جلدی جلدی کھا لیتے۔

پڑھتے اور اس کی تعلیم اُمت کو بھی فرماتے اور فرمایا کہ "قُلْ هُوَ اللّٰهُ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" پڑھ کر دونوں ہاتھوں پر دم کر کے تمام بدن پر پھیر لیے جائیں۔ تین مرتبہ ایسا کیا جائے۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی سورتیں پڑھنے کی عادت تھی۔ حضور ﷺ کپڑے کے بستر پر بھی سوئے ہیں اور چمڑے کے بستر پر بھی، کالے کمبل اور محض چٹائی پر بھی حضور ﷺ سوئے ہیں اور ٹاٹ یا کھال پر بھی۔ تخت اور چار پائی پر بھی سرکارِ دو عالم سوئے ہیں اور فرشِ خاک پر بھی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں حضور ﷺ کا بستر چمڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں ٹاٹ کا، جس کو دوہرا کر کے بچھا دیا جاتا، ایک روز اس کو چوہرا کر کے بچھا دیا گیا تو تہجّد میں دیر سے آنکھ کھلی۔ فرمایا: آئندہ ایسا ہرگز نہ کرنا، دوہرا ہی رہنے دینا۔

حضور ﷺ کا سونے کے وقت کچھ سانس ضرور سنائی دیتا۔ مگر ناگوار خراٹے نہ ہوتے تھے۔ حضور ﷺ کی آنکھیں سوتیں، مگر قلبِ مبارک وحی کا منتظر اور حضرت قدس[1] کی طرف متوجہ رہتا۔ جب حضور ﷺ بیدار ہوتے تو فرماتے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْر.

''اس خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں موت کے بعد زندگی عطا فرمائی، اسی کے پاس جانا ہے۔''

---

[1] مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہے۔

پوشاک، لباس وغیرہ

سوال: حضور ﷺ کی پوشاک کیسی ہوتی تھی؟

جواب: حضور ﷺ کا لباس مبارک سادہ ہوتا تھا، تکلّف سے پاک، بسا اوقات پرانا پیوند لگا ہوا۔ مگر صاف ستھرا اور اکثر خوشبو سے معطر، سبز یا سرخ دھاری دار یمن کے بنے ہوئے تہہ بند اور چادر اور سفید لباس حضور ﷺ کو عام طور سے پسند تھا۔

لباس کے متعلق عام سنت یہ تھی کہ جو میسّر آتا وہ استعمال فرماتے۔ چنانچہ چادر، تہبند اور کرتہ، عمامہ، ٹوپی، چمڑے کے موزے، جوتے؛ یہ سب ہی استعمال فرمائے ہیں اور وقت پر جو میسّر ہوا۔ ضرورت کے وقت چوغا اور تنگ آستین والی اچکن بھی استعمال فرمائی ہے۔ پاجامہ بھی خریدا ہے، مگر پہننے سے پہلے وفات ہوگئی۔

البتہ لباس میں چند باتیں ضروری تھیں: (۱) ریشم کا نہ ہو (۲) زربفت نہ ہو (۳) ایسا لباس نہ ہو جس سے تکبّر ٹپکے۔ چنانچہ ٹخنوں سے نیچا تہہ بند یا پاجامہ منع فرمایا، کیونکہ یہ تکبّر کا شیوہ ہے۔ (۴) ایسا نہ ہو جس سے دکھاوا مقصود ہو، خواہ گھٹیا اور ردّی ہی ہو۔ (۵) ایسا نہ ہو جس سے عورتوں کی مشابہت پیدا ہو۔ چنانچہ سرخ لباس وغیرہ سے منع فرمایا۔ (۶) ایسا نہ ہو جو کسی دوسری قوم کا مخصوص لباس ہو۔

یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ تکبّر بڑھیا لباس میں نہیں اور تصوف گھٹیا لباس میں نہیں۔ بلکہ تکبّر یہ ہے کہ اپنے ہم جنسوں پر بڑائی جتلانا مقصود ہو، تصوف یہ ہے کہ تکبّر اور دکھلاوے کا اس میں اثر نہ ہو، رسولُ اللہ ﷺ کے طریقہ کی پیروی ہو، وہ سادہ لباس بھی برا ہے جو دکھلاوے کے لیے ہو۔ وہ بڑھیا لباس بھی اچھا ہے جو تکبّر اور غرور کے لیے نہ ہو، بلکہ خدا کی نعمت اور اس کے احسان کے اظہار کیلئے ہو۔

حضور ﷺ نے اعلیٰ درجہ کا لباس بھی پہنا ہے اور گھٹیا بھی۔ جن کپڑوں میں وفات پائی وہ موٹے کپڑے تہ بہ تہ پیوند لگے ہوئے تھے۔

حضور ﷺ کا ارشاد تھا جب تک پیوند نہ لگوالیا جائے کپڑے کو نہ اُتارا جائے اور جب اُتارا جائے تو کسی غریب کو دے دیا جائے۔

حضور ﷺ عمامہ میں شملہ بھی چھوڑتے تھے۔ اور کبھی دونوں کنارے بھی نیچے کو لٹکا لیتے تھے۔ عمامہ کا باندھنا اس طرح ہوتا کہ داہنا حصّہ اوپر رہتا اور ٹوپی نیچے ہوتی۔

سوال: حضور ﷺ کی چادر، تہہ بند اور عمامہ کا طول وعرض کتنا ہوتا تھا؟

جواب: چادر چھ ہاتھ لمبی، تین ہاتھ چوڑی۔ تہہ بند چار ہاتھ ایک بالشت لمبی اور دو ہاتھ ایک بالشت چوڑی۔ عمامہ سات ہاتھ لانبا۔

سوال: حضور ﷺ کی انگوٹھی چاندی کی تھی یا سونے کی، کون سے ہاتھ میں پہنتے تھے اور اس کا نگ کس طرف رہتا تھا؟

جواب: چونکہ حضور ﷺ کی انگوٹھی میں مہر تھی اور مہر کی ضرورت ہوتی تھی۔ اس وجہ سے ضرورت کے وقت عموماً داہنے ہاتھ میں ڈال لیتے تھے۔ کبھی بائیں ہاتھ میں بھی۔ اس کا نگ اندر کی جانب ہتھیلی کی طرف رہتا تھا، انگوٹھی چاندی کی تھی۔ سونے کی منع فرمائی ہے۔

صفائی

حضور ﷺ کا ارشاد ہے: جو شخص بال رکھنے چاہے تو وہ صاف کرتا رہے۔ آپ دوسرے تیسرے روز کنگھا بھی فرمایا کرتے تھے۔ آٹھویں روز غسل مسنون قرار دیا اور مسواک ہر وضو کے وقت۔

ایسے ہی جمعہ یا عید یا مجمع میں جانے کے وقت عطر، مسواک، عمدہ لباس کا استعمال مسنون قرار دیا۔ حجامت کی زائد سے زائد مدت چالیس روز قرار دی، مونچھوں کو کٹانا، ڈاڑھی کو بڑھانا مسلمان کی علامت قرار دی۔

حضور ﷺ سونے کے وقت سرمہ استعمال فرماتے تھے، ہر آنکھ میں تین سلائی لگاتے۔ پیشاب کو مکان میں رکھنے سے منع فرمایا۔ مکانوں کو صاف رکھنے کا حکم فرمایا۔ ارشاد ہوا: ''اس مکان میں رحمت کے فرشتے نہیں جاتے، جس میں جنبی (ناپاک) یا تصویر یا کتا ہو۔'' رات کو بسم اللہ کہہ کر برتنوں کے ڈھکنے کا حکم فرمایا۔

استنجا حضور ﷺ پانی سے بھی کرتے تھے اور ڈھیلوں سے بھی اور دونوں سے استنجا کرنا بہتر قرار دیا۔ پاس بیٹھ کر قضاء حاجت سے منع فرمایا[1]۔ سایہ کی جگہ لوگوں کے بیٹھنے کی جگہ اور راستہ میں پیشاب، پاخانہ کرنے سے منع فرمایا۔

آبدست بائیں ہاتھ سے ہونا چاہیے، آبدست کے ہاتھ کو مٹی سے مل کر پانی سے دھو لینا چاہیے، نجاست کے موقعوں پر بایاں پیر آگے بڑھنا چاہیے اور اچھے موقعوں پر دایاں پیر۔ پیشاب کے وقت نرم زمین تلاش کرنی چاہیے۔ ورنہ کُرید کر ایسا کر لینا چاہیے کہ چھینٹے نہ اُٹھیں۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ دو قبروں پر گزرے، فرمایا ان کے مُردوں کو معمولی باتوں پر عذاب ہو رہا ہے، ایک تو چغلی کیا کرتا تھا، دوسرا ناپاک چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا۔ پیشاب پاخانہ میں جانے کے وقت پڑھنا چاہیے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ.

باہر نکلتے وقت کہنا چاہیے:

اَللّٰھُمَّ غُفْرَانَكَ.

یہ تھی حضور ﷺ (روحی فداہ) کی مبارک اور پاکیزہ سنت۔

اللھم وفقنا لاتباع سنن حبیبك ونبیك خاتم الانبیاء والمرسلین وصل علیه وعلیٰ آله واصحابه اجمعین.

آمین یارب العالمین.

[1] حضور ﷺ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہونے کے لیے دو دو اور چار چار میل نکل جاتے تھے۔

نکاح

سوال: نکاح مذہبی چیز ہے یا دنیاوی؟

جواب: مذہبی۔

سوال: مذہبی طور سے نکاح کے کیا کیا مقصد ہیں؟

جواب: (۱) پاک دامن رہے، نظر نیچی رہے۔ (۲) خدا کی عبادت کے لیے ہر ایک کو دوسرے سے مدد ملے۔[۱] (۳) خدا کے نیک بندوں میں زیادتی ہو۔ (۴) عورتیں جو خدا کی مخلوق ہیں ان کی زندگی بخوبی بسر ہو۔ اندرونِ خانہ انتظامات سے بےفکر ہو کر مذہبی فرائض مثلاً جہاد یا حلال کمائی وغیرہ میں مشغول ہو۔ (۵) اپنے بچوں کے دکھ درد کو دیکھ کر مخلوق خدا کے درد دکھ کا پتا چلے اور نیک سلوک اور خدمت خلق کی عادت ہو۔

سوال: اسلام میں ایک وقت میں کتنے نکاح جائز ہیں؟

جواب: چار۔

سوال: کیا اس کے لیے کوئی شرط بھی ہے؟

جواب: (۱) سب کے اخراجات برداشت کر سکے۔ (۲) سب کے ساتھ برابر کا برتاؤ کر سکے۔ (۳) سب کے ساتھ اچھا سلوک کر سکے۔

سوال: حضور ﷺ کی بیویوں کا ذکر ہمیں کس طرح کرنا چاہیے، یعنی ان کا لقب کیا ہے اور مسلمانوں سے کیا رشتہ ہے؟

جواب: اُمّ المومنین کے ساتھ یعنی مسلمانوں کی ماں، یہی ان کا لقب اور رشتہ ہے۔

---

[۱] چنانچہ ان میاں بیوی کی تعریف کی گئی جو رات کو اُٹھ کر تہجّد پڑھیں اور ایک نہ اُٹھے تو دوسرا اس پر پانی چھڑک دے، ارشاد ہوا: دنیا کی بہترین پونجی نیک بیوی ہے۔

سوال: حضور ﷺ کی وفات کے وقت کتنی بیویاں تھیں؟

جواب: نو۔

سوال: جب کہ مسلمانوں کے لیے صرف چار نکاح جائز ہیں تو حضور ﷺ نے اتنے نکاح کیوں کیے؟

جواب: جس خدا نے عام مسلمانوں کے لیے صرف چار نکاح ایک وقت میں جائز رکھے ہیں اسی خدا نے حضور ﷺ کے لیے اس سے زائد نکاح جائز رکھے۔

سوال: کیا حضور ﷺ کے نکاحوں میں کوئی ظاہری حکمت بھی ہے؟

جواب: چند حکمتیں بالکل ظاہر ہیں، زیادہ کا علم خدا کو ہے۔

سوال: وہ حکمتیں کیا ہیں؟

جواب: (۱) حضور ﷺ کا طریقہ تھا کہ جس چیز کی تعلیم دوسروں کو دیتے تو اس پر سختی سے عمل کر کے دکھا دیتے۔ نماز[۱]، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقہ، جہاد، معاملات مثلاً خرید و فروخت، قرض، تجارت وغیرہ وغیرہ سب میں یہی حالت تھی تو اسی طرح جب چار نکاح جائز رکھے گئے اور حکم یہ ہوا کہ سب کیساتھ اچھی طرح سے رہیں، کسی کو شکایت کا موقع نہ آنے دیں تو حضور ﷺ نے ۹ نکاح کر کے دکھا دیا کہ بہت سی بیویوں کے ہوتے ہوئے اس طرح محبّت اور برابری کا سلوک کیا جا سکتا ہے۔

---

[۱] حالانکہ حضور ﷺ معصوم و مغفور تھے، مگر فرماتے ہیں کہ نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، عام نمازوں کے علاوہ صرف تہجّد میں اتنا کھڑے ہوتے ہیں کہ پائے مبارک ورم کر جاتے ہیں۔ اسی طرح مسلمانوں کے لیے جائز نہیں کہ دو دو تین تین دن کے روزے بلا افطار رکھیں، مگر حضور ﷺ عموماً ایسا کرتے تھے۔ عام مسلمانوں کا ترکہ ان کی اولاد کو ملتا ہے، بلکہ مرنے کے وقت تہائی سے زائد مال کا وقف کر دینا یا ہبہ کر دینا ناجائز ہے، مگر حضور ﷺ کا ترکہ تمام مسلمانوں کے لیے تھا، ان کی اولاد کو کچھ نہ ملا، اس کی آمدنی زندگی میں بھی اور بعد میں بھی فقیروں، مسکینوں، مسافروں وغیرہ کے لیے تھی۔ جہاد کے بارے میں حالات کا کسی قدر علم ہو چکا ہے، حد ہو گئی بدر کے موقع پر بیٹی لبِ دم اور حضور ﷺ جہاد میں وطن سے باہر، اور اس قسم کے سیکڑوں واقعات ہیں۔

(۲) اگر نکاح عیش ہے تو یہ بتا دیا کہ انسان ایک بیوی نہیں ۹ بیویوں میں پھنس کر بھی دنیا دار نہیں بنتا، بلکہ سخت سے سخت اور اعلیٰ سے اعلیٰ دینی خدمت انجام دے سکتا ہے۔ (۳) اگر نکاح آفت ہے تو ضروری تھا کہ دنیا کی دوسروں کی مصیبتوں کی طرح یہ بھی حضور ﷺ پر سب سے زائد ہوں تا کہ ثابت قدمی اور استقلال کا سبق خدا کے بندوں کو مل سکے۔ (۴) بہت سے مسئلے اس قسم کے ہیں کہ مردوں کے ذریعہ سے ان کی تبلیغ ناممکن ہے اور غیر عورتوں کے سامنے ان کا بیان کرنا حیا کے مخالف تو اس طرح ان کی تبلیغ بآسانی ہو۔ (۵) کچھ خاص حکمتیں تھیں جن کا تذکرہ ''ماؤں'' کے تفصیلی ذکر میں آئے گا۔ (۶) اگر معاذ اللہ! کوئی برا مقصد ہوتا تو یہ شادیاں جوانی میں کرنی چاہیے تھیں نہ کہ پچپن سال کے بعد بڑھاپے میں۔

سوال: کیا حضور ﷺ سے پہلے انبیاء نے بھی ایک سے زائد شادیاں کی ہیں؟

جواب: کی ہیں۔

سوال: ان کی تفصیل بیان کرو۔

جواب: سیدنا حضرت ابراہیم صلی اللہ علیہ وعلی نبینا وسلم: تین بیویاں۔
سیدنا حضرت یعقوب علیہ وعلیٰ نبینا الصلوۃ والسلام: چار بیویاں۔
سیدنا حضرت موسیٰ علیہ وعلیٰ نبینا السلام: چار بیویاں۔
سیدنا حضرت داؤد علیہ وعلیٰ نبینا السلام: نو سے بھی زائد۔
سیدنا حضرت سلیمان علیہ وعلی نبینا السلام: ۹ سے بھی زائد، بروایت تورات ایک ہزار سے بھی زائد۔

سوال: کیا ہندوؤں کے بڑے بزرگوں نے بھی ایک سے زائد بیویاں رکھی ہیں؟

جواب: رکھی ہیں۔

سوال: ان کی تفصیل بیان کرو؟

جواب: رام چندر جی[1] کے والد مہاراجہ دسرتھ کی ۳ بیویاں۔ کرشن جی جو بہت بڑے اوتار ہیں عام شہرت کے مطابق سینکڑوں بیویاں۔ راجا پانڈو کی دو بیویاں۔ راجا شتن دو بیویاں۔ بچترا ئج دو بیویاں ایک لونڈی۔

سوال: امہات المومنین کے مہر کیا کیا تھے؟

جواب: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ۲ اونٹ۔ حضرت امّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کے چار سو دینار تقریباً دو ہزار روپے۔ باقی سب کے پانسو درہم (۵۰۰)، تقریباً جن کی ۱۳۰ تولہ چاندی ہوتی ہے۔

سوال: حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے مہر اتنے زیادہ کیوں تھے؟

جواب: اس لیے کہ حبشہ کے بادشاہ نے یہ مہر رکھے تھے۔ اُسی نے ادا کیے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں۔

سوال: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مہر کتنے تھے؟

جواب: وہی پانسو درہم۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواتین اور ان کے والدین کے نام کیا کیا تھے اور کون کون سے خاندان سے تھیں، نکاح کب ہوا، پہلے بھی ان کا کوئی نکاح ہو چکا تھا یا نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کتنے عرصہ رہیں، کب وفات پائی؟

جواب: ان تمام سوالات کے جوابات ذیل کے نقشہ سے نکال لو:

[نقشہ اگلے صفحے پر ہے]

[1] ماخوذ از رحمۃ للعالمین: ۱۵۶/۲۔ لالہ لاجپت رائے آنجہانی نے بہت کم کیں، مگر پھر بھی آٹھ مانیں۔

حضور ﷺ کی خواتین جن کو

نمبر شمار	اصل نام مع عرف اور والدہ کا نام	والد کا نام اور خاندان	پہلے نکاح ہوا یا نہیں اور کتنے نکاح ہوئے	حضور سے کب نکاح ہوا اور ان کی عمر کیا تھی
۱	امّ المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا۔ لقب طاہرہ۔ دخترِ فاطمہ بنت زائدہ	خویلد۔ قریش۔ از اولادِ قُصَیٰ	دو نکاح ہوئے: (۱) عتیق بن عائد مخزومی جو لاولد مرے (۲) ابو ہالہ ہند بن نباش جنکے اولاد ہوئی۔	حضور ﷺ کی عمر ۲۵ سال اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس سال۔
۲	امّ المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا۔ دختر شموس بنت قیس	زمعہ۔ قریش از اولادِ لُوَی	پہلے سکران بن عمرو بن عبدود سے نکاح ہوا	نبوت سے دسویں برس حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد۔ حضور ﷺ کی عمر ۵۰ سال نیز حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۵۰ سال
۳	حبیبۂ محترمہ امّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔ صدیقہ لقب۔ دختر اُمّ رومان زینب رضی اللہ عنہا جن کو دنیا میں جنتی ہونے کی بشارت دی جا چکی تھی۔	صدیق اکبر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ قریشی از اولادِ مرّہ	پہلے نکاح نہیں ہوا۔	شوال ۱۱ھ نبوت، یعنی جب حضور ﷺ کی عمر مبارک ۵۰ سال ٦ ماہ تھی نکاح ہوا۔ تین سال بعد ہجرت کے پہلے سال شوال میں رخصتی ہوئی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر بوقت نکاح چھ سال، بوقت رخصتی ۹ سال۔

مسلمان اپنی ماں کہتے ہیں۔ رضوان اللہ علیہن

کتنے عرصہ حضور کی خدمت میں رہیں	وفات کب ہوئی اور کہاں	کیفیت اور کوئی خاص بات
۲۵ برس یا ۲۴ برس چھ ماہ	مکّہ مکرمہ میں جب کہ حضور ﷺ کی عمر ۵۰ سال تھی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۶۵ سال	ابو ہالہ سے تین بیٹے زندہ تھے جو مسلمان ہوئے: (۱) ہند (۲) طاہر (۳) ہالہ رضی اللہ عنہم۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مہر ۶ اونٹ تھے۔
تقریباً ۱۴ سال	مدینہ منورہ۔ ۱۹ھ ہجری بہ عمر ۲۷ سال	پہلے مسلمان ہوگئی تھیں پھر شوہر کو مسلمان کیا، پھر حبشہ (ہجرت کر کے) تشریف لے گئیں، وہاں شوہر کی وفات ہوگئی، حضور ﷺ نے نکاح کر کے مصیبت زدہ بیوہ کی ہمدردی فرمائی اور دارین کی سر بلندی سے نوازا۔
۹ برس ۵ ماہ تقریباً	مدینہ طیّبہ میں ۱۷ر رمضان المبارک ۵۷ھ ہجری کو بہ عمر ۶۳ سال وفات ہوئی	ذہانت، ذکاوت، عقل، سمجھ، علم، عمل کے باعث حضور رضی اللہ عنہا کی بیگمات میں سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ بڑے بڑے صحابہ بڑے بڑے مسائل میں ان سے فتویٰ لیتے تھے۔ تقریباً سوا دو ہزار حدیثیں ان سے روایت ہیں۔

نمبر شمار	اصل نام مع عرف اور والدہ کا نام	والد کا نام اور خاندان	پہلے نکاح ہوا یا نہیں اور کتنے نکاح ہوئے	حضور سے کب نکاح ہوا اور ان کی عمر کیا تھی
۴	امّ المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا۔ دختر حضرت زینب بنت مظعون رضی اللہ عنہا، بہت پہلے مسلمان ہو چکی تھیں۔	حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ قریشی از اولادِ کعب	پہلے حضرت خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوا تھا جنہوں نے حبشہ اور مدینہ دونوں جگہ ہجرت کی اور پھر جنگِ اُحد میں شریک ہو کر زخمی ہوئے اور مدینہ میں وفات پائی۔	شعبان ۳ھ ہجری۔ حضور ﷺ کی عمر ۵۵ سال ۶ ماہ۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی عمر تقریباً ۲۲ سال۔
۵	امّ المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا۔ لقب امّ المساکین	خزیمہ۔ قریش از اولاد بنو ہلال بن عامر	تین نکاح ہوئے: (۱) طفیل سے (۲) عبیدہ سے، دونوں حضور ﷺ کے بڑے چچا حارث کے بیٹے تھے۔ (۳) عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے جو جنگ بدر میں شہید ہوئے۔	۳ھ ہجری حضور کی عمر ۵۵ سال امّ المومنین کی عمر تقریباً تیس سال۔
۶	امّ المومنین حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا۔ اصل نام ہند	ابی امیہ، عرف زاد الراکب، قریشی از بنی مخزوم، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اسی خاندان سے تھے۔	حضرت عبداللہ بن عبدالاسد مخزومی رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوا تھا جو حضور ﷺ کی پھوپھی برہ کے صاحبزادے تھے اور حضور ﷺ کے دودھ شریک بھائی بھی، اسلام لانیوالوں میں تقریباً گیارہویں شخص ہیں، اوّل حبشہ ہجرت کی، پھر مدینہ طیّبہ، بدر میں شریک ہوئے اور جنگ اُحد میں شریک ہو کر جمادی الاخریٰ ۳ھ ہجری میں شہید ہوئے۔	۴ھ ہجری یا ۵ھ ہجری ۸/ جمادی الثانیہ۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی عمر ۲۴ سال حضور ﷺ کی عمر ۵۶ سال

کتنے عرصہ حضور کی خدمت میں رہیں	وفات کب ہوئی اور کہاں	کیفیت اور کوئی خاص بات
۸ سال	جمادی الاولیٰ ۴۱ سنہ ہجری بہ عمر ۶۰ سال۔ مدینہ منورہ میں وفات پائی۔	بہت زیادہ سمجھ دار ذہین اور بہادر تھیں۔
دو ماہ یا تین ماہ	۳ سنہ ہجری، مدینہ طیّبہ میں بہ عمر ۳۰ سال	سخاوت میں ممتاز تھیں، اسی بنا پر ام المساکین لقب ہوا یعنی مسکینوں اور غریبوں کی ماں۔
سات سال ۹ ماہ یا سات سال	مدینہ میں ۵۹ سنہ ہجری یا ۶۰ سنہ ہجری میں بہ عمر ۸۴ سال۔ کہا گیا ہے کہ ازواج میں سب کے آخر میں ان کی وفات ہوئی۔	اسلام میں بہت پختہ تھیں۔ مدینہ آنے کے وقت اپنے شوہر کے ساتھ یہ بھی ہجرت کر رہی تھیں، مگر انکے رشتہ داروں نے انکو، ایک انکے شیر خوار بچہ کو روک لیا، شوہر نے خدا کی راہ میں بیوی کی کوئی پرواہ نہیں کی، جس جگہ فراق ہوا تھا ایک سال برابر وہاں آتیں، اور پھوٹ پھوٹ کر روئیں، آخر کار سخت دلوں کا دل نرم ہوگیا اور اجازت دیدی، یہ تنہا مدینہ کو روانہ ہوگئی۔ اور ایک شخص نے رحم کھا کر اُن کو مدینہ کے پاس تک پہنچا دیا، شوہر کی وفات کے وقت کئی ایک بچے تھے۔

نمبر شمار	اصل نام مع عرف اور والدہ کا نام	والد کا نام اور خاندان	پہلے نکاح ہوا یا نہیں اور کتنے نکاح ہوئے	حضور سے کب نکاح ہوا اور ان کی عمر کیا تھی
۷	امّ المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا۔ لقب امّ الحکم۔ دختر امیمہ جو حضور ﷺ کی پھوپی تھیں۔	جحش بن ایاب قبیلۂ خزیمہ از خاندانِ بنی اسد	پہلا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا جو حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے، پھر انہوں نے طلاق دیدی۔	ذی قعدہ ۵ سنہ ہجری۔ امّ المومنین رضی اللہ عنہا کی عمر ۳۶ سال حضور ﷺ کی عمر ۵۷ سال
۸	امّ المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا	حارث بن ابی ضرار قبیلۂ بنو مصطلق کے سردار	پہلی شادی مسافع بن صفوان مصطلقی سے ہوئی۔	غزوۂ بنی مصطلق کے موقعہ پر شعبان ۵ سنہ ہجری، امّ المومنین رضی اللہ عنہا کی عمر ۱۶ یا ۲۰ سال، حضور ﷺ کی عمر ۵۷ سال ۶ ماہ تقریباً
۹	امّ المومنین حضرت امّ حبیبہ رضی اللہ عنہا۔ اصل نام رملہ دختر صفیّہ بنت ابی العاص	ابوسفیان بن امیہ حضور ﷺ کے مشہور دشمن، جو ۸ سنہ ہجری میں مسلمان ہوئے، قریشی از خاندانِ بنو امیہ	پہلا نکاح عبید اللہ بن جحش سے ہوا۔	۶ سنہ ہجری امّ المومنین رضی اللہ عنہا کی عمر ۳۶ سال اور حضور ﷺ کی عمر ۵۰ سال سے زائد

کتنے عرصہ حضور کی خدمت میں رہیں	وفات کب ہوئی اور کہاں	کیفیت اور کوئی خاص بات
۵ سال ۴ ماہ تقریباً	مدینہ میں ۲۰ ہجری میں بہ عمر ۵۲ سال تقریباً	اس نکاح سے عرب کے اس مشہور عقیدہ کو باطل کیا گیا کہ متبنّٰی یعنی لے پالک کا رشتہ خاص بیٹے جیسا ہوتا ہے اور اس کی بیوی حرام ہوجاتی ہے، کیونکہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے متبنّٰی تھے۔
۵ سال ۶ ماہ تقریباً	مدینہ طیّبہ میں ۵۶ ہجری بہ عمر ۶۵ سال یا ۷۱ سال	غزوۂ بنو مصطلق میں گرفتار ہو کر حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصّہ میں آئی تھیں، انہوں نے آزاد کرنے کا وعدہ کرلیا مگر اس شرط پر کہ روپیہ ادا کریں، روپیہ کے متعلق امداد کیلئے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، حضور ﷺ نے روپیہ ادا کردیا اور چونکہ سردار کی بیٹی تھیں حضور ﷺ نے نکاح میں قبول فرمالیا، جسکا فائدہ یہ ہوا کہ سو آدمی جو اس قبیلہ کے گرفتار کرکے غلام بنائے گئے تھے اور تقسیم کیے جاچکے تھے مسلمانوں نے فوراً آزاد کردیئے کہ انکے خاندان سے حضور ﷺ کا رشتہ قائم ہوگیا ہے۔ حارثِ مذکور کا کام عموماً ڈکیتی تھا، اسکے بعد وہ بند ہوگیا، مسلمانوں کو بھی امن ملا، دوسرا فائدہ یہ تھا۔
تقریباً ۵ سال	مدینہ طیّبہ میں ۴۴ ہجری بہ عمر ۷۲ سال وفات ہوئی	شوہر کے ساتھ حبشہ گئی تھیں، مگر شوہر شرابی تھے، وہاں کے لوگوں سے ملکر اسلام سے پھر گئے، حضور ﷺ کو جب علم ہوا تو نکاح کا پیغام بھیجا، ابوسفیان پر جو حضرت امّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کے باپ تھے اسکا کیا اثر ہونا چاہیے وہ ظاہر ہے، واقعہ یہ ہے کہ پھر کوئی جنگ نہیں ہوئی، صلح کے زمانہ میں ابوسفیان مدینہ آئے، بیٹی سے ملنے گئے تو حضور ﷺ کے بستر پر بیٹھنے لگے، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے بستر اٹھادیا کہ رسول اللہ کے بستر پر کافر نہیں بیٹھ سکتا۔ ابوسفیان بولے: میرے بعد بیٹی بگڑ گئی۔

نمبر شمار	اصل نام مع عرف اور والدہ کا نام	والد کا نام اور خاندان	پہلے نکاح ہوا یا نہیں اور کتنے نکاح ہوئے	حضور سے کب نکاح ہوا اور ان کی عمر کیا تھی
۱۰	امّ المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا۔ دختر برہ بنت سموآل	حییّ بن اخطب سردار بنونضیر	کنانہ بن ابی حقیق سے نکاح ہوا جو خیبر کا سردار تھا، جنگ خیبر میں مارا گیا، یہ بھی روایت ہے کہ اس سے پہلے سلام بن مشکم یہودی سے نکاح ہوا تھا۔	جمادی الآخری ۷ھ ہجری، ام المومنین رضی اللہ عنہا کی عمر ۱۷ سال، حضور ﷺ کی عمر ۵۹ سال تقریباً
۱۱	امّ المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا۔ حضرت زینب بنت خُزَیمہ رضی اللہ عنہا کی ماں شریک بہن	حارث بن حزن از خاندان بنو ہلال بن عامر	پہلا نکاح مویطب بن عبدالعزیٰ سے ہوا، دوسرا نکاح ابورہم بن عبدالعزیٰ سے	ذی قعدی ۷ھ ہجری بموقعہ عمرۂ قضا، امّ المومنین رضی اللہ عنہا کی عمر ۳۶ سال، حضور ﷺ کی عمر ۵۹ سال تقریباً

کیفیت اور کوئی خاص بات	وفات کب ہوئی اور کہاں	کتنے عرصہ حضور کی خدمت میں رہیں
غزوۂ خیبر میں گرفتار ہوئی تھیں اور حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے حصّہ میں آئی تھیں، مگر چونکہ سردار کی بیوی اور سردار کی بیٹی تھیں، لہٰذا ان سے واپس لے کر ملکۂ دو جہاں کا شرف عنایت فرمایا گیا۔ حضور ﷺ نے اول روز دیکھا کہ چہرہ پر نیل ہے وجہ دریافت کی تو بتایا کہ حضور کی تشریف آوری سے پہلے میں نے خواب دیکھا تھا کہ چاند اپنی جگہ سے ہٹا اور میری گود میں آپڑا، حضور کے متعلق واللہ! مجھے کوئی خیال بھی نہ تھا، میں نے اپنے شوہر سے ذکر کیا تو اس کمبخت نے طمانچہ رسید کیا اور کہا کہ اس شخص کی آرزو رکھتی ہے جو مدینہ میں ہے۔	مدینہ طیّبہ میں وفات ہوئی بہ عمر ۶۰ سال رمضان ۵۰ھ ہجری	تقریباً ۴ سال
	بمقام سرف جہاں نکاح ہوا تھا وہیں وفات ہوئی بہ عمر ۸۰ سال ۵۱ھ ہجری	سوا تین سال تقریباً

رشتہ دار اور لواحقین

حضور ﷺ کے چچا، تائے اور پھوپیاں

سوال: حضور ﷺ کے کتنے تائے اور چچا تھے اور کیا کیا نام تھے؟

جواب: گیارہ یا تیرہ جن کے نام یہ ہیں: (۱) سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ (۲) حضرت عباس رضی اللہ عنہ (۳) جناب ابو طالب اصل نام عبدِ مناف (۴) ابولہب اصل نام عبدالعزیٰ (۵) زبیر (۶) عبدالکعبہ (۷) ضرار (۸) قثم (۹) مصعب، عرف عیداق (۱۰) حارث (۱۱) مُقَوِّم (۱۲) مغیرہ (۱۳) حجل یا حجلا (اوّل حا پھر جیم) علماء کا قول یہ بھی ہے کہ حارث ہی کا نام مقوم بھی تھا اسی طرح مغیرہ کا نام حجل یا حجلاء بھی مانا گیا ہے، اس صورت سے کل گیارہ ہوتے ہیں۔

سوال: ان سب میں بڑے اور چھوٹے کون اور کون کون مسلمان ہوئے؟

جواب: سب سے بڑے حارث اور سب سے چھوٹے عباس رضی اللہ عنہ اور صرف دو مسلمان ہوئے۔ حضرت حمزہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما۔

سوال: حضور ﷺ کی کتنی پھوپیاں تھیں اور نام کیا تھے؟

جواب: چھ: (۱) صفیہّ، حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ (۲) عاتِکہ (۳) برّہ (۴) اروئی (۵) اُمیمہ (۶) امِّ حکیم بیضا۔

سوال: مسلمان کون کون ہوئیں؟

جواب: حضرت صفیہّ رضی اللہ عنہا کے متعلق تو یقین ہے۔ باقی اروئی اور عاتِکہ کے متعلق اختلاف ہے۔

آزاد کردہ غلام اور باندیاں

سوال: حضور ﷺ کی آزاد کردہ باندیاں اور غلام کتنے تھے؟

جواب: تقریباً تیس غلام اور گیارہ یا نو باندیاں اور ان سے زیادہ کی بھی روایتیں ہیں؟

خدمت کرنے والے

سوال: حضور ﷺ کے خاص خاص خادم کون کون تھے؟

جواب: حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی، حضرت عقبہ بن عامر جُہنی، حضرت بلال بن رَباح، حضرت سعد، حضرت ذو مخمر یا ذو مخبر (نجاشی بادشاہ کے بھتیجے یا بھانجے)، بکیر بن شداخ لیثی، حضرت مُعَیقِیب بن ابی فاطمہ دوسی، حضرت ابوذر غفاری، حضرت اسلع بن شریک، حضرت ایمن بن عبید رضوان اللہ علیہم اجمعین۔[1]

عورتیں:

ہند اور اسماء حضرت حارثہ کی صاحبزادیاں، اور امّ ایمن رضی اللہ عنہن۔

سوال: ان میں سے کن کن صاحب کے کیا کیا خدمت سپرد تھی؟

جواب:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ	ضروریاتِ خانگی وغیرہ
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ	جوتا اور مسواک کی نگرانی
حضرت عُقبہ بن عامر جُہنی رضی اللہ عنہ	خچری کی نگہبانی، سفر میں لے چلنا
حضرت اسلع بن شریک رضی اللہ عنہ	لگام کی دیکھ بھال، اونٹنی کی نگرانی
حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ	اذان، مصارف اور اخراجات
حضرت امّ ایمن[2] رضی اللہ عنہا	وضو اور استنجا کا پانی اور لوٹا
حضرت معیقیب بن ابی فاطمہ دوسی رضی اللہ عنہ	انگوٹھی کی نگرانی

مؤذن:

سوال: حضور ﷺ نے کس کس کو مؤذن مقرر کیا اور کہاں کہاں؟

جواب:

حضرت بلال رضی اللہ عنہ	مدینہ طیّبہ مسجد نبوی میں	باری باری، کبھی کوئی
حضرت عمرو ابن امّ مکتوم[3] رضی اللہ عنہ	مدینہ طیّبہ مسجد نبوی میں،	رات کو کبھی دن کو

---

[1] ملاحظہ ہو سرور المحزون: ص۲۹ زاد المعاد: ۱/۷۳ [2] زاد المعاد: ۱/۷۳ [3] زاد المعاد: ۱/۸۱

حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ	مکّہ مکرمہ، مسجدِ حرام
حضرت سعد قرظ[1] رضی اللہ عنہ	مسجدِ قباء

حضور ﷺ کے پہرہ دار:

سوال: کس کس نے حضور ﷺ کے متعلق کہاں کہاں پہرہ دیا؟

جواب:

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ	جنگِ بدر کے دن، جب کہ حضور ﷺ جھونپڑی میں آرام فرما رہے تھے
حضرت ذکوان بن عبد قیس رضی اللہ عنہ	جنگِ اُحد کے دن
حضرت محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ	جنگِ اُحد کے دن
حضرت زبیر رضی اللہ عنہ	جنگ احزاب کے دن
حضرت عباد بن بشر[2] رضی اللہ عنہ،	وادیٔ قریٰ
حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ	وادیٔ قریٰ
حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ	وادیٔ قریٰ
حضرت بلال رضی اللہ عنہ	وادیٔ قریٰ

سوال: پہرہ کا طریقہ کب تک جاری رہا؟

جواب: یوں تو حضور ﷺ کا بھروسہ ہمیشہ خدا کی ذات پر رہتا تھا۔ جیسا کہ غزوۂ غطفان کے موقع پر دعثور محاربی کے واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے، جو ربیع الاوّل ۳ھ ہجری میں پیش آیا تھا۔ مگر تدبیر کے درجہ میں لوگ پہرہ لگا لیا کرتے تھے۔ مگر جب یہ آیت نازل ہوئی: وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدة:٦٧) یعنی لوگوں کے شر سے خدا تمہاری حفاظت کرتا ہے۔ تو حضور ﷺ نے اس کو بھی بند فرما دیا۔

حُدِی خواں:

سوال: قافلہ میں اگلے اونٹ پر جو حدی خواں ہوتے ہیں، یعنی جو شعر پڑھا کرتے ہیں

[1] زادالمعاد: ۸۱/۱ [2] زادالمعاد: ۸۲/۱

تا کہ اونٹ تیز چلیں وہ کون کون رہے ہیں؟

جواب: حضرت عبداللہ بن رواحہ، حضرت انجشہ، حضرت عامر بن اکوع اور ان کے چچا سلمہ بن اکوع[1] رضی اللہ عنہم۔

محرِّر:

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین وغیرہ وقتاً فوقتاً کون کون حضرات لکھا کرتے تھے؟

جواب: حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی، حضرت عامر بن فُہیرہ، حضرت عبداللہ بن ارقم، حضرت ابی بن کعب، حضرت ثابت بن قیس بن شماس، حضرت شرحبیل بن حسنہ[2] رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

نُجبا، یعنی جن پر خاص توجہ رہتی ہے:

سوال: وہ حضرات کون تھے جن پر خاص عنایت رہتی تھی؟

جواب: چاروں خلفاء، حضرت حمزہ، حضرت جعفر، حضرت ابوذر غفاری، حضرت مِقداد، حضرت سلمان، حضرت حذیفہ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عمّار، حضرت بلال رضی اللہ عنہم۔

عشرہ مبشّرہ:

سوال: عشرہ مبشّرہ یعنی وہ دس حضرات جن کو دنیا ہی میں جنّت کی بشارت دی گئی تھی وہ کون کون ہیں؟

جواب: چاروں خلفاء، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت زبیر بن عوام، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت طلحہ بن عبیداللہ، حضرت ابوعبیدہ بن جراح، حضرت سعید بن زید رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

---

[1] زادالمعاد: ۱/۸۳ [2] سرورالمحزون و زادالمعاد: ۱/۷۴

جانور، ہتھیار اور خانگی سامان وغیرہ

گھوڑے:

(۱) سَکْب: اُحد کی جنگ میں اس پر سوار تھے۔ پیشانی اور تین ہاتھ پیر سفید، بدن کا رنگ کُمَیت (عُنّابی) داہنا ہاتھ بدن کے رنگ کا، گھوڑ دوڑ میں حضور ﷺ اُس پر سوار ہوئے، وہ آگے بڑھا، یہ پہلا گھوڑا ہے جس کے حضور ﷺ مالک ہوئے۔

(۲) مُرتجز: اشہب یعنی سفید، مائل بسیاہی۔

(۳) لحیف: ربیعہ نے ہدیہ میں بھیجا تھا۔

(۴) لزاز: مقوقس نے ہدیہ میں بھیجا تھا۔

(۵) ظرب[۱] یا طرب[۲]: فروہ جذامی نے ہدیہ میں بھیجا تھا۔

(۶) سبحہ: یمن کے سوداگروں سے خریدا تھا۔ گھوڑ دوڑ میں تین مرتبہ اُس پر سوار ہوئے اور آگے بڑھے اس کو دستِ مبارک سے تھپکتے ہوئے فرمایا: بحر یعنی تیز رفتار اور لانبے قدم والا گھوڑا ہے، سمندر کی طرح بہتا ہے۔

(۷) ورد: تمیم داری رضی اللہ عنہ نے ہدیہ میں بھیجا تھا۔

(۸) ضرس[۳]

(۹) ملاوح

(دسویں کا نام معلوم نہیں ہوسکا اور اس سے زائد ۱۵ تک کی بھی روایتیں ہیں)

خچر:

(۱) دُلدُل: مقوقس نے ہدیہ میں بھیجا تھا، سفید سیاہی مائل رنگ تھا۔ یہ سب سے پہلا خچر ہے کہ اسلام کے زمانہ میں اس پر سواری ہوئی۔

(۲) فضہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یا فروہ جذامی نے پیش کیا تھا۔

---

[۱] زادالمعاد: ۱/۸۷ [۲] سرورالمحزون [۳] زادالمعاد: ۱/۸۷

(۳) **ایلیہ**: مقام ایلہ کے بادشاہ کا ہدیہ۔
(۴) اس کا ذکر صرف علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے نام نہیں بیان کیا۔ دومۃ الجندل کے بادشاہ کا ہدیہ تھا۔

دراز گوش (گدھا):

(۱) **یَعْفُور** یا **عُفَیر**: مقوقس نے ہدیہ کیا تھا، رنگ سفید، سیاہی مائل۔
(۲) علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ذکر کیا ہے، نام نہیں بیان کیا۔ فروہ جذامی کا ہدیہ تھا۔

دودھ کی اور لادُو اونٹنیاں:

بیس، اور براویت علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ پینتالیس تھیں جو غابہ مقام پر رہا کرتی تھیں۔

سانڈنیاں:

دو یا تین تھیں:
(۱) **قصواء**: جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ہجرت کے وقت سواری میں تھی۔
(۲) **عضباء**
(۳) **جدعاء**: بعض نے یہ دونوں نام ایک ہی قرار دیئے ہیں اور بعض حضرات نے تینوں ایک ہی اونٹنی کے نام قرار دیئے ہیں۔

سواری کا اُونٹ:

ایک تھا، جو اصل میں ابوجہل کا تھا۔ جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ اس کی ناک میں چاندی کا کڑا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صلحِ حُدَیْبِیَہ کے دن مکّہ والوں کے پاس بطور ہدیہ بھیج دیا۔[1]

بکرے اور بکریاں:

سو تھیں، ان میں سے جب بچہ پیدا ہوتا تو ایک کو ذبح فرما لیتے، سو سے زائد نہ ہوتیں۔ ان میں سے ایک خاص بکری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دودھ کے لیے مخصوص تھی۔

---

[1] زادالمعاد: ۱/۸۷

مرغ:

ایک مرغ تھا، رنگ سفید۔[1] واللہ اعلم!

ہتھیار

تلواریں:

(۱) **ماثور:** یہ سب سے پہلی تلوار ہے، جو والد ماجد کے ترکہ میں حضور ﷺ کو ملی تھی۔
(۲) **ذوالفِقار:** بنی الحجاج کی تھی، جنگِ بدر میں ہاتھ لگی تھی۔ جس کے متعلق حضور ﷺ نے جنگِ اُحد سے پہلے ایک خواب دیکھا تھا جسکی تعبیر یہ لگائی تھی کہ شکست ہوگی، جو جنگِ اُحد میں پوری ہوئی۔
(۳) **قلعی**
(۴) **بتار**[2]
(۵) **حتف:** یہ تینوں تلواریں بنی قَینُقاع کے مال میں سے ملی تھیں۔
(۶) **قضیب:** یہ سب سے پہلی تلوار ہے جس کو حمائل کے طور پر حضور ﷺ نے پہنا تھا۔
(۷) **عضب:** حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے پیش کی تھی۔
(۸) **رَسوب۔**
(۹) **مخذم۔**

نیزے:

(۱) **مُثوِی**
(۲) **مُثنی**
(۳) ایک قسم کا چھوٹا نیزہ (حربہ) جس کو "نبعہ" کہتے تھے۔
(۴) **عَنَزَۃ** (چھوٹا سا نیزہ) اس کو بقر عید میں آگے لے جایا جاتا اور نماز کے وقت سامنے گاڑ

---

[1] زادالمعاد و سرور المحزون [2] زادالمعاد: ۱/۸۵

کرُسترہ بنایا جاتا، کبھی کبھی اس کو لے کر حضور ﷺ چلتے بھی تھے۔

(۵) **بیضاء** (بڑا نیزہ)۔

لاٹھیاں:

(۱) **مِجن**: چھوٹی سی چھڑی تھی، تقریباً ایک ہاتھ لانبی، مُوٹھ مڑی ہوئی، اونٹ کی سواری کے وقت حضور ﷺ کے پاس رہتی۔ چلنے اور سوار ہونے میں بھی اس سے سہارا لیتے تھے۔

(۲) **عُرجون**: پوری لاٹھی کا آدھا۔

(۳) **مَمْشوق**: پتلی چھڑی، شوحط درخت کی۔

کمان:

(۱) **شداد**[۱] (۲) **زوراء**

(۳) **روحاء** (۴) **صفراء**

(۵) **بیضاء** (٦) **کتوم**، جو جنگ اُحد میں ٹوٹ گئی۔

ترکش:

(۱) **جمع** (۲) **کافور**

خَود:

(۱) **موشح** (۲) **ذوالسبوغ**[۲]

زرہ:

(۱) **ذات الفضول**: یہ وہی زرہ ہے جو گھر والوں کے کھانے کے لیے تیس صاع یعنی تقریباً ڈھائی من غلّہ کے عوض ابوشحم یہودی کے پاس ایک سال رہن رہی تھی اور کہا جاتا ہے کہ جنگِ حنین میں حضور ﷺ نے اُسی کو زیبِ تن فرمایا تھا۔

(۲) **ذاتُ الوِشاح**

(۳) **ذاتُ الحواشی**

---

[۱] زادالمعاد: ۸٦/۱ [۲] زادالمعاد: ۸٦/۱

(۴) سعدیہ
(۵) فضّہ: یہ دونوں بنی قَینُقاع کے مال میں سے ملی تھیں۔
(۶) البتراء[۱]
(۷) خرنق۔[۲]

پٹکا چمڑے کا:

اس میں چاندی کی تین کڑیاں تھیں۔

ڈھال:

(۱) زلوق
(۲) فتق۔

ایک ڈھال پر کرگس کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ حضور ﷺ نے اس پر دستِ مبارک رکھا وہ فوراً مٹ گئی۔

جھنڈا:

ایک نام ''عُقاب'' تھا، رنگ کالا۔ باقی اور جھنڈے بھی ضرورت کے وقت بنتے رہے ہیں، جن کے مختلف رنگ تھے، جھنڈیاں عموماً سفید رنگ کی ہوتی تھیں۔

خیمہ:

ایک تھا۔

چارجامہ:[۳]

ایک تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔

کپڑے:

جبے تین، حبری جامے دو، صحاری کُرتہ ایک، صحاری جامے دو، یمنی جامہ ایک، سحول کرتا ایک، چادر پھول دار یا دھاری دار ایک، سفید کمبل ایک، ٹوپیاں تین یا چار، عمامہ ایک، کالا

[۱] زادالمعاد: ۱/۸۵ [۲] زادالمعاد: ۱/۸۵ [۳] کپڑے کا زین جس میں لکڑی نہیں ہوتی۔

کمبل ایک، لحاف ایک، چمڑے کا بستر جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ دو کپڑے جمعہ کی نماز کے لیے مخصوص رہا کرتے تھے۔ ایک رومال، دو سادہ موزے جن کو نجاشی بادشاہ نے ہدیہ میں پیش کیا تھا۔

برتن وغیرہ

بڑا بادیہ لکڑی کا ایک، جس میں تین جگہ چاندی کی پتریاں لگا کر مضبوط جوڑا گیا تھا۔

پتھر کا بادیہ ایک، جس سے وضو فرمایا کرتے تھے۔

پیتل یا کانسی کا کونڈا ایک، جس میں حنا اور وسمہ گھوٹا جاتا، حنا کو گرمی کے وقت حضور ﷺ سر مبارک پر رکھتے تھے۔

پیالہ شیشہ کا ایک۔

پیتل کا بڑا کونڈا ایک۔

اغرّاء: ایک بڑا کونڈا جس میں چار کڑے لگے ہوئے تھے اس کو چار آدمی اُٹھایا کرتے تھے۔

ایک **لکڑی کا بادیہ** جو اندر رکھا رہتا تھا، ضرورت کے وقت رات کو اس میں پیشاب کر لیا کرتے تھے۔

ایک **تھیلا** جس میں آئینہ، کنگھا، سرمہ دانی، قینچی اور مسواک رہتی تھی۔

ایک **چار پائی** جس کے پائے سال کے تھے، جس کو حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے پیش کیا تھا۔

ایک **چاندی کی انگوٹھی** جس پر نقش تھا: (محمد رسول اللہ)

تمت بالخیر

ا؎ زاد المعاد: ۸۶/۱

مجلدة

الجامع للترمذي	الصحيح لمسلم
الموطأ للإمام محمد	الموطأ للإمام مالك
مشكاة المصابيح	الهداية
التبيان في علوم القرآن	تفسير البيضاوي
شرح نخبة الفكر	تفسير الجلالين
المسند للإمام الأعظم	شرح العقائد
ديوان الحماسة	آثار السنن
مختصر المعاني	الحسامي
الهدية السعيدية	ديوان المتنبي
رياض الصالحين	نور الأنوار
القطبي	شرح الجامي
المقامات الحريرية	كنز الدقائق
أصول الشاشي	نفحة العرب
شرح تهذيب	مختصر القدوري
علم الصيغه	نور الإيضاح

ملونة كرتون مقوي

شرح عقود رسم المفتي	السراجي
متن العقيدة الطحاوية	الفوز الكبير
متن الكافي	تلخيص المفتاح
المعلقات السبع	مبادئ الفلسفة
هداية الحكمة	دروس البلاغة
كافية	تعليم المتعلم
مبادئ الأصول	هداية النحو (مع التمارين)
زاد الطالبين	المرقات
هداية النحو (متداول)	ايساغوجي
شرح مائة عامل	عوامل النحو

المنهاج في القواعد والإعراب

سيطبع قريبا بعون الله تعالىٰ

ملونة مجلدة

الصحيح للبخاري

Other Languages

Riyad Us Saliheen (Spanish) (H. Binding)
Fazail-e-Aamal (German)
Muntakhab Ahadis (German)

To be published Shortly Insha Allah

Al-Hizb-ul-Azam (French) (Coloured)

Books in English

Tafsir-e-Uthmani (Vol. 1, 2, 3)
Lisaan-ul-Quran (Vol. 1, 2, 3)
Key Lisaan-ul-Quran (Vol. 1, 2, 3)
Al-Hizb-ul-Azam (Large) (H. Binding)
Al-Hizb-ul-Azam (Small) (Card Cover)

شعبہ نشر واشاعت
چودھری محمد علی چیریٹیبل ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کراچی پاکستان

درس نظامی اردو مطبوعات

خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی
معین الفلسفلہ
آسان اصول فقہ
تیسیر المنطق
فصول اکبری
علم الصرف (اولین وآخرین)
عربی صفوۃ المصادر
جمال القرآن
نحو میر
میزان ومنشعب (الصرف)
تعلیم الاسلام (مکمل)
عربی زبان کا آسان قاعدہ
نام حق
پند نامہ
عربی کا معلّم (اول تا چہارم)
عوامل النحو (النحو)
حیات المسلمین
تعلیم العقائد
مفتاح لسان القرآن (اول تا سوم)
بہشتی زیور (تین حصے)

خیر الاصول (اصول الحدیث)
الانتباہات المفیدۃ
معین الاصول
فوائد مکیہ
تاریخ اسلام
علم النحو
جوامع الکلم
صرف میر
تیسیر الابواب
بہشتی گوہر
تسہیل المبتدی
فارسی زبان کا آسان قاعدہ
کریما
تیسیر المبتدی
کلید جدید عربی کا معلّم (اول تا چہارم)
آداب المعاشرت
تعلیم الدین
لسان القرآن (اول تا سوم)
سیر صحابیات

دیگر اردو مطبوعات

قرآن مجید پندرہ سطری (حافظی)
پنج سورہ

پنج پارہ
عم پارہ (درسی)

سورۂ یٰس
رحمانی قاعدہ
اعجاز القرآن
بیان القرآن
سیرت سید الکونین خاتم النبیین ﷺ
خلفائے راشدین
نیک بیبیاں
تبلیغ دین (امام غزالی رحمہ اللہ)
علاماتِ قیامت
جزاء الاعمال
علیکم بسنتی
منزل
الحزب الاعظم (ماہوار مکمل)
اعمال قرآنی
مناجات مقبول
فضائل اعمال
اکرام مسلم
فضائل علم
فضائل امت محمدیہ ﷺ
منتخب احادیث
نماز حنفی
آئینہ نماز
بہشتی زیور (مکمّل)
روضۃ الادب

نورانی قاعدہ
بغدادی قاعدہ
تفسیر عثمانی
النبی الخاتم ﷺ
حیاۃ الصحابہ رضی اللہ عنہم
امت مسلمہ کی مائیں
رسول اللہ ﷺ کی نصیحتیں
اکرام المسلمین/حقوق العباد کی فکر کیجیے
حیلے اور بہانے
اسلامی سیاست
آداب معیشت
حصن حصین
الحزب الاعظم (ہفتوار مکمل)
زاد السعید
مسنون دعائیں
فضائل صدقات
فضائل درود شریف
فضائل حج
جواہر الحدیث
آسان نماز
نمازِ مدلل
معلّم الحجاج
خطبات الاحکام لجمعات العام

دائمی نقشہ اوقاتِ نماز: کراچی، سندھ، پنجاب، خیبر پختونخواہ